

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

عزیز اللہ صفتی

تالیف لطیف
مفتی غلام محمد ریلانی

ترجمہ: پیر زاوہ اقبال احمد فاروقی

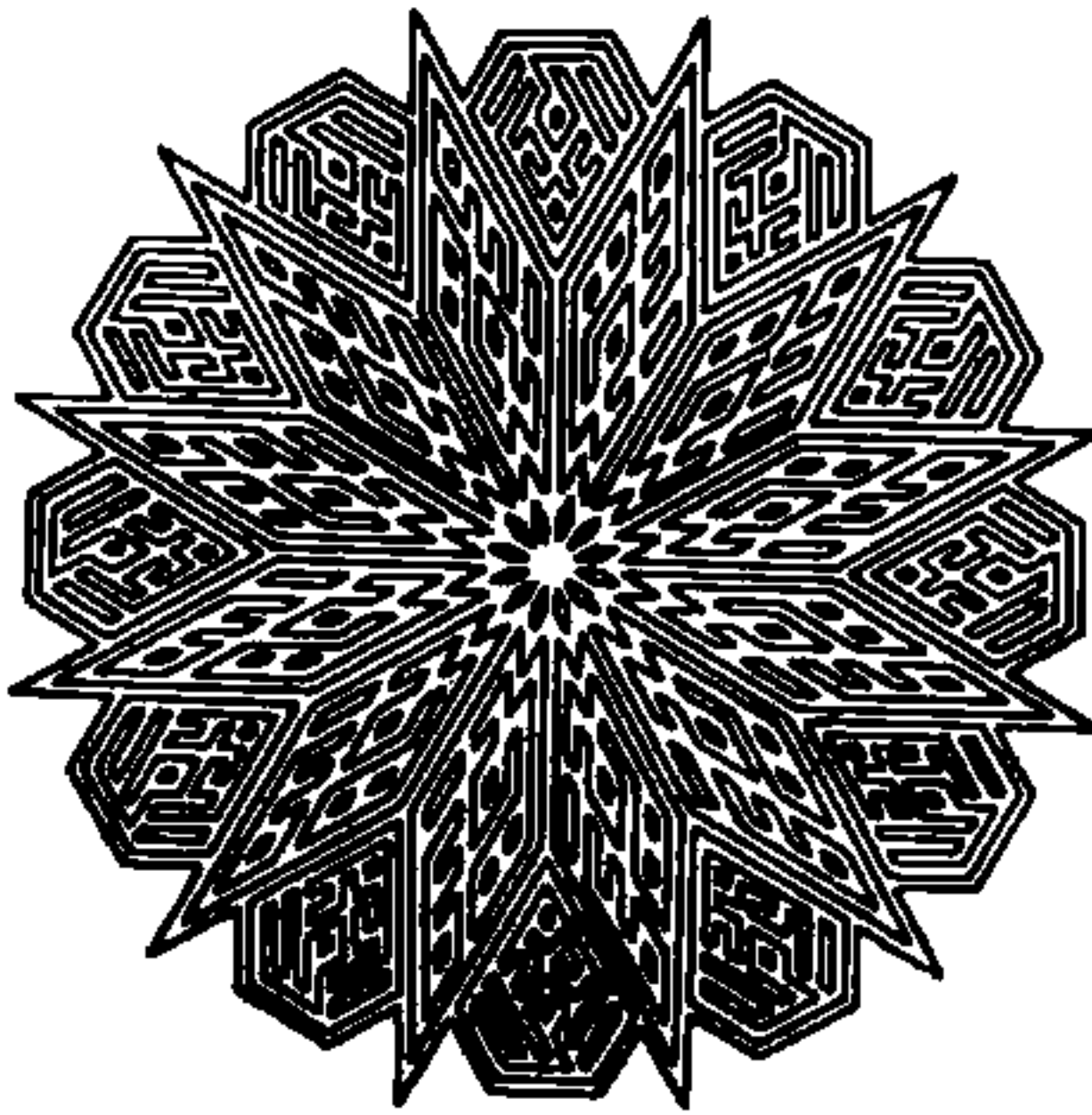
مکتبہ نبویہ گنج بخش ریلانی لاہور

8

خزينة الأصفى

marfat.com

Marfat.com



marfat.com
Marfat.com

جلد اول : سلسلہ قادریہ

حزبۃ الاصفیاء

مصنف

مفتی غلام سرور لاہوری

مترجمین

مفتی محمود عالم ہاشمی

علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ لاہور

marfat.com

Marfat.com

جدد حقوق بقی ناشر محفوظ

بار اول _____ سوال المکرم ۱۴۱۰ھ
تعداد _____ ایک ہزار
جماعت _____ آفٹ، سفید کاتڈ، مجلد
نسخات _____ $\frac{19 \times 23}{8}$ ۲۲۸ صفحات
طابع _____ مکتبہ جدید پریس لاہور
ناشر _____ مکتبہ نبویہ لاہور
قیمت _____ ۵۰ روپے

فہرست اسمائے بزرگیاں

صفحہ	اسمائے گرامی	نمبر شمار	صفحہ	اسمائے گرامی	نمبر شمار
۱۱۵	حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰؑ	۲۰	۹	حالات مصنف از مترجم	
۱۱۹	حضرت حسن بن علی بن محمد بن علیؑ	۲۱	۳۱	مقدمہ از مصنف	
۱۲۲	حضرت امام مہدی امام الغیبؑ	۲۲		مخزن اول	
	مخزن دوم: سلسلہ قادریہ		۳۵	خاتم النبیین رسالتاب صلعم	۱
۱۲۶	حضرت معروف کرخیؑ	۲۳	۳۹	سیدنا ابوبکر صدیقؓ	۲
۱۳۱	شیخ سری سقلیؑ	۲۴	۵۲	امیر المومنین فاروق اعظمؓ	۳
۱۳۵	سید الطائفہ جنید بغدادیؑ	۲۵	۵۶	امیر المومنین عثمانؓ	۴
۱۳۳	شیخ ابوبکر شبلیؑ	۲۶	۵۹	امیر المومنین علی المرتضیٰؓ	۵
۱۳۸	شیخ عبدالواحد تمیمیؑ	۲۷	۷۰	امیر المومنین حضرت حسنؓ	۶
۱۳۸	شیخ ابوالفرح طرطوسیؑ	۲۸	۷۲	امیر المومنین حضرت حسینؓ	۷
۱۳۹	شیخ ابوالحسن بشکاریؑ	۲۹	۷۵	حضرت زین العابدینؓ	۸
۱۳۹	شیخ ابوسعید مبارک مخزومیؑ	۳۰	۸۰	حضرت امام محمد باقرؑ	۹
۱۵۱	شیخ عماد دیا بسؑ	۳۱	۸۵	حضرت امام جعفر صادقؑ	۱۰
۱۵۲	شیخ بقا بن طوزؑ	۳۲	۹۰	حضرت امام الاعظم ابوحنیفہؑ	۱۱
۱۵۳	شیخ علی بن ایشیؑ	۳۳	۹۳	حضرت امام مالکؑ	۱۲
۱۵۵	شیخ سید عبدالقادر جیلانیؑ	۳۴	۹۴	حضرت امام البر یوسفؑ	۱۳
۱۶۷	شیخ ابو عمر قریشیؑ	۳۵	۹۴	حضرت امام شیبانیؑ	۱۴
۱۶۸	شیخ قصب ابان موصلیؑ	۳۶	۹۵	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ	۱۵
۱۶۹	شیخ احمد بن مبارکؑ	۳۷	۹۷	حضرت امام شافعیؑ	۱۶
۱۶۹	شیخ سید احمد رفاعیؑ	۳۸	۱۰۰	حضرت امام علی بن موسیٰؑ	۱۷
۱۶۲	شیخ سید شرف الدین عینیؑ	۳۹	۱۰۹	حضرت امام نقیؑ	۱۸
۱۶۲	شیخ صدقہ بغدادیؑ	۴۰	۱۱۲	حضرت امام احمد بن حنبلؑ	۱۹

۱۹۶	سید عبدالقادر گیلانی لاہوری	۶۵	۱۶۳	شیخ ابو عمر حریفی	۳۱
۱۹۷	سید عبدالرزاق گیلانی اوچی	۶۶	۱۶۵	شیخ محمد الاوانی المعروف ابن التیاب	۳۲
۱۹۷	میر سید مبارک حقانی گیلانی اوچی	۶۷	۱۶۵	شیخ ابوالسعود بن شبلی	۳۳
۱۹۸	سید محمد غوث بالاپیر	۶۸	۱۶۷	شیخ حیات شیرانی	۳۴
۱۹۸	سید بہار الدین گیلانی	۶۹	۱۶۷	شیخ ابوعبدالرحمن عبدالقدیر	۳۵
۲۰۰	مخدوم جی قادری	۷۰	۱۶۹	شیخ شمس الدین عبدالعزیز	۳۶
۲۰۰	سید عبدالقدربانی	۷۱	۱۶۹	شیخ ابودین مغربی	۳۷
۲۰۱	سید اسماعیل گیلانی	۷۲	۱۷۰	شیخ تاج الدین عبدالرزاق	۳۸
۲۰۱	سید حامد گنج بخش گیلانی	۷۳	۱۸۱	شیخ ابوالفضل محمد	۳۹
۲۰۲	شیخ داؤد چونی وال شیرگڑھی	۷۴	۱۸۲	شیخ ابوبکر زکریا بھٹی	۵۰
۲۰۳	شیخ بہلول دیبانی	۷۵	۱۸۲	شیخ سیف الدین عبدالوہاب	۵۱
۲۰۴	شیخ ابواسحاق قادری لاہوری	۷۶	۱۸۳	شیخ ابونصر موسیٰ	۵۲
۲۰۶	سید میر میراں گیلانی اوچی	۷۷	۱۸۳	شیخ موفق الدین المقدسی	۵۳
۲۰۶	شیخ معروف چشتی قادری	۷۸	۱۸۳	شیخ ابواسحاق ابراہیم	۵۴
۲۰۶	سید محمد نور قادری	۷۹	۱۸۳	شیخ صدر الدین قونیوی	۵۵
۲۰۸	شاہ قمیس الدین گیلانی سادھوری	۸۰	۱۸۵	شیخ محی الدین ابن العربی	۵۶
۲۰۹	شیخ سید اسماعیل گیلانی	۸۱	۱۸۷	شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینی	۵۷
۲۱۰	سیدالمنش گیلانی لاہوری	۸۲	۱۸۷	امام عبدالشہید یافعی	۵۸
۲۱۰	شیخ خضر سیوستانی	۸۳	۱۸۹	شاہ نعمت اللہ دلی	۵۹
۲۱۱	سید شاہ نور حضور	۸۴	۱۸۹	شیخ بہار الدین جنیدی	۶۰
۲۱۲	سید موسیٰ پاک شہید	۸۵	۱۸۹	سید محمد غوث گیلانی حلبی اوچی	۶۱
۲۱۲	شیخ عبدالوہاب متقی	۸۶	۱۹۲	شاہ فیروز الدین قادری لاہوری	۶۲
۲۱۵	سید صفوانی گیلانی	۸۷	۱۹۲	مخدوم سید عبدالقادر شامی	۶۳
۲۱۵	سید کامل شاہ قادری لاہوری	۸۸	۱۹۵	سید محمود حضور	۶۴

۲۵۹	سید عبدالرزاق قادری	۱۱۳	۲۱۹	شیخ حسین لاہوری	۸۹
۲۵۹	شیخ شاہ محمد قادری	۱۱۴	۲۲۹	شیخ حسین قادری حشتی	۹۰
۲۶۲	شہزادہ محمد داراشکوہ	۱۱۵	۲۲۹	شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری	۹۱
۲۶۲	شاہ صفی اللہ	۱۱۶	۲۲۶	شاہ بدرگیلانی	۹۲
۲۶۳	شیخ حاجی عبدالجیل	۱۱۷	۲۲۸	شاہ شمس الدین قادری	۹۳
۲۶۳	حاجی محمد ہاشم گیلانی	۱۱۸	۲۲۸	سید جبریل الشہر سید عبدالقادر شاہ گیلانی	۹۳
۲۶۵	سید مسرور دین حسوری	۱۱۹	۲۲۹	سید خیر الدین ابوالعالی قادری کرانی	۹۵
۲۶۵	سید محمد امیر قادری گیلانی صاحب حجرہ	۱۲۰	۲۳۰	میاں تمنا قادری	۹۶
۲۶۶	شیخ حاجی محمد قادری	۱۲۱	۲۳۲	حاجی مسطفی سرہندی	۹۷
۲۶۳	سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم گیلانی قادری	۱۲۲	۲۳۳	سید عبدالوہاب گیلانی	۹۸
۲۶۵	سید عبدالحکیم گیلانی	۱۲۳	۲۳۳	شیخ عبداللہ تہی	۹۹
۲۶۶	سید محمد فاضل متوکل لاہوری	۱۲۴	۲۳۴	ملاحاد قادری	۱۰۰
۲۶۷	خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہی	۱۲۵	۲۳۴	شیخ محمد میر المعز و بیابان میر بالا پیر قادری	۱۰۱
۲۶۹	شیخ رحیم داد قادری	۱۲۶	۲۳۱	سید غلام غوث و شاہ حاکم	۱۰۲
۲۷۰	سید عمر گیلانی	۱۲۷	۲۳۳	شاہ بلاول قادری	۱۰۳
۲۸۰	سید حسین پشاور قادری	۱۲۸	۲۳۶	سید عبدالقادر اکبر آبادی	۱۰۴
۲۸۱	شاہ رضا قادری شطاری	۱۲۹	۲۳۶	مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵
۲۸۲	سید محمد صالح قادری	۱۳۰	۲۴۷	پیر مسکین شاہ امری	۱۰۶
۲۸۳	شیخ سدر الدین قادری نوشاہی	۱۳۱	۲۴۰	سید محمد تقیم الدین قادری مجرہوی	۱۰۷
۲۸۳	شاہ درگاہی قادری لاہوری	۱۳۲	۲۵۰	شیخ مادھو لاہوری	۱۰۸
۲۸۳	شیخ تاج محمد قادری	۱۳۳	۲۵۳	خواجہ بہاری قادری	۱۰۹
۲۸۶	شیخ عبدالحمید قادری نوشاہی	۱۳۴	۲۵۳	شاہ سلیمان قادری	۱۱۰
۲۹۶	سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانی	۱۳۵	۲۵۷	سید جان محمد حسوری	۱۱۱
۲۹۷	شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی	۱۳۶	۲۵۸	محمد صالح اکبر آبادی قادری	۱۱۲

۳۱۰	سید شاہ حسین بن سید نور محمد جبرویؒ	۱۵۹	۲۸۷	حافظ برخوردار قادری نوشاہیؒ	۱۳۷
۳۱۱	شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۶۰	۲۸۹	سید عبد الوہاب حسوریؒ	۱۳۸
۳۱۲	شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۶۱	۲۹۰	شیخ محمد تقی قادری نوشاہیؒ	۱۳۹
۳۱۲	میر سید بختیہ شاہ قادری شطاریؒ	۱۶۲	۲۹۱	خواجہ ہاشم دیبا دل قادری نوشاہیؒ	۱۴۰
۳۱۳	سعد اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۶۳	۲۹۲	سید امین اللہ قادریؒ	۱۴۱
۳۱۳	شیخ محمد عظیم قادریؒ	۱۶۳	۲۹۲	سید بدر الدین گیلانی قادری لاہوریؒ	۱۴۲
۳۱۵	شاہ سردار قادری	۱۶۵	۲۹۳	شاہ شرف قادری لاہوریؒ	۱۴۳
۳۱۵	سید میر محمد شاہ عبدالرزاق جبرویؒ	۱۶۶	۲۹۳	شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۴۴
۳۱۶	شیخ مناجت علی خوروقادری لاہوریؒ	۱۶۷	۲۹۵	شیخ احمد بیگ قادری نوشاہیؒ	۱۴۵
۳۱۶	شاہ صدر الدین جبرویؒ	۱۶۸	۲۹۷	شاہ عنایت قادری شطاری لاہوریؒ	۱۴۶
۳۱۷	سید سعد الدین جبرویؒ	۱۶۹	۲۹۸	سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوریؒ	۱۴۷
۳۱۷	شیخ جان محمد قادری لاہوریؒ	۱۷۰	۲۹۸	شیخ جمال اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۴۸
۳۱۸	شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوریؒ	۱۷۱	۲۹۹	مولانا حافظ مسموری قادری نوشاہیؒ	۱۴۹
۳۲۰	شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوریؒ	۱۷۲	۳۰۰	شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوریؒ	۱۵۰
۳۲۱	سید مادل شاہ گیلانی لاہوریؒ	۱۷۳	۳۰۲	شیخ پیر محمد قادری نوشاہیؒ	۱۵۱
۳۲۲	سید شادی شاہ قادری لاہوریؒ	۱۷۳	۳۰۳	مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہیؒ	۱۵۲
۳۲۲	شاہ سردار قادریؒ	۱۷۵	۳۰۳	شیخ عبدالرحمان قادری نوشاہیؒ	۱۵۳
۳۲۳	سید علی شاہ قادری لاہوریؒ	۱۷۶	۳۰۶	سید عبدالعزیز شاہ گرا گیلانیؒ	۱۵۳
۳۲۴	سید سردار علی شاہ شہید متیم شاہی جبرویؒ	۱۷۷	۳۰۷	شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوریؒ	۱۵۵
۳۲۶	شاہ غلام نبی جبرویؒ	۱۷۸	۳۰۸	شیخ فتح محمد قادری نوشاہیؒ	۱۵۶
۳۲۶	سید قطب الدین گیلانیؒ	۱۷۹	۳۰۹	شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہیؒ	۱۵۷
۳۲۸	شیخ مسلم خان قادریؒ	۱۸۰	۳۱۰	شیخ محمد سلطان لاہوریؒ	۱۵۸

مفتی غلام شہر لاہوری قدس سرہ

۱۲۴۴ھ ————— ۱۳۰۶ھ

حضرت علامہ الحاج محکم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی سہروردی چشتی لاہوری مکتبہ مدنیہ مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ اپنے آبائی شہر لاہور محلہ کوٹلی مفتیاں میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی انہی سے پڑھی۔ سلسلہ سہروردی میں بھی انہی سے بیعت تھی۔ پھر حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے طبقہ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، صرف و نحو، معانی و منطقی، اصول فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے عالم نبیل، فاضل جلیل، بے مثال ادیب، بلند پایہ شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مستند مؤرخ، شہرہ آفاق سوانح نگار، ماہر علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے۔ سرزمین پاک و ہند میں ایسے طباع، عالی دماغ، جامع علوم و فنون، حالی کمالاتِ صوری و معنوی شاذ ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ نے اپنی پیش بہا اور بلند پایہ تصانیف سے علم و ادب کے ہر شعبہ کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگارنگ سے بھر دیا۔

تمام تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ زندگی کا کچھ اوائل حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ چنانچہ پہلے کچھ عرصہ سردار بھگوان سنگھ رئیس لاہور و جاگیر دار فتح گڑھ چوئیاں کی جائداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنہیا لال ایگزیکٹو انجیر لائبریری بورڈ ویشن نے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے مل لاہور میں آنریری ممبر ٹیٹ تھے۔ ان کا والد راجہ ہرنب سنگھ خٹن راجہ تیا سنگھ رنجیت سنگھ کے امراء میں سے تھا۔ جس کے سپرد کچھ عرصہ نظامت کشمیری بھی رہی تھی۔

یہ کاشتورنا نڈان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن جلیسر ضلع اٹیہ تھا۔ ہندی تخلص کرتے تھے۔ دہاتی اٹھ گھنٹہ

marfat.com

Marfat.com

عکد میں ایک معتول مشاہیر پر ملازمت و ملاوی تھی مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت کے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لئے موزوں تھی۔ چنانچہ اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی اور اسی شغف میں عمر عزیز صرف کر دی۔

آپ کوچ بیت اللہ اور زیارت روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے جو نعمتیں عشق رسولؐ میں ڈوب کر کھی ہیں وہ آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

آخر آپ کی یہ دیرینہ آرزو برآئی اور آپ ماہ جون ۱۸۹۰ء کو اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی جلال الدین خلع حضرت مولانا مفتی سید محمد کی صحبت میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ حج کے بعد ۲۰ ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبا نے بیفہ پھوٹ پڑی۔ پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پنچ کر جمہرات کے روز ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ / مطابق ۱۳ اگست ۱۸۹۰ء کو دار البقاء کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے وفات سے دو گھنٹہ پیشتر فرمایا تھا کہ میری نعش مدینہ منورہ لے جا کر جنت البقیع میں دفن کی جائے۔ اس امر کے لئے کوشش بھی کی گئی لیکن موسم کی خرابی اور بیماری بیفہ کے پھیل جانے کی وجہ سے نعش کا وہاں تک لے جانا مشکل تھا، اس لئے مجبوراً منزل بئر الاحسانی میں جو مسافرات جنگ بدر میں سے ہے سپرد خاک کئے گئے۔

مٹی نہ جو برباد پس مرگِ النہی!
جب خاک اڑے میری مدینے کی جواہر

(بقیہ ماشیہ ص ۹)

شعرو سخن میں کچھ عرصہ مولوی احمد بخش بیدل سے بھی اصلاح لی تھی۔ فارسی اردو میں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً:

۱۔ رنجیت نامہ منظم فارسی میں ہے۔ رنجیت شکر کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۔ نگارین نامہ (قصہ بیور انجما) یہ بھی فارسی نظم میں ہے۔

۳۔ تاریخ پنجاب ۴۔ تاریخ لاہور اردو نثر میں اور زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاق ہندی،

ہندگی نامہ، نصیحت نامہ، گلزار ہندی، فارسی وارد و نظم میں ہیں۔ زبان سیدھی سادی ہے۔ خیالات اتنے

بلند نہیں۔ فارسی کلام اوسط درجے کا ہے اور تعویف و اخلاق کا رنگ غالب ہے۔

جناب مولانا غلام دستگیر قصوری نے ناز جنازہ پڑھائی اور اس طرح آپ کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی کہ حجاز جاؤں تو واپس نہ آؤں۔ فرماتے ہیں،

ارادہ ہے کہ جب یثرب کو جاؤں یا رسول اللہؐ وہاں سے واپس برگز نہ آؤں یا رسول اللہؐ آپ کے آخری دیوان وصالِ سرور میں ایک نعتیہ غزل ہے جس کا عنوان ہے،

غزل در اظہار زیارت حرمین الشریفین

اس نعتیہ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکہ معظمہ میں متعدد نعتیہ غزلیں لکھی تھیں جنہیں آپ روزِ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر پڑھنا چاہتے تھے مگر قدرت نے اتنی مہلت نہ دی اور آپ کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی،

بے سچا سرور عالم کے آج گھر سرور کھڑا ہے صورت دیوانہ زیرِ سرور

اب اپنے درپاسے رکھو کہ آئندہ پھرے جہاں میں نہ آوارہ در بدر سرور

زیارتِ روزِ اظہار کے متعلق بھی ایک قطعہ تاریخ لکھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ منورہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں گا۔ لیکن یہی قطعہ تاریخ آپ کی تاریخِ وفات بن گیا۔

”ابھی سرور نے کی ہے سرور عالم کی پابوسی“

دیگر قطعات تاریخِ وفات:

از مفتی غلام صفدر فوقانی و کیسل

در وہ یثرب بہ شوقِ روزِ پاکِ رسولؐ سرور آں شیدائے احمد یافت رختِ مگان

سالِ ترحیلِ سرورِ غیبِ درگوشِ ولم زوداً سرورِ معلیٰ منزلتِ رفت از جہاں

از مفتی محمد چسپہان بیگ روشن اور سیٹر

مفتی غلام سرور چوں رفت از جہاں ۔ گفتم بدل کہ روشن تاریخ آں بگو

لے علمائے اہلسنت میں شہرہ آفاق تھے۔ علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری مجددی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تمام عمر عقائد باطلہ کے خلاف زبانِ قلم سے جہاد کیا۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں ہے۔ غفرلہ! تاریخِ وفات ہے تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ علمائے لاہور مولانا غلام اقبال احمد قادری ملاحظہ فرمائیں۔

marfat.com

Marfat.com

بعد از تاملے پئے تاریخ رحلتش! گفنا غلام سرور صدر جہاں بگو
از ڈاکٹر سید علی الفت

رفت ز دنیا چوں سوے عقبی! عاشقِ روئے پیمبر سرور!!
افتِ نغمگیں سالِ وفاتش گفتِ یقیم مسافرِ سرور
از مفتی غلام اکبر وکیل

عاشقِ صادق جنابِ رسولؐ گئے دنیا سے جانبِ عقبی
سالِ تاریخِ رحلتِ اکبر نے شمسِ علمِ عاشقِ رسولؐ کھا
از حکیم مفتی محمد انور

کہ سرور چوں سفر اندر سفر سوئے حق زیں عالمِ ناپائیدار
ہر سالِ ارتحالش انور!! گو وصالِ سرور عالی تبار
از مولانا پیر غلام دستگیر ناہی

جو کہ مفتی غلام سرور تھے چاہئے ان کی بر ملا تاریخ
چل دیا عاشقِ رسولؐ خدا آج سرور ہے نامیا تاریخ
دیگر

گئے راہِ مدینہ میں گذر آہ جو تھے اک شہرہ آفاق سرور

مہ غلام دستگیر نام، ناتی تخلص، والد کا نام پیر صادق شاہ تھا۔ حضرت شیخ عبد الباقی چوہدری شاہ سبندگی
قریشی سروردی السوفی ۱۹۱۰ء کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ
میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء میں سرکاری ملازم ہو گئے۔
۱۹۲۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی ذائقہ رکھتے
تھے۔ نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ مسائل وراثت پر پورا عبور حاصل تھا
انیس الوارثین، اسلامی قانون وراثت، تاریخ جلیلہ، بزرگان لاہور آپ کی مشہور تصانیف
ہیں۔ ۱۹۶۱ء دسمبر ۱۹۶۱ء کو لاہور میں وفات پائی اور رتہ پیراں میں دفن ہوئے۔

ہوا القاء پئے تاریخ نامی قلم لے کر کلمہ "مشاق سرور"

چار فرزند ۱۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر ۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور اور ایک دختر اقبال بیگم اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

آپ گنگہ مزاج، خلیق و شفیق، امرنہاں مرنج، عابد و زاہد اور صوفی باصفا تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ عشقِ رسول آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صحابہ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے بے حد محبت و عقیدت تھی۔ سہرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے والہانہ ارادت تھی۔ چنانچہ دیوانِ سروری آپ کی منقبت میں پر رادیوان لکھا ہے۔ آپ کے خاندان کے تمام بزرگ اہلسنت، حنفی المذہب، مفتی، وقت اور جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں اور اصلاحِ باطن کے صوفیانہ طریقوں کو آپ کے خاندان میں ہمیشہ ممتاز جگہ حاصل رہی ہے۔

علومِ شریعت و طریقت، تفسیر و حدیث، تاریخ و ادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس پر بے تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار و رموز مع تمام جزئیات کے اس طرح بیان کرتے تھے کہ اذوق سے اذوق مسئلہ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ بات بات پر تاریخ کتھے تھے۔ حلقہ اجاب بڑا وسیع تھا۔ چھوٹے بڑے سرانگھوں پر بٹھاتے تھے۔ الی علم کی مجلس میں ممتاز مقام پاتے۔ اہل ذوق آپ کی صحبت کو غنیمت تصور کرتے۔ بایں ہر طبع عالی میں حد درجے کا استغناء تھا۔ حکام وقت سے ملنا ناپسند کرتے تھے۔ تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ پنڈت بیچ ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائٹنر صاحب سڑار

لے اس علمی خاندان کے منصل حالات "ذکرِ جمیل" مولفہ مفتی محمود عالم ہاشمی میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

لے دیوان احمد صیاد پشاد الترقی، ۸۰، اور جنیت سنگھ کی فوج میں دیوانی عہدہ رکھتے تھے، ان کے فرزند تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل دار تھے۔ ۸۶۲ء میں پنشن لے لی تھی۔ آخری عمر میں جوالا جی کی یاترا کو گئے اور وہیں ہی میں جلا ہو کر وفات پائی۔

لے فقیر نور الدین الترقی، ۸۵، اور جنیت سنگھ کے دوبار کے رکن دکن تھے ان کے فرزند دوم تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل داری کے عہدہ پر فائز تھے پھر پنشن لے لی تھی۔ کچھ عرصہ لاہور کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اخلاقِ حمیدہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کیجئے۔ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی مثالیں دے کر تامل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا ایاز ازمی فیلو بھی بنا منظور نہ کیا جو اور نہ کرنل پالہ اور ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی

(تقریباً مشیر ص ۱۳)

اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

لکھ ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نہایت باذوق اور صاحب علم و فضل انسان تھے۔ ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں نرک پٹے گئے تھے۔ وہاں عربی، فارسی اور ترک زبان سیکھی۔ ۱۸۵۹ء میں برطانیہ کی فرج میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت ترک کر کے پادری بن گئے۔ پھر اسے بھی پھوڑ کر اسلامی قانون پر پکڑ دینے لگے۔ ۱۸۹۲ء میں ہندوستان آ گئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج پھر اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر جسٹس پنجاب یونیورسٹی ہو گئے۔ عرصہ دراز تک اسلامی ممالک کی سیاحت کی تھی۔ اس دوران میں اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا اسلامی نام ملا عبد الرشید سیاح رکھا تھا اور اسلام کی تصدیق میں بخارا و سمرقند کے علماء سے تصدیق نامہ حاصل کر لیا تھا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں اردو زبان میں مولوی کریم الدین کی امداد سے لکھی تھی۔ ۱۸۸۹ء میں لاہور سے چلے گئے تھے۔ دو گنگ لندن کی مسجد انہوں ہی نے بنوائی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں وفات پائی۔

۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ڈاکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب رہے۔ ۱۸۶۴ء میں انگریزوں کے ایاز سے انگریزی زبان و ادب کو فروغ دینے کے لئے جدید شاعری کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اسی زمانے میں طلبہ مدارس کے لئے انگریزی سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ان کتابوں کی زبان درست کرنے کے لئے مولانا محمد حسین آزاد

(باقی اگلے صفحہ پر)

اُس نئی ادبی تحریک میں شامل ہو گئے جو انگریزوں کے ایملہ اور ان کی سہی واداد سے ۱۷۶۲ء میں سیاسی مقاصد کے استحکام کے لئے شروع ہوئی تھی۔ اس تحریک کے روح رواں مولانا محمد حسین آزاد

(بقیہ ماضیہ ص ۱۷)

اور مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات ماحصل کی گئیں۔ ایک بزمِ مشاعرہ قائم ہوئی۔ اس مشاعرہ میں مختلف عنوانات پر نچرل اور اخلاقی نظمیں پڑھی جانی لگیں۔ انہی تراجم کے ذریعے سے مولانا آزاد اور مولانا حالی کو انگریزی ادب سے واقفیت ہوئی، وہ بھی نیم پختہ۔ جس کے سامنے ان بزرگوں اور ان کے ہم نواؤں نے نیاز پاشی شروع کر دی۔ ظاہرًا نظر میں کرنل ہارڈ کا مدار و زبان کی توسیع میں ایسا ہی قابلِ قدر ہے جیسا کہ فورٹ ولیم کالج میں جان گلکرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کا۔ مگر ہمیں اس خوش فہمی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھونا چاہئے کہ یہ ادب نوازی محض سیاسی استحکام کے لئے تھی۔ ۱۸۹۷ء میں اردو ہندی کا جگڑا انگریز مستشرقین اور انگریز حکمرانوں ہی نے پیدا کیا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں زبان کی آڑ میں دائمی افتراق کا بیج بویا، جس نے آگے چل کر مکمل سیاسی صورت اختیار کر لی۔ یورپی میں اردو کی مخالفت سرستید مرحوم کی وفات کے قریب زمانے ہی میں پیدا ہو گئی تھی جو رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی۔ ۱۸۹۵ء میں جب سرانٹونی میکڈانل صوبے کے گورنر ہوئے تو ہندی کے حامیوں کے حوصلے بڑھے۔ اس کے تعاون کی وجہ سے اردو زبان کی بجائے ہندی زبان اور فارسی حروف کے بجائے لکھیتی حروف رائج ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں صوبے کے معزز ہندوؤں نے پھر ایک عرضداشت پیش کی کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچھریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔ ۱۹۰۰ء میں سرانٹونی میکڈانل کی حکومت نے حکم صادر کیا جس کی رو سے اردو کے ساتھ ہندی کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا۔ نواب محسن الملک کے زمانے میں جبکہ وہ علی گڑھ کالج کے سیکرٹری تھے۔ اردو کی حمایت و حفاظت کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی جس کا ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں نواب محسن الملک نے بڑی پُر جوش تقریر کی جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اردو کی حمایت میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سرانٹونی میکڈانل اس وقت صوبے کے گورنر تھے اور ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل انجمن کو کچھ ایسی دھمکی دی کہ انجمن ٹوٹ گئی۔ اردو کی تحریک کو ختم کر دیا گیا لیکن اس کھٹکاش کا ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر پڑا اور حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سرستید مرحوم اور ان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مولانا مانتی تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جا رہا تھا وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ان کا دینی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور علمی زوال بھی چاہتا تھا اور اس کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتا تھا۔

اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کر کے اس کی جگہ انگریزی تعلیم و تمدن اور معاشرت کو اس طرح رائج نہ کیا جائے جو ذہنوں کو بالکل مسخ کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی اور علمی و ادبی تفوق کو بحیر فراموش کر گئی۔

اقتسابِ علوم و فنون کی افادیت اپنی جگہ مسلم۔ نہ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں مفر۔ اس لئے کہ معاشرہ جاہل و ساقم نہیں ہے۔ مسائل حیاتِ علوم و فنون کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتے رہتے ہیں مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سائنس و معاشرتی تقلید سے احساس برتری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ابتداء میں ملانے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی اس میں درحقیقت یہی جذبہ کار فرما تھا۔ نہ اقتسابِ علوم جدیدہ کی مخالفت تھی اور نہ محض انگریزی زبان پڑھنے کی۔ بلکہ اس تمدن و معاشرت کی مخالفت کی جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی۔

چنانچہ اس وقت مدارس کے لئے جو علمی و ادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف و تالیف ہوئیں ان کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنی تاریخ کو فراموش کر دو اور

(بقیہ ماہ شمارہ ۱۵)

دفعائے کار نے بڑی کوشش سے قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی وہ باطل گرنے سے نونچ گئی مگر اس میں شکاف ضرور پڑ گئے۔ یہ ہے انگریزوں کی اردو ادب نوازی کا سیاسی پس منظر۔ بلکہ موجودہ مصبوی ہندی جس کو بھارت اپنا رہا ہے، انگریز مستشرقین نے ہندی اہل اسے ان کا جذبہ قومیت ابھار کر پیدا کرائی ہے۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ عربی و فارسی کے وہ عام فہم الفاظ صدیوں سے اردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے، نکال کر ان کی جگہ بھاشا و سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ داخل کر دیئے۔

انگریزی ادب کے سامنے اسے محل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو۔ مسلمان حکمران ظالم اور متعصب تھے۔ اب انگریزی راج کی برکتیں یاد کرو اور پہلا سبق یہ پڑھو: ماں بچے کو گود میں لے بیٹھی ہے۔ باپ خنہ پی رہا ہے۔

گلازگوٹھ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آنے والا اللہ اللہ
انگریزوں کو اس وقت ایسے اہل قلم اور ایسے مدبرین کی ضرورت تھی جو انہیں تعلیمی نظام کے رائج کرنے میں بھی مدد دیں اور ان کے سیاسی استحکام کا بھی سبب بنیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ تادم زیت اس اپنے مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔
۱۸۸۳ء میں سرسید مرحوم نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لئے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈوٹھی برکٹ علی کے ہاں فرکوش ہوئے۔ خان بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمائندہ جلسہ اپنی کوچھی واقع بیرون موچی دروازہ میں بلایا جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سرسید سے کرایا۔ سرسید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے: نام سنا ہوا تھا اب مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: سید صاحب! میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ میرا مشغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے یہ اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں اور پھر جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیزیں یہاں نہیں دیکھتا۔
سرسید آپ کا جواب سن کر خاموش ہو رہے۔

۱۸۸۳ء میں سرسید نے انجمن اسلامیہ کے بانی، لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، سرسید کے معاون و مددگار اور علی گڑھ کالج کے ڈائریکٹر تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور اپنی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے وقف کر دیں۔ نہایت خلیق، حلیم اور صاحبِ مروت تھے۔ اصل وطن شاہ جہان پور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

تصانیف

کُل اکیس ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور اہم ہیں۔ مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اپنے دماغ و قلم کو شعور و ادب، تاریخ و سوانح نگاری اور علم لغت تک ہی محدود رکھا ہے۔

۱۔ گلدستہ کرامات ۱۲۰۰ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نو کشور کھنوسے چار بار، دہلی سے دو بار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ التوفیٰ ۷۶۱ھ کے مناقب میں ہے۔

اس میں کُل اکیانوے مناقب ہیں۔ کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مصنف نے دیباچہ میں رقم فرمایا ہے۔

۲۔ گنجینہ سروری معروف باسم تاریخی گنج تاریخ

تمام کتاب نظم و نثر فارسی میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین، خلفائے نوامید، خلفائے نبویہ و دیگر سیدین اسلام اور مشاہیر صوفیاء و علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں اور عاشیہ پر شخصیتوں کے تعارف کھلے مختصر حالات لکھے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی انادی حیثیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے اور خاص خاص قادر اعلام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک مومن و ناسخ ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے مگر گنج تاریخ اور خزینۃ الصغیاء دیکھنے کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر و بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسب حال ہیں اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مادہ ہائے تاریخ میں تخریج یعنی کچھ الفاظ خارج کرنا اور تعبیہ یعنی کچھ الفاظ جوڑنا۔ اس کا کچھ جھگڑا نہیں۔ پورا مادہ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا نصف مصرع یا پورے مصرعے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال

لفظ ہو اور احب سے نکالی ہے۔ مثلاً:

چوں محمد از جہاں پرشید رو
مثل خورشید جلوہ گر اندر جہاں
محبوب بود است ذات پاک او
گشت از ہر سالِ ترحیش عیاں
بود آتش مخزنِ سبِ خدا
سالِ ترحیشِ احب لے جہاں

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات احد، وجہ، جماد، ولی سے نکالی

ہے۔ مثلاً:

حضرت صدیق اکبر یارِ عسار
عالمِ دین والی کون و مکان
صادق و صدیق و غم خوار نبی!
دردش عشقِ محمد ہم چو جہاں
یارِ دلدار جنابِ مصطفیٰ!
شد چو از دنیا بکشد جاوداں
و تجد کن تحریر یا لفظ جہاں
باز چوں بستم وصالِ پاک او
یا احد یا جود و صلش کن بیاں
شد ندا از دل وئی از جہاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات لفظِ پاک، وحی، ہدیہ، جاوید سے

نکالی ہے مثلاً:

چوں عمر چوں گنجِ زیرِ خاک رفت
روح پاکش بر سرِ افلاک رفت
پاک شد سال وصال او عیاں
یعنی پاک آمد بدنیہ پاک رفت

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات اہل اُسے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی تاریخِ وفات زابد پاک اور ہادی ہادی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی منبہ اور حضرت حسین
رضی اللہ عنہ کی منبہ ازل، حضرت شیخ مخدوم علی جویری داتا گنج بخش کی تاریخِ وفات پیر لاہوری،
شمس دین اور گلشن دین ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی تاریخِ ولادت ربہر دین اور تاریخِ وفات امیر المومنین

ہادی دین ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار مادہ ہائے تاریخ اس کتاب میں ملیں گے۔

آغاز کتاب میں نہایت پرسوز اور فصیح و بلیغ حمد باری تعالیٰ۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
اور منقبت صحابہ رضی اللہ عنہم تحریر کی ہے۔ اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کو بیان کیا ہے جو

آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔

در تشریح و تقسیم این کتاب کہ بہ بہشت مخزن منقسم است

- یافتہ این گنج تاریخ انتظام
دارہ ام این گنج خود را افتخار
طرف تر در نظم گوہر سفتہ ام
گنج تاریخ آمد اندر حساب
تا بیابی حصہ بے دست نہی
گشت در ذکر مشہ خیر الانام
شد در در تقیم اسے عالی وقار
ختم شد گنج تحسین و السلام
در بیان اولیائے قادری
بہر ذکر خاندان اہل چشت!
ذکر خیر اولیائے نقشبند!!
شرح حال سہروردیہ عیاں
بنفیعین ذکر نسا و عارفات
کردہ ام در یادہ حصہ رستم!
بجزو زو دادم بنی امیہ را
شد بنی عباس را در حصے بیاں
شد در ذکر شہان غزنوی
گشت عدو سے ذکر غوریہ رقم
تعلق ششم ہاں اسے بادقار
ہستی لودیہ اسے والا گہر
نیز تیموری و چغتائی بگو
- بہر ذکر خسیہ پیران کرام
نیز در ذکر شہان بادقار
جا بجا تاریخ ہر یک گفتہ ام
نام تاریخی زہر این کتاب!
کردہ ام تقسیم اندر بہشت گنج
مخزن اول رقم اسے نیک نام
نیز سال فوت اصحاب کبار
باز در ذکر امامان کرام!!
گنج ثانی شد مہیا اسے انھی!
گنج ثالث آمد اسے نیکو مرث
چہارم شد بہ طرز دل پسند
کردہ ام در مخزن پنجم عیاں
گنج ششم بست در متفرقات
گنج ہفتم را من اسے والا ہم
حصہ اول چو کرم ابتداء
حصہ ثانی چو شد از من عیاں
حصہ ثالث ز روئے آگہی!
حصہ چہارم چو آمد بر قلم
پنجمیں غلبہ آمد در شمار
خضر خانی را بہ قلم کن نظر
در نہم چکیزی است لے نیک خو

شد رقم اندر دم اسے نوجواں !
 حتما صدی عشر اسے جان من
 نیز ذکر شاعران بوش مند !
 جامع این جلد گنج مختصر
 سرورم نے غلام سدوم
 بست پیش شاعران با ہنر
 ذرا ہم در پیش نور آفتاب !
 زین حبب دارم بعد عجز و ندا
 بر خطا ہائے کہ باشد در کتاب
 در نہ بہند از سر لطف و سخا
 بر کہ بر این پر خطا احسان کند
 پردہ پوشی کن کہ ستار ایوب
 یا الہی بہر آلِ فاطمہ !
 یا الہی بسہ اولادِ علی
 یا الہی بہر اصحابِ رسول
 حالتِ شانہ متفرق بسیار
 گفتہ ام در ذکر ام اسے زمن
 شد بیان در سے بطر زدن پسند
 بنہ پُر عیب و خالی از ہنر
 زیب در تاجِ غلامی بر سدم
 دعویٰ شاگردی ام بس سر بسر
 بلکہ چون خاشاک پیش بحر آب
 در جناب حضرتِ شاہ التجا
 خاتمہ اصلاح دانند از ثواب
 بر خطائے پر خطا دست عطا
 و ایما بروے خدا احسان کند
 بندگاں را بست غفار الذنوب
 وقتِ رحلت کن بر ایماں خاتمہ
 دار مارا از محبانِ نبی !
 کن دعائے سدور بیدل قبول

یا الہی بسہ پیرانِ کرام !

دار مارا در دو عالم نیک نام

۳۔ تاریخ محزن پنجاب: یہ ملک پنجاب کی بسیط تاریخ اور جغرافیہ دونوں کی حامل ہے۔ اس میں پنجاب کے مشہور شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشہور تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر، راج و کشتواڑ بھی شامل ہے۔ اس تاریخ کی تحریک گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیران بیجا ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے یہ تاریخ لکھوانی چاہی اور ان حضرات نے آپ کو ہزارہ شکل آمادہ بھی کر لیا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ بعارضہ تپ و آشوب چشم بیمار ہو گئے اور محتیا

ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ گورنمنٹ اس کتاب کی تالیف جلدی چاہتی تھی۔ اس لئے یہ کام قاضی تاج الدین لاہوری کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ لکھ کر پیش کر دی جو نہ تو حکومت کو پسند آئی اور نہ مقبول عام ہوئی۔ آپ نے صحت یاب ہونے کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد حالات فراہم کر کے اسے منظرِ عام پر لایا۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

بندہ احقر غلام سرور خلع مفتی الشریع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی اہاشمی سہروردی لاہوری خدمتِ صاحبانِ علم و ہنر کے بیان کرتا ہے کہ جب راقم کتاب گلدستہ کرامات، خزینۃ الاصفیاء گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پا چکا، فارغ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ اور کتاب پنجاب کے ملک کے احوال میں بہ زبان اردو لکھی جائے۔ اس شوق میں ایک سال کامل تلاش کتب و پیش رہی اور بہت سی سعی کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی کے حاصل ہوا۔

زیب اندراج پایا۔ مخزن پنجاب نام رکھا۔ پانچ حصوں اور پچیس تقسیموں میں منقسم ہوا۔ پہلا حصہ ستلج پارے میدانی ملک کے حال میں جو فی زمانہ گورنمنٹ پنجاب کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ دیہانے ستلج کے واسطے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی اور مغربی پہاڑ اس میں آٹھ تقسیمیں ہیں۔

تیسرا حصہ پنجاب کے کوہ شمالی اور ان علاقوں کے احوال میں۔ اس میں پانچ تقسیمیں ہیں۔ چوتھا حصہ پنجاب کے ماکوں اور فاتحوں کے ذکر میں بسلاطین غزنوی سے چغتائی و درانی سلطنت کے آخر تک۔

پانچواں حصہ پنجاب کے میدان اور کوہستان۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور عمارات و مقابر کا ذکر۔ ہندو اور مسلمان قوموں کا بیان اور مذاہب و عقائد کی تفصیل۔

۱۲۸۵ھ میں لکھی گئی۔ لاہور اور مطبع نوکشور سے کسی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ عجیب ہے

سے نازان قاضیان لاہور میں سے تھے۔ ان کے والد قاضی امام الدین قاضی مسیح الدین قاضی لاہور کے بھائی تھے۔ انگریزی عد میں قاضی سراج الدین سرشتہ دار تھے اور ان کے بھائی قاضی فقیر الدین داروہ نزل تھے۔

محزن حالات پنجاب' اس کا مادہ تاریخ ہے۔

۳۔ گلشنِ سروری: منکوم کتاب ہے۔ اخلاقِ مضامین پر مشتمل ہے۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن کے تمام مسائل سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ طرزِ بیان نہایت موثر ہے۔ نیک اعمالی اور بد اعمالی کا شاید ہی کوئی باب چھوڑا ہوگا۔ ۱۲۸۹ء میں کتاب نکھی گئی۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں متعدد بار چھپی۔ محکمہ تعلیم پنجاب اور وائیان ریاست ہائے پنجاب و ہند نے محنت سے سینکڑوں جلدیں خریدیں۔

گلشنِ تازہ و سروری اس کا مادہ تاریخ ہے۔

۵۔ دیوانِ سروری: اردو نظم میں ہے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی منقبت میں ہے۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں کسی مرتبہ چھپا۔ ۱۲۹۰ء میں تحریر ہوا۔

۶۔ حدیقتہ الاولیاء: اردو نثر میں ہے اور صرف انہی اولیائے کرام کا ذکر ہے جو پنجاب میں گزرے ہیں۔ سبب تالیف اس طرح رقم طراز ہیں:

در اظہارِ باعث تالیف کتاب حدیقتہ الاولیاء

اس کتاب کی تالیف سے پہلے بھی احقر المحقر غلام سرور خلع مولانا مفتی غلام محمد قریشی ہاشمی سروردی لاہوری اولیائے کرام و پیرانِ عظام کے حال میں ایک کتاب خزینۃ الامنیاء بزبانِ فارسی تالیف کر چکا ہے جو دو مرتبہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تھکے نظر آ رہا ہے شوقِ بوحلی ہے۔ اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ابتداء سے اس زمانے تک ہے۔ اب میرے واثقِ مہمانِ قدیم و صادق و دستاںِ صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خواں رسولِ کریم میرے مکلفِ حال ہوئے کہ ایک اور مجموعہ مختصر اردو زبان میں لکھے جس میں ملک پنجاب کے اولیاء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر علاقہ اس وقت پنجاب کے ساتھ تعلق سے اور مشہور اولیاء کے مزار اس میں ہیں۔ سب کا حال ضروری ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کے فریاد نے اور دلی محبتِ جرتیم سے مجھ کو اولیاء اللہ کے ساتھ ہے، اس کام پر مجھ کو آمادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امداد چاہتا ہوں کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیا سے فانی میں یادگار رہ جائے۔ آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقتہ الاولیاء رکھا گیا اور سات چھپوں پر تقسیم ہوئی:

پہلا چمن مشائخ قادریہ کے احوال میں -
 دوسرا چمن مشائخ چشتیہ کے احوال میں -
 تیسرا چمن مشائخ نقشبندیہ کے احوال میں -
 چوتھا چمن مشائخ سہروردیہ کے احوال میں -
 پانچواں چمن مشائخ متفرقات -
 چھٹا چمن مجاہدین و مجاہدین کے احوال میں -
 ساتواں چمن عورتوں صالحات کے ذکر میں -

قلعہ تاریخ

یہ کیا اچھا بت سرور کا حدیقہ یہ کیا باغ و بہارِ اولیاء ہے
 نہیں داخل خزاں اس پرستان میں کہ باغِ اقیانوس و اصفیاء ہے
 کہاں ہے باغ کوئی اسکے ہرنگ کہ یہ گلزار فیض کسبِ ریاء ہے
 یہ ہے سرسبز باغِ اہل عرفان! کہ جس پر عنذیبِ دل قدا ہے
 کہیں کسبہ کہیں غنچہ کسبیں گل کہیں سنبل کہیں لالہ کھلا ہے
 غرض روئے زمین پر مثلِ فردوس بنا سرور کا یہ بستان سرا ہے

کہا رضواں نے بہر سال تالیف

کہ گوناگوں حدیقہ خوش نما ہے

خاتمہ تالیف کتاب منجانب مولف

الحمد للہ والمنة کہ یہ کتاب حدیقہ بے خار و گلزار تازہ بہار بفضلِ کردگار یعنی تذکرہ ابرار فی اخبار
 حضرات الاخیار عین موسم کے وقت پھل پھول لایا۔ مولف نے اپنا دلی مطلب پایا۔ مقام شکر و
 تسلیم ہے کہ خداوند کریم نے مجھ عامی و روسیہ گنہ گار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے۔ محبت کا
 راستہ دکھایا ہے اور یہ توفیق دی ہے کہ میں کسی قدر اپنے وقت عزیز کو حضراتِ اولیاء کے ذکر میں
 صرف کروں اور ان کی الفت سے بہرہ پاؤں۔ اگرچہ میں ناکارہ کجا اور یہ کار کجا مگر یہ شوق مجھ کو صرف
 حضرت نوح الثقلین، محبوب سبحانی، قطب بانی سید سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانی کی محبت

میں حاصل ہوا اور محض یہ حضرت محبوب کی توجہ ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کار مرزد ہونے لگے بلکہ ایک عاجز و ناتواں کو یہ قوت بخشی گئی کہ پہلے اس سے کتاب خزینۃ الاصفیاء تمام بزرگوں کے حال میں اس نے لکھی۔ مگر وہ کتاب فارسی تھی اور بہت بڑی تھی اور شائقین ملک پنجاب کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں صاحبِ طریقت گزرے ہیں۔ اب اس مختصر اردو زبان کی کتاب بکھنے میں وہ وقت رفع ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اویاد اللہ کی محبت کا شائق کرے اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی پر طریقت مل جائے کہ اس کی راہ نمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پر آئیں۔ خدا کی محبت کا راستہ پائیں کیونکہ اب یہ لوگ غنقا ہو گئے ہیں اور محبت کا حرف لوگوں کے لوح سینہ سے صاف ہو گیا ہے باطنی تو بجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ ذرا سے اپنے فائدہ کے لئے دوستوں سے ایسے روگرداں ہوتے ہیں کہ منہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ خیر

قطع

مردمانے کہ اندریں حین اند! گم لانا گمے شیاطین اند
 بہ ہیں مردماں بیاید ساخت چہ توں کرد مردماں این اند
 حضرات اہل محبت و عرفان کی محبت ہے۔ ایسے ناپرساں وقت ہیں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے، غنیمت ہے۔ گو بظاہر کوئی صاحبِ محبت نہیں ملتا۔ مگر باطنی نسبت اُن خدا دوستوں کے ساتھ جو اس ناپرساں وقت سے اول گزر چکے ہیں، رکھنی ایک ضروری امر ہے اور یہ بھاری ذریعہ گنہگاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ:

شنیدم کہ در روز امید و بیم

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

قطعات تاریخ خاتمہ اس کتاب کے جو میرے عزیزوں نے لکھ کر دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

رانے بہادر کنھیالال بندی

۶ سال خاتمہ بندی سے ہاتف پکارا گلشن بے خار ڈویں ہے

marfat.com

Marfat.com

ڈاکٹر سید علی شاہ الفت

یہ سال خاتمہ ہے اس اُفت کا کہ یہ کیا گلستانِ بے خزاں ہے

مفتی محمد حیدر خان دین روشن

ما تغم روشن بسال اختتام گفت نادر گلستانِ سروری

مفتی غلام صفدر

مصرع تاریخِ کر صفدر رستم حریز جاں تازہ بہارِ ماشعان

یہ کتاب لاہور، بکنو، کانپور اور دہلی سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۷۔ مدینۃ الاولیاء: یہ بھی اویانے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔۔ ۱۶۸ صفحات پر پبلی ہوئی ہے

چار سال میں مکمل ہوئی۔ اردو نثر و نظم میں ہے۔ نطبع نوکشور، بکنو، کانپور اور دہلی سے تین بار شائع

ہوئی۔ اب نایاب ہے۔

۸۔ مناقبِ غوثیہ، حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔

یہ بھی آج کل کم یاب ہے۔

۹۔ تحفۃ الابرار، پندنامہ شیخ فرید الدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔

۱۰۔ احوالِ الآخرت: پنجابی نظم ہے۔ حشر کے دن کے حالات لکھے گئے ہیں۔ مذہبِ اسلام

کے اعتقاد کے بموجب قیامت کے دن کا پورا نقشہ دکھایا ہے۔ لاہور میں متعدد بار چھپ کر

شائع ہوئی۔

۱۱۔ بہارستانِ تاریخِ معروف بہ گلزارِ شاہی: ایک موزخ کی حیثیت سے بھی آپ کا

درجہ بہت بلند واقع ہوا ہے اور یہ تاریخ اس کا جین ثبوت ہے۔ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ

ہندوستان کے ہندو راجوں کے ذکر میں ہے۔ اس میں دو جہن ہیں۔ یہ حصہ خاص طور پر آریہل

سروگئی سنگھ بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ وانی ہرام پور کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔ کچھ حالات احسن التواریخ

مولفہ سید آقا حسن رضوی لکنوی سے لئے گئے ہیں جو ہمارا جہ کے خاص امرا میں سے تھے اور

باقی فشی جو اہر سنگھ جوہر شاگرد غالب نے جو ہمارا جہ کے حضور نویس تھے۔ انہوں نے فراہم کئے

اور آپ نے مختصر کر کے درجِ تاریخ کئے۔ ہمارا جہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ شعراء، علماء و فضلاء

کے مرتبی تھے۔ اپنا دیوان خاص اہتمام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ دیوان کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں: "ہمارا راج شاعر ہیں۔ راجہ تخلص کرتے ہیں۔" "دیوان مخزن فصاحت" جو اسم باسنتی ہے۔ ہمارا ان کی تصنیف ہے۔ عطیہ ہمارا راج راقم کے مطالعہ سے گزرا۔ ایک ایک نسخہ دیوان کا۔ بھائے خود دیوان ہے۔ سچ پوچھو تو دیوانوں کی جان ہے۔ کیوں نہ ہو کلام الملوک ملوک کلام ہے۔

دوسرا چمن ان والیان ریاست کے ذکر میں ہے جو حکومت ہند کے تحت اپنے اپنے علاقوں اور ریاستوں پر مشغول تھے۔

دوسرا حصہ مسلمان سلاطین کے حال میں ہے۔ عہد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے زمانے تک ہے۔ یہ حصہ ۵۲ گمنوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکمرانوں کا کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات مستند عربی و فارسی تاریخوں سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے۔ اسے تاریخی قلموں میں تو بیجا نہ ہوگا۔ آخر میں ان مسلم ریاستوں کا ذکر ہے جو سلطنت مغلیہ کے ضعف کے بعد ہندوستان میں قائم ہوئیں۔

تیسرا حصہ سلاطین انگریزی کے حالات میں ہے۔ ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نول کشور لکھنؤ سے اضافہ و تصحیح کے بعد ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ مخزن حکمت: اردو نثر و نظم میں ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں دو مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں تیسری مرتبہ تصحیح کے بعد مطبع نول کشور سے آٹھ بار چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں حکماء، متقدمین و متاخرین اور فضلاء و صوفیاء کے تاریخی حالات۔ ان کے اقوال اور چند نصاب کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

حمد و ثنا کے لائق وہ قادر بے چوں، صانع گوناگوں، خالق بوقلموں، حتیٰ جل و علاء، ذات کبریا، والی بے ہمتا۔ جس نے ایک کُن کے امر سے دونوں جہاں، زمین و آسماں، جن و انساں، کل حیراں، سب سامان بنایا، قدرت کا جلو دکھایا۔ سب سے اعلیٰ و اشرف انساں کو کیا عقل کا

چراغ اس کے ہاتھ میں دیا جس کے نور سے انسان کے دل نے روشنی پائی۔ آنکھوں میں بیٹائی آئی۔
حق کو پہچانا، خالق کو برحق اور حق کو حق جانا، حقیقت کا راستہ پایا۔

ناہم حق نامِ خدا کیا نام ہے
سارے ناموں سے ہے جھکو برتری

اسلام کے امام حضرت خیر الانام سید ابراہیم احمد مختار محمد مصطفیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیاہ سیدھی راہ پر آئے، مسلمان کلائے۔

ذات پر جن کی نبوت ختم ہے ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
لوگ سب پڑھتے ہیں ان کے نام کو روز و شب صبح و ساری صلی اللہ علیہ وسلم!
جو گھر ریزی سے اس کی ماہ و سال پڑ گھر و اماں براہِ صلی اللہ علیہ وسلم کمال
رکھے حق روشن اسی سے صبح و شام سرورِ گننام کا دنیا میں نام
آسماں جیت تک زمیں ہے جب تک مہر و مہر کرسی نشین ہے جب تک
فائدہ اس سے کرے حاصل جہاں مستفید اس سے رہے دورِ زمان
قطعہ تاریخ از مصنف

ہو اظہارِ بفضلِ ایزدی جب! یہ فضل و علم و حکمت کا دہینہ
بسالِ خاتمہ ہاتھ نے سہور! کہا ہے علم و حکمت کا خزینہ
قطعہ تاریخ از رائے بہادر کنھیالال اگر کیٹوانجیر لاجپور ڈویژن

چہ نادر مخزن است این مخزن ہوش و خرد مندی
مرا سر بجز فضل و عین علم و عدل حکمت! !
چہ بستانی ست این بتاں رائے فیض حقانی
چہ گلبن گلبن عرفاں چہ گلشن گلشن حکمت!
مددِ حستم ز ادوارِ بچھاں بہر تاریخش
مذاذ و جان افلاطون مکل مخزن حکمت

۱۳۔ تحفہ سروری، منکوم کتاب ہے۔ سات حصوں میں منقسم ہے۔ متصوفانہ و اخلاقی

مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۶ء/۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ مطبع نول کشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔

پہلا حصہ: بھارت و خاکساری اور عجز و نیاز میں ہے۔

دوسرا حصہ: اختتام وقت و بے اعتباری عمر کے متعلق ہے۔

تیسرا حصہ: نیک نامی حاصل کرنے اور ترکِ علائق کی تعلیم میں ہے۔

چوتھا حصہ: شجاعت و مروت کے فوائد میں ہے۔

پانچواں حصہ: خیرات و مبرات کی توصیف میں ہے۔

چھٹا حصہ: توبہ کرنے اور گناہ پر پشیمان ہونے کے بیان میں ہے۔

ساتواں حصہ: اتفاق و ہمدردی کے فوائد اور نفاق و تعصب و عداوت کے نقصان میں ہے۔

حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں:

یہ اب لکھا گیا دلچسپ نامہ

بنوکِ خاتمِ عنبرِ شامہ

من بعد احقر المحقر صراپا عیب خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی

غلام محمد ولد حقیقت آگاہ مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی ہاشمی سرور دی عرض پرداز ہے کہ جب کمترین

پہلی کتابوں گلدستہ کرامات خزینۃ الاصفیاء، گنج تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی تو مناسب سمجھا کہ

ایک اور مختصر کتاب حکماء متقدمین و متاخرین کی تاریخ اور ان کے اقوال و افعال، اخلاق و آداب

نکات و حکایات، حکمت و پند و نصائح میں جمع کر کے طلبہ کو فائدہ پہنچاؤں۔ دینائے فانی میں

اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں جس کے مطالعہ سے ہر ایک شائقِ فیض پائے۔ دیکھنے والا

حظ اٹھائے۔ موت کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزنِ حکمت رکھا اور تین حصوں

میں تقسیم ہوئی۔

پہلا حصہ: قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال اور ان کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال

و افعال، نکات و حکایات حکمت کے بیان میں۔

دوسرا حصہ: اسلام کے ظہور کے بعد کے حکماء و فضلاء اور ان کے اقوال و افعال و

marfat.com

Marfat.com

نصائح و حکایاتِ حکمت کے بیان ہیں۔

تیسرا حصہ، بعض بادشاہوں کے حالات و حکایات و اقوال و افعال و اخلاق و عدل کی تشریح میں۔

پہلے یہ مخزن دو مرتبہ ۱۲۸۸ء میں چھپ کر تحفہ نظر ارباب بصیرت ہوا۔ جب تیسری بار میرے دوست قدیم مالی جناب منشی نزل کشور صاحب مالک مطبع اور اخبار لکھنؤ نے خود اس کے چھاپنے کا معتم ارادہ کیا تو کمترین نے اس کی نظم و نشر کو پھر دیکھا اور اپنی رائے ناقص سے حتی الامکان اس کی اصلاح کی۔ چونکہ انسان ضعیف البیان سو و خطا سے کبھی خالی نہیں ہے۔ ناظرین بانیکن کی خدمت میں نہایت عجز کے ساتھ التماس کرتا ہوں کہ اگر وہ عند المطالعہ اس کی نظم و نشر میں کوئی نقص پائیں، اصلاح فرمائیں ورنہ خاموش رہیں۔ عیب جوئی و انگشت نمائی نہ کریں۔

گناہ سے آدمی کوئی نہیں پاک کوئی انسان نہیں نسیاں سے خالی
 ہے کام اس کا جب آخر بھول جانا تو پھر کیوں کہ ہو یہ نقصاں سے خالی
 طنوی در خانہ کتاب

سرور اب بس کہ نہ کر زیادہ کلام تاکہ جو یہ مخزن حکمت تمام
 ہو یہ گنجینہ بہ فضل کردگار! وائما مطبوع طبع رودگار!
 مقرر اس کا تحفہ سروری نام کہا سرور نے بہ اعزاز و باکرام
 ہوا یہ تحفہ سات حصوں میں تقسیم بہ تعداد حساب ہفت اقلیم
 برائے انکشافِ حال تا تاریخ پئے اظہار سن و سال تا تاریخ

یہی جملہ سرورش غیب بولا!

کہ کیا نادر ہے یہ سرور کا تحفہ

۱۳۔ اخلاق سروری؛ یہ کتاب بھی علم اخلاق میں اردو نظم و نثر میں ہے۔ اخلاقی معنایں پر ایک نادر چیز ہے۔ اس میں اخلاق کی اصلاح اور دوسرے اخلاقی نکات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

انڈیا زبان نہایت سادہ و دل نشین ہے۔ گلشن سروری، تمغہ سروری اور اخلاق سروری ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ ان ٹوٹ بٹوٹ، بے معنی و بے مغز نظموں کی بجائے مدارس میں داخل نصاب کی جائیں۔ ان سے جہاں طلبہ زبان و بیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں گے وہاں تہذیب، اخلاق و اعمال کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر غریب کلام یہ ہے کہ یہ کتابیں طلبہ و اساتذہ دونوں کے لئے یکساں مفید و کارآمد ہیں۔ یہ ایک علمی خدمت بھی ہوگی اور مذکورہ کتابیں نایاب ہونے سے بھی بچ جائیں گی۔ اسی طرح بہارستان تاریخ اور تاریخ معزن پنجاب اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند تاریخیں ہیں۔ اگر ان کتب کو بھی عصر حاضر کے تعاضفوں کے مطابق ایڈٹ کر کے تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بہت بڑی تاریخی و علمی خدمت ہوگی۔ نیز خزینۃ الاصفیاء، گنج تاریخ فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیاء اردو زبان میں۔ ایسی نادر کتابیں ہیں جو فن تاریخ و سوانح نگاری میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور پاک و ہند میں آج تک جتنی کتابیں اس فن میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے اکثر و بیشتر ماخذ یہی تینوں کتابیں ہیں۔ اگر ان کتب کی حفاظت کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ کتابیں بھی بالکل کیسا ہو جائیں گی۔ اس لئے جہاں ہمارے علمی اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہئے وہاں خاندان کے ذمی علم و صاحب ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے علمی نواور کی حفاظت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں تاکہ آباؤ اجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ہو کر آئندہ نسلوں کے لئے وسیلہ راہ بن سکیں۔

- ۱۵۔ دیوان حسد ایزدی؛ ۱۸۸۰ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ حمد باری تعالیٰ میں ہے۔
- مضامین متصوفانہ و عارفانہ ہیں۔ لاہور، لکھنؤ اور کانپور میں کئی مرتبہ چھپ کر مقبول خاص و عام ہوا۔
- ۱۶۔ دیوان نعت سرور؛ ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۳ء تک ہزاروں کی تعداد میں اس کے نئے چھپ کر شہر ہونے۔ اردو نظم میں ہے۔ بعض فارسی غزلیں بھی ہیں۔ لاہور میں چھپو فن اور لکھنؤ کانپور میں دو مرتبہ چھپا۔ ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔
- ۱۷۔ انشائے یادگار اصغر می؛ اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت مغفور نے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام پر لکھی تھی جو بارہ برس کی عمر میں ۱۸۸۰ء میں وفات پا گیا تھا۔ علمی و ادبی مضامین پر

مشکل ہے۔ بعض مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور لوکھے ہیں۔ برصغور سے کوئی نہ کوئی اخلاقی و اصلاحی نتیجہ نکالا ہے۔ اسلوب بیان دلکش ہے۔ زبان سادہ و پُر تاثیر ہے۔

۱۸۔ لغاتِ سروری: اس کا تاریخی نام زبۃ اللغات ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ پر مشتمل ہے۔ معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔ پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پانچ تکمیل کو پہنچی۔ یہ نعت شعراء کے لئے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر ایک حرفِ نعت میں آخری ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے۔

لاہور اور مطبع نوکشتور لکھنؤ سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ دیباچہ نعت میں سببِ تالیف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بعد حمد و ثنا سے رب العلیین و نعت سید المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ احقر غلام سرور خلعت مفتی الشریع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی الہاشمی سہروردی خدمت میں اربابِ دانش و جنش و اصحابِ اہل بعیرت کی یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں مثل گلدستہ کرامات، بہارستان تاریخ، حدیقۃ الاولیاء، دیوانِ سروری، نعتِ سروری، گلشنِ سروری، تحفہ سروری لکھی ہیں جو بار بار چھپ کر تحفہ نظر اجاب ہو چکی ہیں۔ اب یہ ارادہ ہوا کہ ایک مفید نسخہ نعت کے علم میں ایسے طرز سے لکھا جائے کہ شعراء کو قافیہ و ردیف میں مدد دے اور شائقینِ نعت کو لغت میں اور ردیف ہر ایک نعت کے اخیر حرف پر رکھی جائے۔ پہلے حرف کی رویت کی تغیر و تبدل بھی از روئے حروفِ تہجی لحاظ رہے۔ فارسی و عربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان میں تحریر ہوں۔ چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید نسخہ تحریر میں آیا اور بڑی کتابوں مثلاً بران قاطع، منتخب رشیدی، صراح اور غیاث وغیرہ سے انتخاب ہو کر اس میں درج ہوئے اور لغاتِ سروری نام رکھا گیا اور اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

فصلیں ہر ایک باب کی پہلے حروفِ تہجی کی رعایت سے جدا جدا قرار پائیں اور ابوابِ اخیر حروف کے شمار پر قائم ہوئے اور نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک نعت کے ساتھ تحریر ہوا۔ یعنی جو عربی کی نعت ہے اس کے واسطے عین فارسی کے ساتھ فا، ترکی کے ساتھ تا اور یونانی کے

ساتھ یا۔ علیٰ بذالعیاس تحریر ہوا۔

۱۹۔ جامع اللغات : یہ آپ کی آخری اور بہت ہی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ مستند لغت
نفسی نزل کشور مالک مطبع نزل کشور کسٹو کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ یہ اپنی طرز کی نئی لغت ہے اور فن
لغت میں اپنی ندرت و جامعیت اور انداز بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ۱۸۹۰ء
میں تیار ہوئی۔ اس کے پانچ باب ہیں :

باب اول : عربی، فارسی، ترکی الفاظ ہیں۔ معانی اردو میں تحریر ہوئے ہیں۔

باب دوم : اردو الفاظ اور عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اردو میں رائج و مستعمل ہیں۔

باب سوم : فارسی محاورات و اصطلاحات اور سندھ میں اساتذہ کا کلام ہے اور جہاں کہیں کسی
استاد کا شعر بطور سند نہیں مل سکا وہاں اپنا شعر بطور محل استعمال کھلبے۔ محاورات و
اصطلاحات کے معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔

باب چہارم : اردو محاورات و اصطلاحات کی تشریح اور سندھ میں اساتذہ کا کلام۔

باب پنجم : علم ادویہ کے بیان میں ہے۔ تمام ادویہ کے عربی، فارسی اور ہندی نام اور ان کے مزاج و
خواص درج کئے ہیں۔ فاضل معرفت لغات کے آغاز میں سبب تالیف اور مذکورہ بالا
باتوں کی توضیح بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں :

خوشہ چینی خرمین اب باب فضل و مہر غلام سرور خلف مفتی الشریح الامجد مولانا مفتی غلام محمد
مشرقی اسدی الہاشمی سروردی کی یہ گزارش ہے کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف
و تالیفات نظم و نثر اردو فارسی کے پہلے بھی ربدۃ اللغات المعروف بہ لغات سروردی لغت
کے علم میں لکھی تھی جو اب تک دوبار چھپ کر ہدیہ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے۔ اب پھر میرے
محب قدیم، عنایت فرما، کرم گتر، قدر دان علم و ہنر، نفسی نزل کشور مالک مطبع ادھر اخبار لکھنؤ خاص
طور پر میرے مکتب مال ہوئے کہ ایک اور سبب کتاب جامع اللغات عربی و فارسی و ترکی و
اردو الفاظ و محاورات سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات و محاورات کتب معتبرہ متقدمین
و متاخرین سے لئے جائیں۔ پس تعمیل ارشاد اپنے مرثی کے کرمیت کی چست بازہ لی۔ الحمد للہ کہ
دن رات کی محنت، صبح و شام کی عرق دیزی اور مسامت کی جاں نثانی سے یہ کام بانجام پہنچا۔ جامع اللغات

ہم دکھایا ہے اور میں ابواب پر تقسیم ہوئی اور ہر ایک باب میں پانچ پانچ فصلیں ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم روایت وار پہلے حرف پر تقسیم ہوئی ہے مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت پر بھی لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں روایت اولیں و آخرین سے زینت بخشی۔ وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

فرہنگ مصنف از مولوی سید احمد دہلوی، امیر اللغات از امیر مینائی کھنوی، نور اللغات از مولوی نور الحسن کاکوروی، نقائس اللغات از مولوی احمد الدین بگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں جو ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اسی زمانے میں شائع ہوئے مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت نہیں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے لکھی تھی جس کی اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کمی کو آپ نے پورا کیا۔ اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ و لغت لکھے گئے مثلاً فیروز اللغات وغیرہ یہ سب بتغیر ہیئت و اسلوب بیان و تحقیق لغت جامع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں۔

۲۰۔ کلیاتِ نعت سرور: دیوانِ نعت سرور ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۴ء تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر خواص و عوام سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ جب آپ ۱۹۹۰ء میں حج بیت اللہ زیارت فرماتے ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تشریح لے گئے تو جو نعتیہ غزلیں اٹھانے سفر حج میں تصنیف فرمائی تھیں آپ کے فرزند مفتی غلام مصدق فوٹو تانی وکیل نے ان نعتیہ غزلوں کو وصالِ سرور کے نام سے شائع کیا تھا اور بعد ازاں ان کے برابر اصغر حکیم محمد انور نے آپ کا تمام و کمال نعتیہ کلام کلیاتِ نعتِ سرور کے نام سے شائع کیا جس میں اکثر و بیشتر نعتیں اردو زبان میں ہیں لیکن متعدد فارسی بھی ہیں۔ آپ کے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر مثنوی تحفہ سروری، مثنوی گلشن سروری، مثنوی اخلاق سروری جہت ادا، زبان و بیان کی روانی اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر کر کے جو اس وقت متروک ہیں سارے کا سارا کلام اردو محاورہ و روزمرہ کے عین مطابق ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک ایک شعبہ سخن رسول میں ڈوب کر کہا ہے اور اساتذہ نے بھی نعتیں لکھی ہیں بلکہ نعت گوئی میں صاحبِ دیوان

جوئے ہیں مگر ان کا کلام قال ہے، حال نہیں۔ مفتی غلام سرور صوفی باصفا اور صاحب دل شاعر تھے۔ یہاں مصرع مصرع سے پتے اور دلی جذبات پیک رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑی چیز جو تمام کلام میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے وہ حفظ مراتب ہے۔

عہد باری تعالیٰ، لغت رحوم صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور منقبت بزرگان دین میں حد فاصل رکھی ہے جس سے آپ کے سحر علم اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ زبان اور تشبیہات و استعارات میں بھی یہ نازک لوق ملحوظ رکھا ہے۔ تمام کلیات نقلی و معنوی خوبوں کا آئینہ دار ہے۔ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیات کے آخر میں محسن، مسدس، ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک سی حرفی ہے۔ اہل بیت، خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگان دین کی مدح و منقبت یہ، آب و اشعار رکھے ہیں۔ سب سے آخر درود شریف شمس الضحیٰ ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ہر کہ بر روز بخواند در دین و دنیا محترم گردد و بندہ در وقتیکہ این درود شریف تصنیف کرد مشکل شانی کار خود فی الفور از جناب الہی حاصل نمود۔ درود محرم این است۔ اس درود شریف کے ۱۹ اشعار ہیں۔ سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی میں بے نظیر و بے بدیل ہے۔ اسی طرح آپ نے جو کتابیں فارسی و اردو نثر میں لکھی ہیں ان کی زبان اور اسلوب بیان بھی مشکل نہیں۔ تمام نثر سادہ ہے۔ مگر اس زمانے کے طرز انشاء اور مذاق علمی کے مطابق اکثر فقرات نثر مزج و مقفی میں بھی ہیں مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلف واقع ہوا ہے اور نہ نقص روانی و تعقید معانی نے راہ پائی ہے۔

اردو نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں مگر تمام الفاظ و تراکیب خوبی و قادر الکلامی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں کہ کہیں ثقالت پیدا نہیں ہوئی۔

۲۱۔ خزینۃ الاصفیاء: فاضل مولف کی یہ معرکہ الآراء کتاب اردو باس میں بعد انداز زیبائی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ صوفیائے اسلام کا ایک مستند تذکرہ ہے جس پر دنیا کے تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس دور میں بزرگان دین کے جتنے تذکرے یا سوانحی حالات مختلف انداز میں اہل ذوق کی تشنہ کامی کو تسکین بخشتے رہے ہیں وہ اسی خزینہ کے جواہر پارے ہیں۔ یہ مستند

تذکرہ تمام تذکرہ نگاروں کے سامنے رہا اور اسی بنیاد پر اہل قلم اپنے اسلوب تحریر کی عمارتیں کھڑی کرتے گئے۔

خزینۃ الأنصیاء تاریخی نام ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ، رواں و شستہ فارسی نثر میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور متقدمین و متاخرین صوفیاء و علماء و شعرا کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج کئے ہیں اور ساتھ ساتھ ماخذ بھی بیان کئے ہیں جس سے مصنف کے وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں مفصل حالات ان بزرگوں کے ملتے جلتے ہوں۔ اس میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ ۱۱۰۰ بزرگوں کے حالات اور ۱۱۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک صوفی کی تاریخ ولادت و وفات بھی نظم میں لکھی ہے۔ ۱۲۰۰ھ میں شہادت ہو اور ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوا۔

تمام کتاب سات مخزنوں پر تقسیم ہے جیسا کہ خود قاضی مصنف نے آناز کتاب میں سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ عمدہ نعت کے بعد تحریر کرتے ہیں:

مے گوید بندۂ احقر المحقر۔ سدا پامیب، خالی از ہر غلام سرور خلعت مفتی الشرع الامجد غلام محمد بن مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی مہروردی لاہوری غفر اللہ ذنوبہ و ستر عبوبہ فی الدنیا و الآخرہ۔ کہ چون این خاکسار سراپا انکسار بعتایت پروردگار از تصنیف و تالیف کتاب گلستہ کرامات اعنی مناقب حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صدیقی سید سلطان ابو محمد علی الدین عبدالقادر جیلانی الحسینی والحسینی الخلیلی قدس سرہ العزیز فراغت یافت بعضہ دوستانہ سداقت آئین مجاہد محبت گزین مکلف حال نیاز مال شدند کہ مجموعہ دیگر در احوال المشائخ دین و اولیائے اہل یقین جمع آورده بہ تسوید حالات و ترقیم خوارق و کرامات آن حضرت جدا جدا سلسلہ پر وازد۔ تا سالکان طریقت و طالبان ہدایت را بوقوف حالات مشائخ نظام فیض عام و فائدہ تام حاصل گردد و شوق بر شوق و ذوق بر ذوق بیفزاید و محبت بر محبت ترقی پذیرد و برائے سوتن یادگارے بر صغیر روزگار۔ ، بماند۔ چوں رخت زندگانی ازین سراسے فانی بر بندہ بغاقتہ خیر یاد شود۔ لہذا ایں کم ہمت بگفتہ مخلصان اخلاص مند و مجاہد محبت پسند و علی الخصوص با امید آنگہ شنیدم کہ در روز امید و بیم۔ ہاں را بہ نیکیاں بہ بخشہ کریم۔ تو سل نجات برسیدہ جمیلہ حضرات تصور نمود و بہ ہزار محنت و

سج باجماع این گنج مشغول شد و باحوال بریک بزرگ از کتب والا رتب متقدمین و متاخرین جمع آورده بنیاد این گنج گوهر سنج نهاد و به خزینة الاعنیاء کہ نام تاریخی است - موسوم ساخته بہ ہفت مخزن تقسیم نمود۔

مخزن اول : در ذکر غاتم المرسلین ، شیخ المنہجین ، احمد مجتبیٰ ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و علفائے اشدین و ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔

مخزن دوم : در ذکر مشائخ خاندان قادریہ اعلیہ ۔

مخزن سوم : در ذکر حضرت خانوادہ چشت الہیہ ۔

مخزن چهارم : در ذکر پیران سلسلہ مانیہ نقشبندیہ مجددیہ ۔

مخزن پنجم : در ذکر بزرگان سہروردیہ مانیہ ۔

مخزن ششم : در ذکر خانوادہ ہائے متفرقات ۔

مخزن ہفتم : مشتمل بر چهار حصہ :

حصہ اول : در ذکر ازواج مطہرات مروریہ کائنات علیہ السلام ۔

حصہ دوم : در ذکر والاد و رجات بنات حضرت شاہ رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔

حصہ سوم : در ذکر عورتہ صالحات و عارفات کہ از اہل ولایت و کرامت برودہ اند ۔

حصہ چهارم : در ذکر مجاہدین و مجاہذیب زمانہ صلت و حال و خاتمہ کتاب و چون بیچ ہاں ،

سرپا نسیاں در فن تنظیم نظم و نثر مہارتے و بیاقفے ندارد ۔ بنا بر آں از شعرائے

نامدار و عشیان باوقار امیدوار است کہ در عبارت نثر یا قطعات منظومہ مندرجہ

این کتاب کہ در خاتمہ احوال بریک بزرگ در ماوہ ولادت یا وفات ایشان

نوشتہ شدہ است ۔ برہوے یا خطائے دست یا بند بہ دست عطا پوشیدہ

دست از انگشت نمائی باز دارند ۔ بکہ بتواند اصلاح فرمایند ۔

من دین دنیا خطا دار آدم با بندہ خاکی گنہگار آدم !!

چون سہرا پا عیبم و یکسر خطا در جنابت دارم این عرض و دعا

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب پرودہ پوشی کن تو از راہ ثواب

گر تویی بے عیب از راہِ کرم از سر اصلاح راں بر من قلم
لطف و احسان کن کہ ربِّ العالین ضائع کند اجر پاکِ مہسینین!

قطعہ تالیخ

جلوہ گردش چو این خزانہ فیض! در جہاں مشعلِ ماہِ پُر انوار
در نظر ہائے خلق شد منظور گشت مقبول ہر معمار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است کانِ معنی است مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حق ازوشد! پر گھر مثلِ ابر گہر بار
سال او خازنِ خود شد مود! گو متدکس خزینہ ابرار!

دیگر

گشت چو آغاز از فضلِ اللہ مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش بچو زد شد سرخو ہر کہ خوادش گشت خنداں چوں طلا
چشمہ فیض است بہر خاصِ عام سر بہر گنجی است گنجِ بے بہاء
معدنِ نور است از انوارِ حق! مخزنِ سریت از اسرارِ حق
در ہزار و دودھشتاد گشت جمعِ این کنزِ معانی با صفا
بادتا باشد زمین و آسماں! جلوہ گر این گنجِ معنی با بجا

خازنِ دل گشت سرورِ سال او

مخزنِ اسرارِ گنجِ اولیاء

خاتمہ کتاب

الحمد للہ والمننتہ کہ این مخزنِ عجیب و غریب با مددِ غیبی و توفیقِ لایسب با ختام و دعا سے دل
با انجام رسید و منظور نظر اصحاب و پسند خاطر اجاب گردید۔ ہر چند کہ ذرا ہی این گنجینہ و اجتماعِ این خزینہ
کارِ این کمینہ نبود۔ لیکن توجہاتِ حضراتِ اولیاء و امدادِ مشائخِ علمائے دولتِ این گنجِ بے منت و بے سنج
مفت باین مدحِ شیخِ ماحصل شد و در مدتِ دو سال در ماہِ شوال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و یک علیہ

اختتام پوشیدہ و حالات بعض حضرات کہ در ہزار و ہصد و ہشتاد و دو سوہ وفات یافتہ اند۔ بعد اختتام کتاب داخل کردہ شد کہ خالی از لطف نہ بود و بندہ بے ہنر غلام سرور مدعی آن نیست کہ در فنِ نظم یا نثر و قوفی دارو۔ اما چون در دنیا و عقبی وسیلہ نجات پنجاب و اہل العلیا نہ داشت و حیران و سرگردان کالی کار خود بود۔ بنا بر آن حضرت سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ و ائمہ ذی درجات و اولیاء و الامعات و شیخ المجرین و ہادی المصلین و جلالتیں در دنیا و دین تصور نمود۔ دست ارادت و یقین بردمان حتی تو اماں ایشان زد و چند اوقات بد حاجی آن حضرت صرف نمود کتابے در احوال آن اہل کمال جمع آورد۔ بدیں امید کہ شاید حشر ایں رویاہ سراپا گمراہ بروز حشر از غلامان در گاہ و خارمان اولیاء بوقوع آید و از کترین خادمین ایشان بشمار آمد بہ مغفرت رسد۔ و لشکر الموفق و المعین۔

قطعہ تاریخ آغاز و اختتام از مؤلف

گشت پر از عطائے ایزد پاک کنز خوبی و گنج محسبونی !
ابتدائش خزینہ ثواب است ! انتہائش خزانہ خوبی !

فاضل مؤلف نے کتاب کے آغاز و اختتام میں کتاب کی تالیف و ترتیب کے مقاصد پر تفصیل روشنی ڈالی ہے۔ ہم مفتی صاحب قدس سرہ کے اس عظیم علمی اور تاریخی کارنامے پر داد و تحسین دینے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے اس بے باخزینے کو اس دور میں ترتیب دیا، جب سکھ گردی نے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علمی خزانے ایک ایک کر کے نذرِ آتش کر دیئے گئے تھے۔ علمی محفلیں، دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں ایک ایک کر کے ویران ہو چکی تھیں۔ اہل علم اپنی جان کی سلامتی کے لئے اپنے علم کو چھپاتے پھرتے تھے ان حالات کے باوجود مفتی صاحب نے سیکڑوں ماخذ جمع کئے اور خزینہ الامنیاء کو ضابطہ تحریر میں لائے۔ فاضل مؤلف کی شبانہ روز کوشش اپنے گہریریز قلم کو تیشہ فرماد بنا کہ حالات کے کوہِ گراں کو چیرتی گئی اور اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ کتاب ۱۲۸۰ھ / ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوئی اور پبلا ایڈیشن لاہور میں چھپا مگر بعد میں برتریم و اضافہ کئی ایک ایڈیشن نوکٹور بکنٹون نے مفتی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہی شائع کئے۔

میں صرف مخزن دوم کا ترجمہ ہی کر پایا تھا اور میری صحت نے اجازت نہ دی کہ میں اپنے
 نانا مرحوم کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکتا۔ چنانچہ میرے فاضل عزیز پیرزا وہ علامہ اقبال احمد فاروقی
 ایم۔ اے نے اس کوشش کا کام کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ترجمہ کا کام قریب الان تمام ہے۔
 میں اپنے فاضل دوست خیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور
 مفید حواشی کا اضافہ فرمایا۔ میں اپنے فاضل معاصر جناب ستید شرافت نوشا ہی صاحب کا بھی ممنون ہوں
 جنہوں نے نوشا ہی بزرگان دین کے حالات کے ترجمہ اور حواشی میں میری قابل قدر مدد کی۔ عزیز مکرم
 محمد عالم مختار حق کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے تصحیح کا کام بڑی صحت سے کیا۔ آخر میں اپنے محترم
 دوست المدج میان باغ علی سلیم کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مفید مشوروں
 سے نوازا۔ موصوف ہی کی مجلسائے کوششوں سے مکتبہ نبویہ نے اس عظیم الشان کتاب کی طباعت کا
 اہتمام کیا ہے۔ مکمل کتاب کا ترجمہ ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ جلدوں میں منقسم ہے
 پہلی جلد پیش خدمت ہے باقی جلدیں ان شاء اللہ سلسلہ وار پیش ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگان دین رضوان اللہ عنہم اجمعین کے صدقہ
 میں مصنف مرحوم، مترجمین، معاونین، طالبین اور ناشرین کے گناہوں کو معاف فرمائے اور تمام
 مسلمانوں کو اپنے رسول پاک اور بزرگان دین کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مفتی محمود عالم ہاشمی

۱۳۔ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ لاہور



حمد

حمد سجدہ اس ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ یکتائی و اپنائیت، اس کی تعفت ہے اور
شکر بھی اسی ایک اللہ کے لئے ہے جس کی مشیت سے تعینات کی تمام اقسام کا ظہور ہوا ہے

مَالِكِ الْمَلِكِ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَحُدَّةِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

وہ ایسا کبریائی کا مالک ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اس کی بارگاہِ لم یزلی میں سجدہ ریز ہیں۔
وہ ایسا بڑا ہے کہ دنیا کے شان و سلوت رکھنے والے بڑے بڑے شہنشاہ اس کی بارگاہ کے
اوتی سے بندے ہیں۔ وہ ایسا صانع ہے کہ اس نے اپنے ایک ہی حکم "کن" سے کائنات
کو پیدا کیا۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ بڑے بڑے غلامفروں اور داناؤں کی عقلیں اس کے
کمالات قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ صدیقین یعنی ذات باری کو مشابہہ سے ماننے والے
اس کے جمال کی تعریف کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہل عرفان کے دل اس کی ذات کے
عرفان کے باب میں یوں ہیں کہ جیسے وہ اسے نہیں پہچان سکے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ مُنْفَرِدٌ بِذَاتِهِ و

صفات میں یکتا ہے۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور

صِفَاتِهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ و

وہ سننے، جاننے والا ہے۔

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

نعت

اور نعت اس مالک کو ثناء جبار کے لئے ہے جس کے سر پر تاجِ بولاک خوب زیب
دیتا ہے۔ وہ ایسا شفاعت کرنے والا نبی ہے کہ رُوسیا ہیوں کے گناہ اگرچہ پہاڑ کی مانند

marfat.com

Marfat.com

کیوں نہ ہوں، اُس کی شفاعت کے مقابل، بوجب حکم وَ لَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى
 گھاس کے ایک تھکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ آپ ایسے رحمتہ للعالمین ہیں کہ آپ کے روح
 کو نبی و جبرئیل کی برکات کے ساتھ پوری انسانیت حتیٰ کہ کفار اور کفرانہ اپنے نفس و فجور کے باوجود بھی
 حکم خداوندی لَا يُعَذِّبُهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ کی رو سے تھرا لہی سے نچکے ہوئے ہیں۔ صلی
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَ عَلَىٰ آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ تَسْلِيمًا كَثِيرًا ۝

عاجز و حقیر، سراپا عیب اور ہنر سے خالی انسان، غلام سرور جو مفتی شریعت مطہرہ غلام محمد
 بن مفتی رحیم اللہ قریشی، اسدی الهاشمی لاہوری (مغزلة ذنوبہ و ترمیم بنی الدنیا و الآخرة) کا بیٹا ہے
 گزارش کتاب ہے کہ جب خاکسار نے اللہ کی مہربانی و عنایت سے کتاب "گلستانہ کرامات" جس
 میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صدیقی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی
 الحسینی و الحسینی الغنبلی کے مناقب لکھے ہیں، کی تصنیف و تالیف سے فراغت پائی تو بعض جاں نثار
 ساتھیوں نے امرار کیا کہ میں مزید ایک کتاب لکھوں جو مشائخ دین اور اولیائے اہل یقین کے
 حالات اور ان کی کرامات و سوانح پر مشتمل ہو تاکہ راہِ طریقت پر چلنے والوں اور ہدایت طلب کرنیوالوں
 کو مشائخِ عظام کے حالات سے واقفیت ہونے کے علاوہ پورا پورا فیض حاصل ہو، ان کے
 شوق و ذوق کا جذبہ پڑان چڑھے اور عقیدت و محبت میں ترقی ہو۔ نیز ساری دنیا میں موعظ کھنے
 ایک یادگار بنے اور جب وہ دنیا سے روانہ ہو تو لوگ اس کی کاوش کے پیش نظر اسے اپنی نیک
 دعاؤں میں شریک کریں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے ۝

بماند سالہا این نظم و ترتیب ز ماہر نوزہ خاک افتادہ جائے

غرض نعتیے است کہ مایاد ماند کہ ہستی را نمی بینم بقائے

لہذا یہ کم بہت (غلام سرور) مخلص اجاب کے مشورہ سے اور خاص طور پر یہ امید لگے ہوئے ۝

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم ہاں یا بہ نیکیاں بہ بخشد کریم

اپنی ابدی نجات کی خاطر ان تمام بزرگوں کا (جن کا ذکر خیر شامل کتاب ہوگا) وسیلہ ڈھونڈے،

لہ اس کتاب کا تفصیلی تعارف کتاب کے دیباچہ میں دیا گیا ہے۔

خوب محنت کے ساتھ اس تاریخی خزانہ کو جمع کرنے میں مشغول ہو گیا اور آخر ہر ایک بزرگ کے صحیح حالات متعین اور متاخرین اصحاب قلم کی میلائی کتابوں سے ترتیب دے کر، اس 'انمول خزانہ' کی بنیاد رکھ دی اور تاریخی نام 'خزینۃ الاصفیاء' سے موسوم کر کے اسے سات حصوں و مخزن میں تقسیم کیا:

پہلا مخزن :- خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر میں۔

دوسرا مخزن :- خاندانِ قادریہ اعلیٰہ کے مشائخ کے ذکر میں۔

تیسرا مخزن :- خاندانِ چشت اہل بہشت کے بزرگوں کے ذکر میں۔

چوتھا مخزن :- سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگوں کے ذکر میں۔

پانچواں مخزن :- بزرگانِ خاندانِ سہروردیہ کے ذکر میں۔

چھٹا مخزن :- مختلف سلسلوں کے بزرگوں کے ذکر میں۔

ساتواں مخزن :- چار حصوں پر مشتمل ہے :-

حصہ اول: حضور و روکانات کی ازواجِ مطہرات کے ذکر میں۔

حصہ دوم: حضور اکرم کی صاحبزادیوں کے ذکر میں۔

حصہ سوم: ان پاباز عورتوں کے ذکر میں جو ولایت و کرامات میں ممتاز تھیں۔

حصہ چہارم: موجودہ اور نرشتہ صدیوں کے مجذوب اور دیوانہ وار فیروں کے ذکر اور خاتمہ

کتاب میں۔

یہاں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ اس خطا کار و ناکسار کو نظم و نثر میں چنداں بیباقت نہیں۔

اس لئے بند پاپیہ شاعروں اور قابلِ عزت ادیبوں سے متوقع ہوں کہ اگر وہ کتاب کی نثر یا ان

نظموں میں جو ناکسار نے ہر ایک بزرگ کے حالاتِ زندگی کے آخر میں کہی ہیں۔ کوئی غلطی پائی تو

خطا پوشی سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو اصلاح فرمادیں۔

من دیدن دنیا خطا دار آدم ! بنده خاکی گنہگار آدم

چوں کسرا پاپیم و کسر خطا در جنابت دارم این عرض و دعا

گرفتارے رفتہ باشد در کتاب
 پر وہ پوشی کن تو از راہِ ثواب
 گرتوی بے عیب از راہِ کرم
 از سرِ اصلاح راں بر من قلم
 لطف و احسان کن کز تب العین
 خالص کند اجر پاک محسنین

کتاب کے بارے میں موصوف کے اپنے خیالات:

جلوہ گر شد چو این خزانہ فیض
 در جہاں مثل ماہِ پر انوار
 در نظر ہائے خلق شد منظور
 گشت مقبول ہر صفا و کبار
 معدن فیض و منبع فضل است
 کان معنی ست مخزن اسرار
 دامن طالبان حق زو شد!
 پر گھر مثل ابر گر ہر بار
 سال او خازن حسد و فرمود
 گو مقتدر و خستہ ابرار

۱۲۸۰

ایضاً موصوف کے قلم سے:

گشت چون آواز از فضل الہ
 مخزن مالی بذکر اعفیاء
 ہر کہ دیدش بچو ز رشد سرخرو
 بر نہ خواندش گشت خداں چون طلا
 چشمہ فیضی ست بہر خاص و عام
 سر بسر گنج ست گنج بے بہا!
 معدن نوریت از انوارِ حق
 مخزن ستریت ز اسرارِ خدا
 یک ہزار و دو صد و چہشتاد گشت
 جمع این کنز معانی ما معنا
 باد تا باشد زمین و آسماں
 جلوہ گر این گنج معنی جا بجا
 خازن دل گشت سرور سال او
 مخزن اسرار ، گنج اولیاء
 ۱۲۸۰ ۱۲۸۰

منقہی غلام سرور لاجپور علی منہ

مخزنِ اَوَّل

ذکرِ آنحضرت، خلفائے راشدین و ائمہ کرام

۱۔ حضورِ خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور شاہِ رسالت خاتم النبوت بلید السلام والفضلوۃ والتیمیۃ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سے برتر ہیں اور ساری موجودات کا وجود آپ کے وجود کی برکت سے قائم ہے جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے،

اَدَلُّ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِي وَكُلُّ خَلْقٍ مِنْ نُوْرِي۔
خلائقِ من نوری۔
میرے ذرے سے پھر ساری مخلوق کا ظہور ہوا۔
ندانے سب سے اول میرے نور کو پیدا فرمایا اور

اسی طرح آپ کا یہ برق کلام بھی حدیثِ قدسی کا ایک حصہ

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو میں عالمِ ايجاد کی نیڑیاں پیدا نہ کرتا۔

اس حقیقت پر ایک قوی دلیل ہے اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قریش مکہ کے شریف قبیلہ میں صحیح الطرفین تھے۔ مانی قدر والہ عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف تھے اور والدہ ماجدہ بی بی آمنہ۔ وہب بن عبدمناف کے قبیلہ سے تھیں۔ حضور کے اسمائے صفاتی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے ننانوے نام اپنی عظمت و خصوصیت کے اعتبار سے خاص و عام کی نوکِ زبان پر ہیں اور مستند کتابوں میں درج ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

- ۱) محمد (۱۲)، احمد (۲)، عامر (۳)، محمود (۵)، مصطفیٰ (۶)، مرتضیٰ (۷)، خاتم النبیین (۸)
- ۲) شفیع المذنبین (۹)، رحمۃ اللعالمین (۱۰)، وحید (۱۱)، طاہر (۱۲)، یسین (۱۳)، رسول (۱۴) نبی (۱۵)
- ۳) بشیر (۱۶)، نذیر (۱۷)، منزل (۱۸)، مدثر (۱۹)، نور (۲۰)، سراج (۲۱)، متوکل (۲۲)، کفیل (۲۳)
- ۴) منیق (۲۴)، روح القدس (۲۵)، صاحب التاج (۲۶)، صاحب المعراج (۲۷)، صاحب السیف (۲۸)
- ۵) قیوم (۲۹)، مسکین (۳۰)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائے گرامی میں مسکین کی نسبت کو زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے،

اِنَّهُمْ اَحَبُّنِي مَسْكِيْنًا وَاَمْتَنِي اے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھو اور

مسکیناً واحترافاً فی زمرة
مجھے مسکینوں کی حیثیت سے موت آئے اور مجھے
الساکین ۵
ساکین کے گروہ ہی سے اٹھائیے۔

چونکہ آپ کی ذات بابرکات خود مسکین تھی اس لئے یتیموں اور مسکینوں کو آپ بہت قریب رکھتے
تھے اور ان کی حمایت اور رعایت کے لئے دل و جان سے کوشش فرماتے تھے اور اپنے
اصحاب پاک کو بھی یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کے سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔
حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کے مقدس نام کو ہر ایک آسمانی صحیفہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ تورات
میں مادم، مملوک، قتال اور انجیل میں احمد، فارقلیطا اور قرآن پاک میں محمد و احمد کے
نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ما شق صادق حضرت شاہ ابراہیم عالی قادری کرمانی لاہوری حضور اکرم کے علیہ مبارک
کی تعریف میں یوں کہتے ہیں:

هو اسمر بياض اللون و واسع
الوجهة و ازج العاجين و اقلبه
الاسنان و اسود العينين و مليه
واقنانت و ازج الحواجب و
طويل الیدين و ثمام العتد
و مجتمع التحية و رفیق الانامل
و ضيق الغداد و ليس فی بدنه شعر
الا لخط الصدر الی الشرة و صورته
احسن الصور و حسنه حسن القمر
و نوره نور الشمس و علامه کلام
روح القدس و قاله قتال
الشریعة و حاله حال الحقیقة
و علمه علم الیقین و لسانه

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ قدسی سرخ یا سفید
ظاہر تھا۔ فراخ پیشانی، باریک ابرو،
کشادہ ذہن، سیاہ چشم، حیاء مار طبع نظر والی
بند ناک، بھرے ہوئے
بجے بازو، سر و قد (یعنی سیدھا
جیسے مناسب ہوتا ہے)، اور گنجان ریش
مبارک، باریک بال، تنگ و بان تھا۔ آپ کے
بدن مبارک پر بال نہیں تھے مگر سینہ اقدس کے
خط سے ناف تک اور آپ کی نازنین صورت تمام صورتوں
سے احسن ہے، آپ کا حسن چاند کے حسن سے بڑھ کر
اور آپ کا نور اور نور شیبہ سے افضل۔ آپ کا کلام
بلاغت نظام روح القدس کا کلام اور آپ کی گفتگو
راز شریعت اور آپ کا حال حقیقت کی صورت ہے۔

لسان الذاکر و قلبہ : آپ کا علم، علم یقین اور آپ کی زبان خدا کا ذکر
 عین المعرفة و ذاتہ : کرنیوالی زبان ہے۔ آپ کا دل معرفت کا چشمہ،
 ذات انوار الحق و دینہ : آپ کی ذات انوار حق کا کرشمہ، آپ کا دین تمام
 اصکرام الادیان ملتہ اشرف : دنیا کے مذہبوں سے بلند اور آپ کی امت تمام
 السبل و خلقہ احسن الاخلاق : امتوں سے برگزیدہ ہے۔ آپ کا خلقِ علیم اخلاق
 و عملہ امر اللہ و فعلہ : مسند کا پتھر، آپ کا عمل خدا کا حکم، آپ کا کام
 عبادۃ اللہ و جمہ خیر الاجسام : اللہ کی عبادت، آپ کا جسم مخلوق میں خیر و سعادت
 واسمہ خیر الانام صلی اللہ : اور آپ کا اسم گرامی "خیر الانام" ہے صلی اللہ
 علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ - علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

حضورِ فخرِ الرسل کی ولادت اطہر علمائے ملت کی متفقہ رائے کے مطابق واقعہ اصحابِ نبیل
 کے سال میں، ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے روز پر پھٹنے کے بعد ہوئی۔ گویا اس تاریخی
 واقعہ کو گزرے ابھی چالیس یا پچپن روز ہی گزرے ہوں گے۔

بعض بزرگوں کا خیال یوں ہے کہ حضورؐ کی ولادت اور ابراہیم کا حملہ (واقعہ اصحابِ نبیل)
 دونوں ایک ساتھ ہوئے۔ ایک لحاظ سے نو شہریوں کے زمانہ میں، اس کی حکومت کے یا لیسویں
 سال میں حضورؐ عالم آراء ہونے جبکہ سکندر اعظم متحد و نومی کو دنیا سے رخصت ہوئے چھ سو بہتر
 برس کا عصر بیت چکا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضورؐ کی ولادت
 تک کل چھ سو سال کا فرق تھا۔ چالیس برس کی عمر میں رمضان المبارک کے رحمت بھرنے مہینہ کے
 اندر آپ پر کلامِ الہی کا نزول شروع ہوا۔ بعض علمائے حدیث کے بیانات کے مطابق وحی نازل
 ہونے کی ابتداء حضورؐ کی عمر عزیز کے اکتالیسویں سال میں ۴۰۔ ربیع الاول کو پیر کے روز ہوئی۔

وہ معجزے جو نبی اکرمؐ علیہ التحیۃ و التقداس سے ظاہر ہوئے، پہلے انبیاء میں سے یوں
 کسی نے بھی نہ دکھلائے۔ ان کی تفصیل پانے بزرگوں کی کتابوں مثلاً معارج النبوت، مدارج
 النبوت، اعجاز نبوی اور صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جیسے نزولِ قرآن کا معجزہ اور اس کی

فصاحت اور معجزہ شوق القمرونغیرہ۔ یہ معجزات ایک ہزار سے زائد بیان ہوئے ہیں۔

حضرت اکرمؐ صاحب السیف و الشجاعت کا عروج معراج و مشاہدات معراج، علم حدیث کے اکبر علماء کے فیصلہ کے تحت ربیع الاول میں بعثت نبویؐ کے بارہویں سال ہوا۔ بعض اصحاب سوال کا مہینہ اور بعثت کا گیارہواں سال بتاتے ہیں لیکن ۶۔ رجب المرجب کی شب پر اکثر علماء متفق ہیں اور اسی تاریخ کو زیادہ معتبر خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رفاقت میں ماہِ صفر کی ستائیسویں رات کو یا یکم ربیع الاول کو بعثت کے تیرہویں سال ہجرت فرمائی اور آپؐ نے مکہ معظمہ کی آبادی سے الوداع یا حجرات کے دن باہر قدم اٹھایا۔ بعض ائمہ دین کے فرمان کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حجرات کو گھر سے نکلے اور فارس سے نکلنے اور مدینہ منورہ کی طرف رُخ کرنے کا دن سوموار تھا۔ یا ممکن ہے اس کے برعکس واقعات ہوں۔ بہر حال مدینہ طیبہ میں داخلہ بارہ یا اٹھارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بوقت چاشت بروز سوموار ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ میں ہوا۔ وصال کے وقت آپؐ مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک مورخ نے آپؐ کا وصال ۲۔ ربیع الاول بعثت کی سحری بیان کیا۔ بعض کتابوں میں جمعہ کا دن لکھا گیا ہے۔ مستند بات یہ ہے کہ آپؐ کا وصال سوموار کو ہوا اگر آپؐ کو بدر کے دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال کی تھی۔ بعض حضرات نے ۶۵، ۶۰ اور ۶۲ سال ۶ ماہ گھسی ہے۔ ان حضرات نے مختلف حالات سے عمر مبارک کا تعین کیا ہے۔ مستند علماء و تاریخ نے ان تمام اقوال کو سامنے رکھ کر ۶۳ سال پر اتفاق کیا ہے لیکن مندرجہ بالا اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعضوں نے سنِ ولادت اور سنِ وفات شمار نہیں کیا اور بعض نے قمری شمسی دونوں کا شمار کیا ہے۔ تاریخ وفات:

رفت چوں از جہاں جناب نبی

نور حق بود وصل شد با ذات

گفت جبرئیل سالِ ترحیلش

اے جو مہر شد سراپا نور

۲۲۵ = ۱۱ - ۲۵۶

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ جناب رسالتاً بعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے برگزیدہ ساتھیوں اور پر عظمت جان نثار صحابہؓ میں سے تھے اور افضل البشر پیغمبر اسلام کے بعد خلافت راشدہ کے پہلے امیر تھے آپ کی کنیت ابو بکر، لقب صدیق اکبر اور صیق تھا۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن میم بن مرہ تھا۔ والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر مسلمی بنت صخر بن امر بن عمرو بن کعب بن سعد بن میم بن مرہ تھا۔ گویا آپ کے والدین کا نسب چھٹی پشت میں مرہ سے جاملتا ہے، جن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں پشت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس ناطقہ کے ساتھ دیکھا جائے تو حضرت کی نسبت ابانی جناب سرور کائنات کے ساتھ مشترک نظر آتی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پیدائش متحقق روایات کے تحت، واقعہ اصحاب بیل کے دو سال چار ماہ کے بعد ہوئی۔ آپؓ نے صحابہ میں سے سب سے اول کوئی معجزہ طلب کئے بغیر اسلام قبول کیا اور رسالت کی تصدیق کی۔ اسی لئے صدیق اکبرؓ نام پڑا اور نبی آخر الزماں کی رحلت کے دو سال میں ماہ کی مدت تک، مسند خلافت پر بیٹھ کر، کمال صداقت و یقین کے ساتھ اچانے اسلام کے لئے سر توڑ کوششیں کیں اور بہت سے ان عربوں کو جو حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو چلے تھے اپنی قوت بازو کے ساتھ راہ راست پر لانے اور میلز کذاب کو جو اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کر کے ایک عظیم لشکر کی معیت میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تھا، تلوار سے کاٹ کے رکھ دیا۔

ابو مسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خود اپنی زبان سے ارشاد فرمایا: میں نے حضورؐ کی پیغمبری سے قبل ایک رات خواب میں دیکھا کہ نور کا ایک بہت بڑا بقعہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور حرم کعبہ میں نازل ہو کر تمام کرۂ ارضی میں پھیل گیا ہے اور مکہ المکرمہ کا کوئی گھر نہ ایسا نظر نہ آتا تھا جہاں اس نور کی جلوہ گری نہ ہوئی ہو۔ پھر وہ سارا نور ایک معین صورت میں مجتمع ہو کر میرے گھر میں آگیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب

یہود کے ایک بہت بڑے عالم کے سامنے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر
 ادھوری ہے (کیونکہ) یہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔
 چند سال گزرنے پر میں تجارتی سفر پر گیا۔ جب ہم بحیرہ راسب کے ٹھکانے "دیر بکوراہ"
 پر پہنچے تو میں نے بحیرہ راسب سے ملاقات کی اور اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اُس نے کہا:
 "تو کون ہے؟"

میں نے کہا: "میں قریش تکہ میں سے ایک فرد ہوں۔"
 بحیرہ راسب بولا: "خدا تمہی سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا جس کا تو مشیر و
 نائب ہوگا۔"

جب حضور کی رسالت کا ذکر لکھا جاتا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے (حق الیقین
 کی خاطر) کوئی خاص دلیل پتلا ہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 "میری رسالت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جس کی تعبیر تجھے بحیرہ راسب نے بتائی تھی۔"
 میں نے عرض کیا: "حضور آپ نے یہ حال کس سے سُن لیا؟"
 حضور نے فرمایا: "عالم وحی جبریلؑ سے۔"

پھر اسی وقت میں نے صدقِ دل سے یہ الفاظ کہے: "لا الہ الا اللہ، انت (محمد)
 رسول اللہ۔"

شواہد النبوت کے معتدات نے یوں لکھا ہے:

"حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا،
 اپنا نمک کیا دیکھتا ہوں کہ اُس درخت کی ایک شاخ میری طرف پکی اور میرے سر تک
 پہنچ گئی۔ اس ٹہنی میں سے میں نے ایک عجیب آواز سنی کہ پیغمبرِ آخر الزماںؐ فلاں وقت میں پیدا
 ہوں گے اور تجھے ان کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تو "صدیق" ہو جائے۔
 میں نے اُس شاخ بزرے کہا کہ صاف صاف کہو وہ پیغمبر کون ہے اور اس کا نام کیا ہوگا؟"
 جواب ملا: "محمد بن عبداللہ قریشی، مکی، ہاشمی۔" میرے دل نے کہا وہ تو میرا حبیب
 مونس ہوگا۔"

”تب میں نے اس درخت سے ہمہ ییا کہ حضورؐ جب مبعوث ہوں مجھے پھر بشارت دینا۔“
 جب حضورؐ کی بعثت ہوئی تو اس درخت سے پھر صد آئی، اسے ابن ابوقحافہ ہوشیار
 باش کہ جناب مستند مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی پہلی وحی نازل ہو گئی۔ اب جلدی ایمان لانے
 کی کوشش کریں تاکہ اسابقون کے گروہ میں ہو جاؤ اور ان کی رسالت کی جلدی تصدیق کر دو کہ
 دینا کے صدیقیوں میں تمہارا نام لکھا جائے۔ چنانچہ میں فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں اس
 مقصد کے لئے حاضر ہوا اور آپ نے بھی مجھے معاً اسلام کی دعوت دی تو میں فوراً پکار اٹھا:
 ”اشهد ان لا اله الا الله واشهد انك رسول الله۔“

ایک رات چند مہمان حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر آئے۔ خود حضرت ابوبکرؓ اس وقت بارگاہِ
 نبویؐ میں حاضر تھے۔ نمازِ عشاء سے فراغت پانے کے بعد جب آپؐ گھر پہنچے تو پوچھا کہ مہمان
 شام کا کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟

گھر والوں نے کہا: ہم نے ان کے سامنے دسترخوان چن دیا تھا لیکن انہوں نے کھانا
 نہیں کھایا۔ ان کی منشا غالباً یہ ہے کہ آپؐ بھی شامل ہوں تو بل کر کھایا جائے۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصال سے پہلے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو تو میرا تابوت
 سکرار دو عالم کے روضہ اطہر کے سامنے رکھا جائے اور کہا جائے ”السلام علیک یا رسول اللہ، ابوبکر
 آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل جائے تو مجھے اندر دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں
 دفنانا۔“ جب وصیت کے مطابق آپؐ کا تابوت لایا گیا تو ابھی تک کلمات پورے نہ ہوئے تھے
 کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی ”دوست کو دوست کے پاس لے آؤ۔“ چنانچہ سیدنا
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جواریہ صیبؓ میں دفن کر دیا گیا۔

آپؐ کا وصال ۲۲ جمادی الآخر ۱۱ بروز اتوار جو ایک روایت میں منگل کی رات کھا ہے۔ بعض کتابوں
 میں جمعہ ۲۲ اور ۲۳ جمادی الآخر بھی تحریر ہے۔ وصال کے وقت آپؐ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

حضرت صدیق اکبر یارِ غار حاکم دین والی کون و مکان
 بود مقبول احد آں ذات پاک از احد شد سال ترحیش عیاں
 باز سالی انتقالش گفت دل آہ سے سرور ولی رفت از جہاں

۳۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر ابن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کنیت ابراہیم الخفص ، لقب فاروق الاعظم اور اسم گرامی عمر ابن الخطاب بن قنصل بن عبدالغزی
ابن ربیع بن عبداللہ بن فرط بن زرارہ بن عدی بن کعب۔ آپ کی والدہ کا نام خدیجہ بنت ہاشم بن
مغیرہ یا بنت حشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخدوم۔ اس لحاظ سے وہ یا تو ابو جہل کے چچا کی
لاڑکی یا ابو جہل کی بہن تھیں۔ آپ کا نسب والد کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب
کعب پر ملتا ہے۔ (کعب رسول اکرم کے جد ہشتم تھے اور حضرت عمر کے جد نہم تھے)
حضرت عمر کی ولادت ماقہ مہل سے تیو سال قبل ہوئی تھی اور بعثت رسول پاک کے چھٹے
سال ایمان لائے تھے۔ آپ سے پہلے صرف چالیس مسلمان ہوئے تھے۔ جس دن حضرت عمرؓ
ایمان لائے تو یہ آپ پر کبیرہ نازل ہوئی :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَبِّبَكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ -

بروز منگل ، ۲۰ جمادی الآخر ۱۳ھ کو آپ مسند خلافت پر بیٹھے۔ آپ کی مدت خلافت
دس سال آٹھ ماہ تھی۔

شواہد النبوت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی آستوں میں
معدن ہوا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے گفتگو کرتے تھے مگر میری امت میں حضرت عمرؓ ایسے شخص
ہیں جن کی زبان سے اللہ تعالیٰ خود گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جس معاملہ
میں صحابہ رسول گفتگو کرتے تھے ، حکم الہی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا ، میں نے خواب میں
دیکھا کہ ایک ڈول میں نے گنویں میں ڈالا اور اس سے پانی کھینچنے لگا اور اس وقت تک پانی کے
ڈول کھینچتا رہا جب تک اللہ نے چاہا۔ اس کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پانی کھینچنے لگے۔
ابھی آپ نے دو ایک ڈول کھینچے تھے کہ تک گئے رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ
آگے بڑھے اور ڈول کھینچنے لگے۔ میں نے آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے
تمام حوض کو پانی سے بھر دیا اور خلقِ خدا کو سیراب کر دیا۔ یہ عہد خلافتِ عمرؓ کی طرف اشارہ تھا۔ اپنے

فارس کے ہزاروں شہر اور قبضے فتح کئے اور بے پناہ لوگ دامن اسلام میں آئے۔ ایک دن جمعہ کے روز آپ برسر منبر خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں تین بار خطبہ کے دوران یا ساریۃ الجبل پکارا اور پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ حاضرین مجلس ان بے تسبیح جملوں سے متعجب تھے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن عوف نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: میں نے نظر کشف سے دیکھا کہ ساریہ اور اس کے لشکر کی ایک پہاڑ کے دامن میں لشکر کفار سے لڑ رہے ہیں اور قریب ہے کہ انہیں شکست ہو۔ میں نے یہ حال دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ میں نے انہیں لٹکارا کہ تم پہاڑ کے پیچھے چلے جاؤ۔ چنانچہ انہیں کفار کے لشکر سے نجات مل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آواز ان تک پہنچا دی ہوگی۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساریہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ میں پہنچے اور بتایا کہ جمعہ کے روز ہم لشکر کفار سے لڑ رہے تھے۔ صبح سے لے کر نماز تک ہم مصروف پیکار رہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا بے پناہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے رہا ہے۔ کسی منادی کرنے والے نے پکارا۔ یا ساریۃ الجبل۔ چنانچہ ہم نے پہاڑ کے دامن میں لشکر کفار کا مقابلہ کیا تو فتح یاب ہو گئے۔ کتے ہیں یہ مقام مدینہ پاک سے ایک ماہ کے راستہ پر تھا۔

جس وقت صحیح فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق کے حکم سے عمرو بن العاص کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال مہری لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے، دریا کے نیل کی عادت ہے کہ ہر سال اس ماہ ایک خوب صورت کنواری لڑکی کو اس دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ہم لڑکی کے والدین کو حسبِ خواہش روپیہ دے کر خوش کر لیتے ہیں اور لڑکی کو خوب صورت لباس پہنا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ اس طرح دریا کے نیل کا پانی پورا ایک سال رواں رواں رہتا ہے ورنہ خشک ہو جاتا ہے اور قحط رونما ہو جاتا ہے جس سے فصلوں کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس سال بھی اگر یہ نذرانہ پیش نہ کیا گیا تو نیل خشک ہو جائے گا اور فصلیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت عمر و ابن العاص نے یہ سارا واقعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اسلام اس قسم کی رسوم کو ختم کرنے آیا ہے۔ ایسی بات کو اسلام قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کی رسوم ادا کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے۔ کتے ہیں، ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ دریا کے نیل خشک ہو گیا۔ رعایا برباد ہو گئی۔

اور لوگ قحط سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دوبارہ صورت حال لکھ کر حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا کہ بے آبی سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں اگر آپ امداد فرمائیں تو زما یا آباد ہو سکتی ہے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی ایک رقعہ دریا سے نیل کو لکھا جس میں یہ الفاظ تھے:

من عبد الله الامير المؤمنين عمري نيل مصر۔ اما بعد فانك ان كنت تجري من قبلك فلا تجسرو ان كان الله الواحد القهار ان تجريك فتجبر فقط !
 (امیر المؤمنین عمر کی طرف سے دریا سے نیل مصر کے نام۔ اگر تم خود جاری ہو تو رُک جاؤ۔ لیکن اگر اللہ واحد قہار کے حکم سے چلتے ہو تو تمہیں جاری رہنا پڑے گا)
 آپ نے حاکم مصر کو بھی لکھا کہ میرا یہ رقعہ دریا میں ڈال دینا۔ دریا اللہ کے فضل و کرم سے جاری ہو جائے گا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ رقعہ دریا سے نیل میں ڈالا۔ دوسرے روز دریا مام حالات سے سولفٹ اونچا بننے لگا۔ چنانچہ رعایا آباد ہو گئی اور حالات معمول پر آ گئے اور دریا سے نیل کی یہ عادت بد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضرت نظام الدین محبوب الہی و طوبی راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں آفتاب کی روشنی کی طرف رخ کئے اپنے کپڑوں کو ٹانگے لگا رہے تھے۔ چونکہ کچھ وقت تک گیا اس لیے آفتاب کی گرمی نے آپ کو متاثر کیا۔ آپ نے اپنی خشکیں نکال کر آفتاب کی طرف اٹھائی تو آفتاب سیاہ ہو گیا اور ساری دنیا پر سیاہی چھا گئی۔ اس حال سے سزاوار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے متفکر ہوئے۔ اسی وقت حضرت روح الامین حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آج آفتاب نے آپ کے سر کو خشکیں کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے نور آفتاب گہنا کیا ہے۔ ہاں اگر حضرت عمرؓ آفتاب کا گناہ معاف کر دیں تو آفتاب کی روشنی لوٹائی جاسکتی ہے ورنہ قیامت تک آفتاب کو اسی طرح سیاہ رہنا پڑے گا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرما دیا کہ آپ کو طلب کیا اور فرمایا کہ آفتاب کا گناہ معاف کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرما دئے کہ آفتاب سے لوٹا دیا گیا۔

باحث القلوب میں ایک اور روایت بھی درج ہے کہ جب حضرت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ

نے شاہِ رومِ قیصر سے خراج طلب کیا تو اسے ذرا تامل اور توقف تھا۔ اس نے اپنے خفیہ جاسوس آپ کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کی قوت کا مشاہدہ کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر سکیں۔ جب یہ جاسوس مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے جمبو پڑے میں بیٹھے دیکھا جو اپنے کپڑوں کو پوند لگا رہے تھے۔ اپنے دل میں سوچنے لگے ایسا بے وقار فقیر جو اپنے کپڑوں کو خود پوند لگا رہا ہے قیصرِ روم سے کس طرح خراج حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت امیر المومنینؓ نے فوراً بصیرت سے ان کے ان خیالات کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ قیصرِ روم جو مال اور تحائف لائے ہو کہاں ہیں؟ وہ لوگ آپ کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کانپنے لگے اور تمام حالات و کوائف بے کم و کاست بیان کرنے لگے۔ آپ نے دیر نہ اٹھایا اور روم کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا، ہم نے قیصرِ روم کا سر قلم کر دیا ہے۔ جاسوس یہ بات دیکھ کر واپس روم چلے گئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ قیصرِ روم ایک دن دربار لگانے بیٹھا تھا، تمام اعیانِ سلطنت بھی حاضر تھے کہ اچانک ایک دیوار سے شگاف پڑا اور ایک درہ برآمد ہوا، اس کی شدید ضرب نے قیصرِ روم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمان چھپ چھپ کر اندر اذان دیا کرتے تھے اور غاروں میں چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے نخلی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اذان دی تو کفار کے دل کانپ گئے۔ یہ اسلام کی پہلی لٹکار تھی جو کفار کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ مشرکین مل کر کہنے لگے: یہ کیا مصیبت ہے کہ مسلمان اب بڑا اذان دینے لگے ہیں۔ اسی وقت شہر میں خبر ملی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور کہنے لگے: آج بتوں کا دین دوڑکھٹے ہو گیا اور اسلام ظاہر ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیرہ ہاتھ میں کپڑے جارہے تھے ایک وہی فردش رام میں کھڑا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا، کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرا وہی زمین پر گر گیا۔ زمین اس وہی کو نکل گئی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی سادگی پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے زمین پر دیرہ مار کر کہا، زمین! اس

غریب کا وہی واپس کر دو روزہ انصاف کے دیہ سے تمہیں سزا دوں گا۔ زمین اسی وقت پھٹ گئی اور وہ وہی جو مٹی نکل چکی تھی اس وہی فروش کو لوٹانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے اپنا برتن بھرا اور چلتا بنا۔

اس شاہِ خلافت کی شہادت ۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ ماہِ محرم الحرام کی یکم بروز اتوار (بقول روایت دیگر ۲۹۔ ذوالحجہ ۲۳ھ) کو آپ ان تین زخموں سے واصلِ بقی ہوئے جو ایک بدنامی و صحو کے سے لگائے تھے۔ ہمارے نزدیک دوسری روایت یعنی ۲۸۔ ذی الحجہ کی زیادہ صحیح ہے جو لوگ یکم محرم الحرام کو صحیح خیال کرتے ہیں ان کے ہاں سال ۲۳ھ ہے۔ آپ ۶۰ یا ۶۳ سال اور بقول دیگر ۵۸ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپ کا مزار پُرانوار حضرت صدیق اکبرؓ کے مزار کے ساتھ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کے پہلو میں ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کے مدفن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔ یہ دونوں بزرگ دو انبیاء کے درمیان آرام فرما ہیں اور ان کے درمیان سے اٹھیں گے۔

جانشینِ مصطفیٰ حضرت عمرؓ
بود بر فرشِ زمیں عرشِ آسمان!
سالِ تاریخ وصالِ آن جناب
گوز عالمِ رقتِ محبوبِ جہان!

۲۳ھ

۳۔ امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو عمر، ابو لیلیٰ اور ابو عبد اللہ تھی۔ لقب ذوالنورین (آن حضرت کی دو بیٹیاں آپ کے نکاح میں رہیں) تھا۔ کہتے ہیں آج تک کسی انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے عقد میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، اگر میرے ہاں چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں کے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے نکاح کرتا چلا جاتا۔

لے اس تاریخ گوئی میں ایک کلمہ ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے کہ اگر عالم کے اعداد سے محبوبِ جہان کے اعداد نکال لیے جائیں تو باقی ۲۳ بچیں گے جو آپ کا سن شہادت ہے۔

marfat.com

Marfat.com

امیر المومنین عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ آپ کی والدہ کا نام بیضا تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور آنحضرتؐ کے والد حضرت عبد اللہ کی توأم تھیں۔ آپ کا نسب والدہ اور والد دونوں نسبتوں سے آنحضرتؐ کے جد امجد عبد مناف سے جاتا ہے۔ عبد مناف حضرت رسول اکرمؐ کے جد چہارم اور حضرت عثمانؓ کے جد پنجم تھے۔

آپ کی ولادت واقعہ فیل کے چھٹے سال ہوئی۔ اعلان رسالت کے سال اول میں ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ولادت و تبلیغ سے دامن اسلام میں آ گئے۔ یکم محرم ۲۴ھ کو مسند خلافت پر بیٹھے اور مدت خلافت بارہ سال بارہ دن تھی۔

ایک دفعہ چند صحابی آپ کے گھر گئے مگر راستہ میں ایک کی نظر ایک نامحرم عورت پر جا پڑی۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: کیا بات ہے۔ تم میں سے ایک شخص ایسا بھی میرے گھر آیا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہے۔ وہ شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا: یا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وق آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: وحی نہیں نازل فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے خادموں کو عطا فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ شہادت سے ایک رات پہلے سرکارِ دو عالمؐ آپ کو خواب میں ملے اور فرمانے لگے: عثمان! آج افطار میرے پاس کرنا ہوگی دوسرے روز آپ کو شہادت شہادت ملی۔

شواہد النبوت کے موافق حضرت مولانا جامیؒ لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی نے کہا ہے، میں طواف کعبہ میں معروون تھا کہ مجھے ایک نابینا جو طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے، حالانکہ مجھے یقین نہیں آتا کہ تو مجھے بخش لے گا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! ایسی جگہ پر تم ایسی مایوس کن بات کرتے ہو۔ اس نے کہا، میں نے ایک عظیم گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے بخشش کی امید نہیں۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ اس نے بتایا کہ جس دن حضرت امیر المومنین عثمانؓ رضی اللہ عنہ کے مکان کا ممانہ کیا ہوا تھا۔ میں بھی حسرت کے معاندین میں سے تھا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو جائیں گے میں ان کے برہنہ منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ جب آپ شہید ہونے میں اندر آیا۔ دیکھا کہ آپ کا سر آپ کی بیوی کی بغل میں پڑا ہے۔ میں نے کہا: عثمانؓ کا

منہ نکا کرو۔ بی بی نے پوچھا، تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں ان کے منہ پر ہلکا پتھر ماروں گا۔ بی بی نے رو کر کہا: تم خیال نہیں کرتے کہ اس منہ کی رسولِ خداؐ نے تعریف کی ہے۔ اپنی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں دیں۔ اور بھی بہت سے فضائل بیان کئے۔ مگر میں نے پروا نہ کی۔ دوسرے لوگ ان کی باتیں سن کر شرمسار ہو کر لوٹ گئے مگر میں نے زبردستی آپ کا منہ نکا کر کے زوردار ہلکا پتھر مارا۔ خاتون نے ایک دلدوز آہ بھری اور کہا: ظالم، بے رحم جا اللہ تم پر کبھی رحم نہ کرے اور تیرے گناہ معاف نہ کرے، تمہارا ہاتھ سوکھ جائے اور تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ مجھے خدا کی قسم ہے ابھی حضرت عثمانؓ کے گھر سے میں باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ میرا ہاتھ سوکھ گیا اور میں اندھا ہو گیا۔ مجھے امید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کرے گا۔

ابن سعید غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کا عصا اٹھایا۔ یہ وہ عصا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا۔ اس نے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے کہا۔ یہ عصا نہ توڑو یہ رسول اللہ کا ہے مگر اس نے سنی ان سنی کر دی اور عصا توڑ دیا۔ اسی وقت اس کے گھٹنے میں درد ہوا اور وہ اسی درد سے مر گیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو جنات نے تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر ماتم کیا اور آپ کے مرنے میں آیات پڑھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ کو تین روز تک دفن نہ کیا گیا۔ ناگاہ ہاتھ نے آواز دی: اذنیوہ ولا الصلوة فان اللہ عزوجل قد صلی علیہ۔

و انہیں دفن دیا جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کا جنازہ ادا کر دیا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ یہ واقعہ فاجسہ بروز جمعہ ۱۳ یا ۱۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ میں رونما ہوا تھا۔ وقت شہادت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ بعض روایات میں ۹۲ سال لکھی ہے۔ ۸۲، ۸۶ اور ۸۹ سال بھی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

آپ کا مزار پُر انوار مدینہ پاکرے جنت البقیع کے قبرستان میں ہے۔

شاہ عثمان خلیف برحق از جہاں شد بہ جنت اعظم
سال تاریخ آن سدِ پاہل اسے بگورفت عادل از عالم

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ

کنیت ابوالحسن، ابو تراب ہے۔ لقب اسد اللہ، حیدر، صفدر اور کرار ہے۔ نام نامی علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المنان تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد المنان تھیں۔ آپ مکہ معظمہ اور یقول دیگر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۳۰ رجب المرجب میں سال بعد از واقفہ فیل ہوئی۔ آپ کی عمر بعثت کے وقت صرف یکارہ سال تھی اور جو شخص نابالغ بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لایا وہ آپ ہی تھے آپ ۳۵ یا ۳۶ء کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت پانچ سال تین ماہ تھی۔ بعض مورخین نے آپ کا دورِ خلافت چار سال نو ماہ لکھا ہے۔ وہ ائمہ اثنا عشریہ میں سے امام اول تھے۔

حضرت احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی صحابی کی احادیث فضائل میرے علم میں نہیں آئیں۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے۔ ایک دفعہ حضور کے چاروں حبیب القدر صحابہ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو متوجہ فرمایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج کو مجھے خرقة فقر عطا کیا تھا اب اگر میں آپ کو دوں تو آپ اس کا حق کس طرح ادا کریں گے۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ صدق اختیار کروں گا اور صدق کو فروغ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ ڈالی اور وہی بات کہی۔ آپ نے جواب دیا کہ عدل کروں گا اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے نجات دلاؤں گا۔ پھر حضرت عثمان سے وہی سوال کیا تو آپ نے عرض کی کہ میں خرقة فقر کے شکرانہ کے طور پر جیسا اختیار کروں گا۔ نکل اور نصیر کا مظاہرہ کروں گا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باری آئی تو آپ نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر اس فقیر کو خرقة مالیہ فقرو عطا کیا گیا۔ اس کے شکرانہ میں پردہ پوشی کروں گا اور حتی الامکان لوگوں کے محبوب کی پردہ پوشی کروں گا اور مخلوق کے مصائب کو معاف

کروں گا۔ آپ حضرت علیؓ کی گفتگو سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا، تمہارا جواب رضائے رسول خدا اور رضائے خداوندی کے قریب ہے۔ یہ فقر الہی کا خرقہ لے لو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے تم اسے پہن لو تاکہ شہنشاہِ اولیائے امت اور پیشواؤں نے ولایت امت ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سواری کے لئے رکاب میں پاؤں رکھتے تو قرآن پاک تلاوت کرتے، جب دوسری رکاب پر پاؤں رکھتے تو سارا قرآن ختم کر لیتے۔ ایک دن بعد از اداائے نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فدک کی مسجد میں بیٹھے تھے اور ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں محلہ میں جاؤ، وہاں مسجد ہوگی جس کے قریب بی فلاں گھر میں ایک مرد اور عورت آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ شخص گیا اور دونوں کو حاضر کر دیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں مخاطب کر کے کہا، آج رات تم لوگ کیوں لڑ رہے تھے مرد نے بتایا آج رات اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہو رہا ہے۔ میں اس کے نزدیک آیا ہی تھا کہ میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو اس عورت سے علیحدہ کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے طلاق دے دوں۔ مگر یہ عورت مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عورت کو علیحدہ لے گئے اور منہ مایا کہ میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تم اس کا جواب صحیح دو اور جھوٹ یا دروغ سے باز رہو۔ وہ بات یہ ہے کہ تمہیں آواز جوانی میں اپنے چچا زاد سے محبت تھی، وہ بھی تمہارے حسن و جمال پر فریفتہ تھا لیکن تمہارا والد نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا اس سے نکاح ہو۔ آخر کا تم دونوں ایک رات زنا کے مرتکب ہو گئے اور نتیجتاً تم حاملہ ہو گئیں۔ تم نے یہ راز حسب اپنی ماں سے کہہ دیا اور وضع حمل کی رات تمہاری ماں تمہیں باہر لے گئی۔ تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسے تم نے کپڑوں میں لپیٹ کر دیوار کے باہر پھینک دیا مگر تم اس کو دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتا آیا اور اس نے اس بچے کو منہ میں اٹھایا مگر تم نے ایک زوردار تھپڑ مارا جو اس بچے کے سر پر لگا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ تمہاری ماں نے اپنا آزار بند کھول کر اس کے زخم ایک کپڑے سے باندھ دیئے اور بچے کو چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں۔ پھر تمہیں علم نہیں کہ اس بچے پر کیا گزری۔ اس عورت نے کہا، یہ واقعہ بالکل درست ہے اور آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، لفظ بلفظ صحیح ہے۔ اب براہِ کرم

مجھے یہ بتائیں کہ اس نپتے کے ساتھ کیا گزری۔ آیا وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، خدا کی قسم جستم اس وقت اپنا شوہر بنا بیٹھی جو وہی لڑکا ہے جسے ایک سو راگر نے اٹھایا تھا اور وہ اپنے ساتھ لے جا کر پرورش کرتا رہا۔ وہ بڑا بوا تو کوفہ میں آگیا اور تمہارے ساتھ شادی ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں سے جماعت کرنے سے پہلے اس کے دل میں نفرت ڈال دی۔ عورت نے کہا، اگرچہ آپ کا فرمان اور بیان بالکل صحیح اور حق ہے۔ مگر پھر بھی مجھے کوئی ایسی دلیل چاہئے جس سے میں مطمئن ہو جاؤں۔ حضرت علی نے اس مرد کو بلایا اور حکم دیا کہ اپنے سر سے کپڑا اتارو اور اس عورت کو کھا کر اس کے سر پر نشانِ زخم دیکھ لو۔ اس عورت نے جب نشانِ زخم دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدموں پر گر گئی اور بیٹے کو ہاتھ سے پکڑ کر روانہ ہو گئی۔

ایک دفعہ کوفہ کے فواج کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس دفعہ دریائے فرات میں بڑی تلغیانی آئی ہے اور ہماری فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ میں ڈر رہے کہ پانی کا بساؤ شہر کو بھی اپنی پیٹ میں نہ لے لے۔ دعا فرمائیے کہ دریا کا پانی حد اعتدال سے آگے نہ بڑھے اور لوٹ جائے۔ لوگوں کی درخواست سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالم کا عطا کردہ جتہ پہنا۔ پیر ابن نبوتی بغل میں آیا، عنائے محمدی ہاتھ میں اور علامہ احمدی سر پر رکھا اور شہریوں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ دررکعت نماز ادا کی اور فرات کے کنارے پر کھڑے ہو کر اسی عرصے سے دریا کی طرف اشارہ کیا۔ ایک اشارے سے ہی ایک گز پانی اتر گیا۔ اسی طرح آپ نے تین بار کیا اور تین گز پانی نیچے چلا گیا۔ جب چوتھے گز تک نوبت آئی تو اہل شہر چلا اٹھے، یا حضرت اس سے کمتر نہیں ہرنا چاہئے نہیں تو ہم پانی سے محروم ہو جائیں گے۔

بی بی اسمائت علیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھے حضرت فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے اپنی شبِ عروسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا، مجھے اس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت ڈر آیا کیونکہ میں نے سنا کہ زمین بھی آپ کے ساتھ باتیں کر رہی ہے۔ صبح میں نے سرکارِ دو عالم سے یہ بات بیان کی۔ آپ سن کر سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سراٹھایا اور منہ مایا، فاطمہ! تمہیں پاکیزگی، نسب و نسل کی بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام غلامی سے فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ اپنی خبریں اسے سنا دیا کرے اور مشرق و مغرب کے

تمام حالات اسٹس پر واضح کر دے۔

حجاج بن یوسف جریر بن خالد اور شقی عقب تھا۔ اس نے اکثر صحابہ اور شیعیان حضرت علیؑ کو مروا دیا تھا۔ آخر کار حضرت قنبرؑ جو حضرت علیؑ کے وفادار اور جانثار خادم تھے کو طلب کیا اور پوچھا کیا قبر تم ہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! کیا تم حضرت علیؑ کے غلام ہو؟ اس نے کہا: میں اللہ کا غلام ہوں اور حضرت علیؑ میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا: اس کے دین سے توبہ کرو۔ قبر کتنے لگے؟ حضرت علیؑ کے دین سے کوئی بہتر دین دکھاؤ۔ حجاج نے گرج کر کہا، میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بتاؤ تمہیں کس طرح قتل کیا جائے۔ حضرت قنبر نے کہا: تمہیں اختیار ہے لیکن یاد رکھو جس اذیت سے تم مجھے قتل کرو گے اسی اذیت سے کل تمہیں قتل کیا جائے گا۔ مجھے تو میرے آقا حضرت علیؑ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تجھے وہ شخص قتل کرے گا جو روئے زمین کے بدترین ظالموں میں سے ہوگا۔ حجاج نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دورانِ سفر میدانِ کربلا میں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے اور روتے روتے اس وحشت ناک جھل سے گزرے اور کہتے جاتے تھے، خدا کی قسم یہاں ان کے اونٹ بیٹھیں گے۔ یہاں وہ قتل کیے جائیں گے۔ اجاب نے حضرت علیؑ سے پوچھا، یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ وہ جھل ہے جس میں ایسی قوم قتل کی جائے گی جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوں گے اور ان کے قاتل اللہ کی بارگاہ کے چٹکارے ہوں گے۔

جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے ساتھی قشتل کاٹکار جوئے تو آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے کھودا جائے۔ جب تھوڑی سی جگہ کھودی گئی تو نیچے چٹان نکل آئی۔ کوئی ہتھیار اس پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پتھر پانی کے منہ پر ہے۔ ہمت کر کے اسے توڑ دو۔ سپاہیوں نے بے پناہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار حضرت علیؑ اپنی اونٹنی سے اترے اور آستین پیٹ کر دو انگلیوں کے اشارے سے چٹان کو اکھاڑ پھینکا۔ پتھر کے نیچے سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ تمام نے پیا۔ سارا شکر سیراب ہو گیا۔ آپ نے وہی پتھر اس چشمہ کے منہ پر رکھ دیا اور مٹی سے بھر دیا۔ نزدیک ہی ایک عیسائی عبادت گزار دراجب رہتا تھا۔ آپ کے پاس دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا کیا آپ پتھر خدایں۔ آپ نے

فرمایا، نہیں! پھر پوچھا کہ آپ فرشتہ مقرب ہیں، کہا، نہیں۔ کئے لگا، پھر آپ کون ہیں، آپ نے جواب دیا، میرا نام علی ہے اور حضرت پیغمبر آخر الزماں کا بھائی ہوں اور میرا دین اسلام ہے۔ راسب کئے لگا، اپنا ہاتھ مجھے دیکھئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ راسب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے راسب سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے مسلمان ہونے اور بارے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اس نے بتایا یہاں ایک بہت قدیم بت خانہ ہے۔ اس بت خانہ کے بانی کی ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں مقام پر ایک چتر ہے جس پر ایک بڑا سا پتھر ہے۔ کوئی اس پتھر کو اٹھا نہیں سکے گا البتہ کوئی پیغمبر یا اس کا جانشین یہ کام سرانجام دے گا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ شخص کب آتا ہے۔ آپ نے پتھر اٹھایا، پانی پیا۔ میں سمجھ گیا جس شخص کی مجھے تلاش تھی آپ ہی ہیں۔ جب حضرت نے یہ بات سنی تو بڑے روئے جستی کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور فرمایا: الحمد لله الذی لم اکن عنده منیا وکنت فی کتبه مسطوراً۔

وہ راسب حضرت امیر کا غلام بن گیا اور شامیوں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ جب حضرت شاہ رسالت مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تو ایک صحرا سے گزر رہا تھا۔ مسلمان لشکر بڑا پیا سا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ سے نیچے اترے اور فرمایا: نزدیک ہی ایک کنواں ہے۔ مسلمانوں میں سے کون ہے جو اس کنویں کی طرف جانے اور پانی لائے۔ میں ایسے شخص کا جنت میں ضامن ہوں گا۔ ایک شخص اٹھا اور کئے لگا، یا رسول اللہ! میں جاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم نے چند آدمی اس کے ساتھ لگا دیئے اور مشکیزہ بردار بھی ساتھ بھیج دیئے۔ سلمہ ابن الاکوع کتے ہیں۔ میں بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ جب ہم اس کنویں کے پاس پہنچے وہاں بڑے میوہ دار درخت تھے اور بڑی دردناک آوازیں آرہی تھیں اور بڑی بری حرکات دیکھنے میں آئیں۔ نہیں بہت نہ ہوئی کہ وہاں سے گزریں۔ مجبوراً واپس آگئے اور واپس آکر صورتِ حال آنحضرتؐ کے گوش گزار کر دی۔ آپ نے فرمایا: یہ سب شیاطین کا کارنامہ ہے جو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اگر تم چلے جاتے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ ایک اور شخص اٹھا اور کئے لگا مجھے بھیجا جائے چنانچہ وہ بھی مشکیزہ برداروں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوا اور اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ رات آگئی اور لشکر پر پائیس کی شدت بڑھتی گئی آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالم نے

شارہ فرمایا تو آپ مشکیزہ برداروں کی ایک جماعت لے کر آگے بڑھے۔ سلم بن الاکوع کہتے ہیں کہ جب ہم شکر سے باہر آئے تو مشکیزے اٹھائے ہوئے اور تلواریں سنبھالے ہوئے حضرت علیؓ کو اللہ و جہنم کی قیادت میں آگے بڑھے۔ جب ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے تو وہی رشتہ ناک آوازیں اور ہولناک حرکات دیکھنے میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے بالکل توجہ زدوی اور پھر فرمایا: ڈرو نہیں دل مضبوط کر کے آگے بڑھتے چلو۔ تمہارا کوئی شخص کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم درختوں کے جھنڈ میں پہنچے تو آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور بے سرحم نظر آنے لگے۔ ان ہولناک آوازوں سے ہمارے دل ٹوٹ رہے تھے۔ حضرت علیؓ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھائے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم کنویں کے کنارے جا پہنچے۔ ہمارے پاس ایک ہی ڈول تھا۔ برائی بن مالک نے ایک ڈول کنویں میں پھینکا تو رستی ٹوٹ گئی۔ اور کنویں سے تہتہوں اور ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کوئی ایسا ہے جو شکر گاہ میں جا کر رستی لائے۔ ساتھی کہنے لگے: ہمارا تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ آخر کار حضرت امیرؓ نے فیصلہ کیا کہ خود کنویں میں اتریں۔ تہتہوں اور ہنسنے کی آواز تیز جوتی گئی۔ کنویں میں پہنچے تو آپ کے پاؤں پھسل گئے اور کنویں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص تفاق کے درو سے بڑ بڑا رہا ہے۔ آپ نے یہ آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر اتنا عبد اللہ الخ رسول اللہ کہا اور ہمیں آواز دی کہ مشکیزے کنویں میں پھینک دیئے جائیں۔ جب ہم نے پھینک دیئے تو آپ نے پانی سے بھر لیا اور باہر لے آئے۔ چنانچہ خود وہ مشکیزے اور سب کو ایک ایک مشکیزہ دیا۔ راستے میں کوئی شور و غوغا نہ تھا البتہ غیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترانے سنانے سے رہے تھے حتیٰ کہ شکر گاہ میں آگئے۔ حضرت علیؓ نے تمام واقعات حضورؐ کے گوش گزار کیے۔ آپ نے قسم فرمایا اور کہا:

ایں کار از تو آید و مرداں چیں کنند!

الحمد للہ تمہیں فتح ہوئی اور جنوں کے جنگ سے منہ نہیں پھیرا۔

خدا نے قدوس نے دوبار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاسداری کے لئے سورج کو اٹا دیا تھا اور آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ ایک دفعہ تو عہد رسالت میں بحالت نزول وحی سورج واپس آیا جبکہ آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی

تو آپ کو پریشان پایا۔ آپ نے فرمایا، کیا تم نے نماز ادا نہیں کی، عرض کی، اشارے سے ادا کر لی۔ میرے خیال میں یہ خلافِ ادب تھا کہ آپ کے سر مبارک کو زانو سے ہٹاتا۔ حضورؐ نے سنتے ہی درگاہِ الہی میں التجا کی، اے اللہ! علیؑ نے نماز ادا نہیں کی سورج کو لوٹا دیا جائے۔ ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سورج مغرب سے چمکا۔ اس کے پر تو کوہِ ودشت پر پڑنے لگے۔ حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔ اس دن غروبِ آفتاب کے وقت ایک دشت ناک آواز سنائی دی۔

دوسری دفعہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک بار حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ باہل کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دریائے فرات عبور کرتے وقت دیکھا کہ نمازِ عصر قضا ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ نمازِ عصر ادا کر لی۔ لیکن دوسرے اجاب جو اسباب و مال کو لے جانے میں مشغول تھے، نماز ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ لوگ حیران و پریشان آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ پھر طلوع ہو جائے۔ اس وقت سورج سے ایک ہونناک آواز سنائی دی۔ یہ تمام تسبیح و تہلیل کی آوازیں تھیں۔

ایک دفعہ حضرت امیر کے ایک سپاہی پر اس بات کا الزام لگا کہ وہ لشکر کی خبر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچاتا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا، اگر تم سچے ہو تو قسم کھاؤ۔ اس نے فوراً قسم کھالی۔ آپ نے فرمایا، تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں اندھا کرے۔ ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ اندھا ہو گیا۔

ایک دن حضرت علیؑ نے حاضرینِ مجلس کو قسم دلائی کہ جس نے حضرت رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے کہ من كنت مولاً فعلی مولاً۔ وہ اس مجلس میں گواہی دے۔ وہ میری خاطر دروغ بیانی نہ کرے۔ چنانچہ حاضرینِ مجلس میں سے بارہ اشخاص نے اٹھ کر گواہی دی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجلس میں موجود تھا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے

سنا تھا مگر خاموش رہا اور گواہی نہ دی۔ آپ نے اسے مخاطب فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! تم واقف ہوتے ہوئے چُپ رہے اور سچی گواہی نہیں دی۔ اس نے کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرا حافظہ کام نہیں کرتا۔ یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ یہ بات سنتے ہی آپ نے فرمایا، اللہ! اس شخص نے دیدہ و دانستہ حق کو جھپایا ہے اسے سزا دے۔ وہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اس کے علاوہ چند اور لوگ بھی تھے جنہوں نے دیدہ و دانستہ گواہی نہ دی اندھے ہو گئے ایسے لوگوں میں سے زید بن ارقم بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور گواہی نہ دی۔ میری آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔ میں اس شہادت سے محرومی پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر بیٹھے فرما رہے تھے: میں اللہ کا بندہ ہوں! رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ وارث نبی رحمت ہوں۔ سیدۃ النساء فی الجنۃ کا خاوند ہوں اور دنیا کے ولیوں کا امام ہوں۔ جو میرے اس دعویٰ پر شک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کسی برائی میں گرفتار کرے گا۔ ایک شخص اسی مجلس سے اٹھا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو یہ باتیں کرتا ہے۔ کتے ہیں: اسی وقت وہ دیوانہ ہو گیا اور لوگوں نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر کیا۔ جب تک زندہ رہا، مجنوں اور دیوانہ رہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی فریادری کے لئے کہا تو انہوں نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان لوگوں پر ایسا حاکم مسلط کر دے جو ان پر رحم نہ کرے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اسی رات پیدا ہوا اور اس کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر جو کچھ گزری وہ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں۔

ایک دن امیر معاویہؓ حاکم شام نے چاہا کہ مجھے اپنی عاقبت کا علم ہو جائے۔ حاضرین مجلس نے کہا: اس معاملہ میں آپ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ وہ کہنے لگا: میں یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کروں کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے تین خاص معتدین بلائے اور کہا میں کوفہ میں چلے جاؤ۔ جب کوفہ ایک کو س رہ جلنے تو علیحدہ علیحدہ ہو جانا اور ہر ایک دوسرے کے بعد کوفہ میں داخل ہونا اور میری موت کی

خبر لوگوں کو پہنچا دینا۔ لیکن ہر ایک شخص میری بیماری، موت کے واقعات، وقت اور حالات میں متفق البیان رہے۔ چنانچہ تینوں حضرت معاویہؓ کے بتائے ہوئے طریقوں سے چلے گئے۔ سب سے پہلے ایک شخص شہر میں آیا اور حضرت معاویہؓ کی موت کی خبر سنائی۔ لوگ اسے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ اپنی زبانی موت کی خبر سنا لیں۔ آپ نے اس پر توجہ نہ دی۔ جب دوسرا شخص شہر میں داخل ہوا۔ اس نے بھی یہی خبر بیان کی۔ تیسرے روز تیسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ کے اجاب نے آپ سے کہا: یا حضرت! تینوں آدمی حلفاً ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں مگر آپ پر کچھ اثر نہیں ہے۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا: خدا کی قسم! معاویہؓ اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک میرے معامن میرے خون سے رنگین نہ کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی تو خوش ہو گیا اور کہنے لگا: حضرت علیؓ کی شہادت مجھ سے پہلے ہوگی۔

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ ایک دن دینہ کے بازار میں چند یہودی بیٹھے تھے۔ وہ حضرت علیؓ کو اللہ و جہنم کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک مسلمان سائل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں ٹھوکا ہوں، مجھے کچھ کھانے کو دیکھئے۔ یہودیوں نے اذہ مذاق کہا: تم مسلمان ہو، دین محمدؐ میں داخل ہوئے ہو۔ علی شاہ مروان کے پاس چلے جاؤ۔ جو چاہو گے پاؤ گے۔ ابھی سائل نے جواب نہ دیا تھا کہ دو۔ سے حضرت علیؓ آتے دکھائی دیئے۔ وہ کہنے لگے: ان کے پاس چلے جاؤ اور سوال کرو۔ سائل وہاں سے بٹ کر حضرتؓ کے پاس آیا اور اپنی داستانِ غم بیان کی اور یہودیوں کے طعنوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ خیال کیا کہ ان یہودیوں نے تمسخر اڑایا ہے۔ میرے پاس سائل کو بھیجا ہے۔ مجھے افسوس ہو گا اگر خالی لوٹا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانچ بار عسلۃ خمسہ پڑھی اور سائل کے ہاتھ پر دم کر دیا۔ پنجرہ بند کر دیا اور کہا: جاؤ اور یہودیوں کو دکھاؤ۔ وہ اسی طرح پنجرہ بند کئے یہودیوں کے پاس گیا۔ جب کھولا تو اس میں سونے کے پانچ دینار تھے۔ حیران ہو کر دوڑے دوڑے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گئے اور مسلمان ہو کر ہدایت یافتہ ہو گئے۔

عادت نامی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شواہد النبوت میں فرماتے ہیں: ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ تمام مخلوق میدانِ حشر میں جمع ہے میں نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر کے کنارے تشریف فرما ہیں اور حضرت حسینؑ و ابیہیں بائیں کھڑے ہیں اور مخلوقِ خدا کو پیالے بھر بھر آبِ کوثر پلا رہے ہیں۔ میں بھی آگے بڑھا اور پانی کی درخواست کی۔ فرمایا، آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر پانی نہیں مل سکتا۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہیں ہمارے حوضِ کوثر کا پانی نصیب نہیں۔ تمہارے ہمسایہ میں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو حضرت علیؑ کو برا کہتا ہے۔ مگر تم منع نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا، حضور مجھے ڈر ہے کہ اسے منع کروں تو وہ مجھے قتل نہ کر دے۔ یہ سن کر حضور نے نبل سے ایک تیز چھری نکالی اور مجھے دی اور فرمایا: یہ لے جاؤ اور اس دشمنِ علیؑ کا کام تمام کر دو۔ میں اسی وقت چھری لے کر آیا اور اس دشمنِ مولا علیؑ کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کا حال آنحضرتؐ کی خدمت میں سنایا۔ آپ نے فرمایا، حسینؑ! یہ محبِ علیؑ ہے اسے آبِ کوثر دے دو۔ اس نے حقِ محبت ادا کر دیا ہے۔ میں نے حضرت حسینؑ کے ہاتھ سے ایک پیالہ پانی لیا۔ مگر مجھے یاد نہیں، پی سکا یا نہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔ تمام رات اس خواب کی دہشت سے کروٹیں لیتا رہا۔ صبح ہوئی تو باہر شور برپا تھا کہ فلاں شخص کو کسی نے بستر میں ہی قتل کر دیا ہے۔ صبح پولیس آئی اور بے گناہ ہمسایوں کو گرفتار کر لیا۔ میں نے کہا، سبحان اللہ! یہ کیسا خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے اور اللہ نے اسے سچ کر دکھایا۔ اب بے گناہ ہمسائے گرفتارِ مصیبت ہو گئے ہیں۔ انہیں بے گناہ قید و بند میں رکھنا دین کے خلاف ہے۔ میں اٹھا اور قاضی شہر کے پاس گیا اور اقرار کیا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ دوسرے لوگ بے گناہ ہیں انہیں رہا کر دیا جائے۔ رات کا سارا واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا، تم بھی اس مقدمہ میں بے گناہ ہو، مقتول اپنے جرم کی سزا کو پہنچ گیا ہے۔

امامِ ستغفیری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک بدنام آدمی حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بددعا کی۔ ایک دن وہ شخص اونٹ پر سوار مسجد میں آیا۔ اونٹ کو دروازے پر کھڑا کر کے ایک مجلس میں آ بیٹھا۔

اسی اثناء میں اونٹ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجلس میں آگھسا اور اس شخص کو اٹھایا اور اپنے سینے کے نیچے رکھ کر دبائے لگا اور اس کی بڑی پسلی ایک کر دی۔ اس طرح وہ واصلِ جہنم ہوا۔

سید کونین حضرت امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے: جب ابراہیم بن ہشام سلطنت شام کی طرف سے حاکم مدینہ مقرر ہو کر آیا تو اس نے عہد کے دن شہر کے ایمان کو جمع کیا۔ مجھے بھی منبر کے سامنے بٹھایا اور خطبہ کے بعد میرے والد محترم کے حق میں بے ہودہ الفاظ کہنے لگا۔ میں نے اس کی لاطائل باتیں سنیں اور صبر و سکون سے بیٹھا رہا۔ ایک دن میں منبر کے پاس ہی بیٹھا تھا اور بیٹھے بیٹھے مجھے نیند نے آیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں رسول پاکؐ کے روضہ اطہر کے سامنے کھڑا ہوں آنحضرتؐ کی قبر مبارک پھٹ گئی اور ایک سفید کپڑوں میں لپوس شخص نکلا اور کہنے لگا: اے ابا عبد اللہ! تمہیں ہشام نافرجام کی باتیں ناگوار تو نہیں گزرتیں۔ میں نے کہا، میں مجبوراً سُن لیتا ہوں اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ فرمایا: آنکھیں کھولو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ ہشام ابھی تک منبر پر بیٹھا بد زبانی کر رہا ہے۔ تقریر مکمل کر کے اٹھا۔ چاہا کہ منبر سے نیچے اترے لیکن اس کا پاؤں پھسلا، گردن ٹوٹ گئی اور واصلِ جہنم ہوا۔

حضرت علیؑ کی وفات کے چند سال بعد ایک سیاہ دل کا فرمزہ بن قیس نامی نجف اترتے آیا۔ اس شخص کے آباؤ اجداد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ ایک رات وہ آپ کے روضہ پاک میں گھس گیا اور روضہ پاک کے تعویذ سے آپ کی نعش مبارک باہر لانے لگا ابھی مزار پر انوار پر کوئی گزند نہ پہنچی تھی کہ قبر سے دو انگلیاں اٹھیں اور ایک ضرب کاری حیدری نے اس کا سر ظلم کر دیا۔ صبح مجاوروں نے دیکھا کہ اس کی لاش روضہ اطہر کے پاس پڑی ہوئی ہے، اس کے بعد بڑی احتیاط برتی جانے لگی۔ ابھی تک روضہ پاک کے پاس انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک سوراخوں میں قیمتی موتی جڑاؤ کر دیئے۔ ان موتیوں کو یا قوت حسین کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھ خلفائے تھے۔ امیر المومنین حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ،

حضرت کیل، خواجہ اویس قرنی، قاضی عبدالقلام شریح بن ہانی، زید المحارثی، خواجہ حسن بصری، دشوان اللہ علیہم اجمعین۔ فقراٹے عظام اور مشائخ ذوی الاکرام کے تمام سلسلہائے تصوف

اسی واسطے سے جاری ہوئے اور روئے زمین پر یہ سلسلے پھیلے۔

آپ کی وفات قبل صبح تاریخ ۱۷-۱۸ رمضان المبارک ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ بعض کتابوں میں ۲۱-۲۲ رمضان بھی لکھی ہے۔ آپ نے عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھوں جاہم شہادت نوش کیا۔ آپ کی عمر مبارک ۶۲ سال تھی۔

تاریخ وفات

مرثیٰ شاہ علی مظہر انوار حبلی
 زاہد پاک چو تاریخ و عاشق جشم
 خاندین نی یافت از و آبادی
 از خرد یاد مذاگشت کہ ہادی ہادی

۶۔ امیر المؤمنین حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد۔ لقب تقی اور سید تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں دار رمضان ۳- ہجری کو ہوئی۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کا نام نامی ایک ریشی کڑے پر طلائی حروف میں لکھ کر حضرت شاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ اس فرزند دلبند کا نام حسن رکھا جائے۔

صحیح اقوال میں سے ثابت ہوا ہے۔ امام حسنؑ سینے سے سر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؑ کو اپنے کندھے پر بٹھایا تھا اور قسم کھا رہے تھے کہ یہ شبیبہ رسول مقبولؐ کی شبیبہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سن کر مسکرا رہے تھے۔

حضرت امام حسنؑ نے کھپٹی جج پاپادو کئے۔ ایک دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؑ آپ کی گود میں تھے اور فرماتے تھے میرا یہ بیٹا سید ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وساطت سے امت کے دو بڑے گروہوں کو یکجا کر دے گا۔ یہ اشارہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؑ کی صلح کی طرف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعیان علیؓ اور فرقہ معاویہؓ کے درمیان شدید اختلاف ہوا تو حضرت حسنؑ خلافت سے

دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور چند شرائط کے ساتھ ایک عہد نامہ لکھ دیا۔
 شواہد النبوت کے مصنف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ حضرت ابو سہریدہ رضی اللہ عنہ
 کی روایت سے لکھتے ہیں، ایک رات حضرت حسنؓ جناب رسالتآب کے پاس سوئے ہوئے تھے
 جب رات کا ایک حصہ گزرا تو آپ نے حضرت حسنؓ کو فرمایا، اب اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔
 میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر حکم ہو تو رات کے اندھیرے میں ساتھ جاؤں۔ آپ نے
 فرمایا: نہیں میرا بیٹا تنہا جلے گا۔ چنانچہ آسمان سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور حضرت حسنؓ
 اس روشنی میں گھر پہنچ گئے۔

ایک دفعہ حضرت حسنؓ حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔
 رات کو ایک خشک کھجور کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ ابن زبیرؓ نے کہا: کاش یہ درخت کھجوروں
 سے پُر میوہ ہوتا اور ہم کھاتے۔ آپ نے فرمایا: تم کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔
 آپ نے دعا کی اور درخت کھجوروں سے بھر گیا۔ ایک شتربان نے دیکھ کر کہا: واہ کیا جادو
 ہے۔ فرمایا: جادو نہیں یہ دماغے حسنؓ ہے جو کبھی رت نہیں ہوتی۔ چنانچہ لوگ درخت پر چڑھ گئے
 اور اتنی کھجوریں آتاریں کہ سارا قافلہ سیر ہو گیا۔

کہتے ہیں، خلافت معاویہؓ کے دوران حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ اپنے بیٹے یزیدؓ کو
 اپنا جانشین بنا دے لیکن باہمی صلح کے شرائط نامہ کے ہوتے ہوئے یہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔
 تا وقتیکہ حضرت حسنؓ زندہ ہیں۔ چنانچہ معاویہؓ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور آپ کی ایک
 منکوحہ کی وساطت سے آپ کو زہر کھلا دیا گیا۔ آپ اس زہر ہلا بل کے صدمہ سے واصلِ بقی ہوئے۔
 آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا اور شاہوں نے سب سے
 پہلے بیعت کی۔ اس کے بعد مکہ والے، پھر مدینہ والے بھی بادلِ نخواستہ بیعتِ یزید پر
 آمادہ ہو گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسنؓ کو زہر خورانی میں حضرت معاویہؓ کا ہاتھ نہیں تھا۔
 یہ کام صرف یزیدؓ کی سازش سے طے پایا تھا لیکن شواہد النبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ زہر خورانی
 کا فیصلہ معاویہؓ نے کیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آپؐ اداؤل ماہ ربیع الاول بروز جمعرات ۵۰ھ میں اس وار پُر ازال سے قہرب ایزد
متعال پہنچے۔

آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپؐ کے
پاس تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور کہتے تھے: اے جانِ حسینؑ! مجھے بتاؤ تمہیں
کس نے زہر دیا؟ تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں اور اسے قصاص میں قتل کروں۔ آپؐ
نے فرمایا: اگر میرا قاتل وہ شخص ہے جس پر مجھے شک ہے تو خاتمی حقیقی اس سے ضرور
انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں تو میں ایک بے گناہ کو قتل کرانے کو تیار نہیں۔ خدا کی قسم حسن کی
جان تو دستِ قدرت میں ہے۔ قیامت کے دن مجھے انتقام لینے پر مامور کیا جائے گا لیکن
میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے قاتل کو بخیرانہ نونوں گا۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو پیا میں دیں

حضرت حسنیؑ کو زندگی میں چھ بار زہر دیا گیا لیکن کبھی کارگر نہ ہوا۔ ساتویں بار اذا جاد اجلہم
لا یتاخرون ساعة ولا یتقدمون کے پیش نظر خاتمی حقیقی سے جا ملے۔

تاریخ وفات:

چوں محب جناب نبوی بود بس محب است سالِ رحلت آن
نیز گو سالِ رحلت آن شاہ! ماند بے یار سہ لبر دوراں

۷۔ امیر المؤمنین سید ائین حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپؑ کی کنیت ابی عبد اللہ، ابو الاممہ اور لقب شہید، سید، سید الشہداء تھا۔ آپؑ
اندر اثنا عشریہ کے تیسرے امام تھے۔ آپؑ کی ولادت مشکوار چہارم ماہ شعبان ۳ یا ۴ ہجری کو
مدینہ پاک میں ہوئی۔ آپؑ صرف چھ ماہ والدہ کے پیٹ میں رہے۔ اتنی مدت میں آج تک
کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف حضرت کچی علیہ السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاد
سے آپؑ کا نام حسین رکھا گیا۔ آپؑ اتنے باجمال تھے کہ جب تاریکی میں بیٹھے تو آپؑ کی پیشانی

marfat.com

Marfat.com

اور رخصتوں کی روشنی سے راستے منور ہو جاتے تھے۔ آپ سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ
 پریم رسول ہاگت تھے۔ حضرت رسول خدا فرمایا کرتے تھے: حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے
 ہوں۔ اللہ اس کو اپنا محبوب رکھے گا جو حسینؑ سے محبت کرے گا اور اسے خوار کرے گا جو حضرت
 حسین سے نفرت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرات حسن اور حسین آنحضرت کے سامنے صحن میں کشتی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم حضرت حسن کی حوضہ افزائی فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمہ الزہراءؑ نے عرض کی: یا رسول اللہ
 آپ بڑے بیٹے کو فرما رہے ہیں چھوٹے کو گرانے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: جبریلؑ حسین کو
 کہہ رہے ہیں کہ حسن کو گراؤ۔ اس لیے مجھے حسن کی طرف ذاری کرنا پڑی۔

ام الحادوث نے حضرت رسول خدا کی خدمت میں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے
 جس سے مجھے سخت دہشت آئی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا دیکھا۔ کہنے لگی: لوگوں نے آپ کے
 جسم کا ایک حصہ کاٹ لیا اور میری گود میں رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: یہ خواب بڑی اچھی ہے۔ فاطمہ
 کے ہاں بنیا پیدا ہوگا جو تم اپنی گود میں لے لوگی۔ پیدائش کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سرکار دو عالم حضرت حسینؑ کو اپنی دائیں ران پر بٹھاتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت
 ابراہیم کو بائیں ران پر۔ اسی حالت میں ایک روز حضرت جبریلؑ حاضر ہوئے اور پیغام
 خداوندی سنایا کہ ہم دونوں کو آپ کے پاس جمع نہیں ہونے دیں گے ایک کو اٹھایا جائے گا۔
 اب آپ کی مرضی ہے جسے چاہیں رکھیں۔ آپ دل میں بڑے فکر مند ہوئے اور سوچا کہ اگر
 حسین فوت ہو گئے تو حضرت علیؑ، فاطمہ اور خود مجھے بڑا صدمہ ہوگا لیکن اگر ابراہیم فوت ہوئے
 تو صرف مجھے صدمہ ہوگا۔ چنانچہ مجھے اپنا صدمہ گوارا ہے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ حضرت علیؑ و
 فاطمہؑ غمگین رہیں۔ غرضیکہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم واصل بحق ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 اپنے گھر سے باہر چلے گئے اور کافی دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ جب آپ واپس آئے،
 آپ کے بال پریشان، غبار آلود اور خود تھکے تھکے دکھائی دیتے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں کوئی
 چیز تھی۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ اور آپ اس حال میں کیوں ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ آج مجھے عراق کے ایسے مقام پر لے جایا گیا جسے کربلا کہتے ہیں۔ یہ جگہ میرے حسینؑ کا مقبل ہوگی۔ مجھے اپنی اولاد کے دوسرے افراد بھی دکھانے گئے۔ میں اس زمین پر پڑا ہوا خون اکٹھا کر کے لے آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ کھول کر مجھے فرمایا: اس سرخ مٹی کو اپنے پاس محفوظ رکھ لو۔ میں نے حضورؐ کے ہاتھ سے لے کر ایک شیشی میں بند کر لی اور اس کے مسند کو محکم کر کے بند کر لیا۔ جب حضرت حسینؑ ابن علیؑ سفر عراق کو روانہ ہوئے اور اس شیشی کو ہر روز باہر لاکر دیکھا کرتی تھی اور روتی تھی۔ محرم کی دسویں تاریخ کو شام کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ مٹی خون بن گئی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آج حسینؑ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت کبلی علیہ السلام کے قتل کے جرم میں ستر ہزار انسانوں کو قتل کر دیا تھا۔ آپ کے بیٹے حسینؑ کے خون ناحق کے بدلے میں ستر ہزار سے ڈگنے انسان قتل کراؤں گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے ایسا ہی ہوا۔

روایات صحیحہ میں لکھا ہے کہ قاتلان حسینؑ میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جسے موت سے پہلے دردناک مصائب اور ابتلاء میں نہیں ڈالا گیا۔ اور ہر شخص بدترین طریقہ سے ہلاک ہوا۔ ہرموزی کا انجام تفصیلی طور پر تاریخی کتابوں مثلاً روضۃ الصغار، حبيب السیر وغیرہ میں تحریر ہے۔

قاتلان حسینؑ اور عبداللہ بن زیاد کے سر ہانے پر یہ کہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں لائے گئے تو بہت بڑا ہجوم مسجد میں آگیا۔ اچانک ایک کونے سے شور اٹھا، سانپ سانپ !! وہ سانپ دیکھتے ہی دیکھتے عبداللہ بن زیاد کے نکتھے میں گھسا اور باہر آیا اور دوسرے سروں پر لہراتا رہا۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا جو لوگوں نے دیکھا۔

سمرقندی الجوشن (قاتل حضرت حسینؑ) کو بلا سے کچھ زیورات بھیہ سادات سے اٹھا لایا تھا۔ کچھ زیورات تو اس نے اپنی لڑکی کو دے دیئے۔ اس عورت نے ان زیورات کو از سبب نو بنانے کے لیے جب آگ میں ڈلوا یا تو وہ سارے زیور خاکستر بن گئے۔ جب وہ ٹھنڈے ہوئے تو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ چاندی ہے یا پتیل۔ جب یہ صورت حال سمرقندی کو بتائی گئی تو اس نے سارے زیور سار کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ میرے سامنے اسے کٹھالی میں گالا جائے۔

دیکھتے دیکھتے وہ زیورات بھی بیکار وحالت بن گئے۔
 قاتلانِ حسینؑ نے کربلا سے اہل بیت کے چند اونٹ ذبح کئے اور انہیں پکایا۔ لیکن گوشت
 اتنا کڑوا تھا کہ کوئی بھی کھا نہ سکتا تھا۔

تاریخ شہادت شاہِ ولایت سیدِ کونین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دسویں محرم الحرام
 ۶۰ھ ہے۔ جمعہ کا دن تھا اور ظہر کا وقت تھا۔ میدانِ کربلا میں شہادت واقع ہوئی۔ بعض مورخین نے
 ۶۱ھ بھی لکھی ہے۔ آپ کے ساتھ بہتر و دوسرے جاں نثار بھی شہید ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ
 آپ کے بھائی، بھتیجے اور دوسرے عزیز بھی تھے جو پیاسے، بھوکے اور بے سرو سامانی نہیں
 آپ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

ماندستگارِ بد روزگار
 بماند برو لعنتِ پایدار

تاریخ وفات :

سالِ تحویل سیدِ الثقلین	ہست ہم آخرین و حرفِ حسین
گفت دل رفت از زمین والی	سالِ تحویل سیدِ عالی
زیب آفاق رفت از دوراں!	سالِ وصلش عجب شد است عیاں
زبدہ دین برفت از عالم!	کن رقم ہم باختلاف رستم
از سر سرور آمدہ است عیاں	سالِ تاریخ سرورِ دوراں!

۸۔ حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اثنا عشر کے چوتھے امام تھے۔ کنیت ابو محمد، ابو الحسن، ابو بکر۔ لقب سجاد،
 زین العباد تھا۔ آپ مدینہ پاک میں ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے سالِ پیدائش
 ۳۶ھ بھی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو دختریزدجر شاہ ایران تھیں۔

حضرت مولانا جامی اپنی تصنیف شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین

marfat.com

Marfat.com

ایک رات نماز تہجد ادا فرما رہے تھے کہ شیطان لعین اثر و ہاکی شکل میں نمودار ہوا تاکہ آپ ڈر کر نماز ترک کر دیں لیکن آپ نے پروا نہ کی۔ ساتھ آپ کے پاؤں پر پہنچا اور ایک زہریلا ڈنگ چلایا۔ لیکن حضرت امام شہید درود کے باوجود یہی ترک نماز پہنچا مادہ نہ ہوئے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ پر مشکف فرمایا کہ یہ تو شیطان ہے۔ آپ نے لاجل پڑھ کر اس کے منہ پر مارا تو وہ غائب ہو کر ہوا میں اڑ گیا۔ اس کے جانے کے بعد غیب سے آواز آئی: لین العابدین! اسی دن سے آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا۔

آپ نماز ادا کرنے کے لیے جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: تم دنیاوی ماکوں کے تصور جاتے ہوئے کانپتے ہو۔ میں حکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہوئے کیوں نہ ڈروں۔

ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مکان کے ایک گوشے میں آگ بجڑک اٹھی۔ آپ نماز میں مشغول و معرُوف رہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا اور چلاتے رہے: یا ابن رسول! آگ آگ!! لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔ جب آگ بجھ گئی، آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے اصحاب و اعزہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نماز میں اس قدر کیوں محو رہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس آگ کی نسبت دوزخ کی آگ کا زیادہ خیال ہے۔

زہری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت امام کو قید میں ڈالا اور پابجولاں کر دیا اور نگہداشت کے لیے سخت ترین پہرہ بٹھا دیا۔ میں از رو عقیدت و محبت جیل خانے کے دروازے پر گیا اور پہرے داروں سے منت سماجت کر کے آپ سے ملاقات کی اجازت لی۔ آپ کو اس حالت میں دیکھا تو میرا دل بے قرار ہو گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ میں نے کہا: کاشکے میں آپ کی جگہ قید ہو جاتا اور آپ کو آزاد کیا جاتا۔ آپ نے غصے کر فرمایا: قید و بند، زہر خوری اور قتل و شہادت تو ہمارا موروثی حصہ ہے۔ ان مصائب میں ہماری ولایت کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کے طوق اور ہاتھوں کی زنجیریں اور یہ مصائب ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں دور پھینک دیں۔ یہ کتنا ہی تنہا کہ آپ کی ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ بیڑیاں علیحدہ ہو گئیں اور طوق گر پڑے۔

اور آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا: جن تکالیف سے تم ڈر رہے ہو وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم خوش بخوش چلے جاؤ۔ میں نے قدم چڑھے اور واپس آگیا۔ ابھی چار روز گزرے تھے کہ خبر مشہور ہوئی: حضرت زین العابدین جیل سے زنجیریں اور پٹیریاں توڑ کر نکل گئے ہیں۔ جیل کے پہرے دار آپ کو تلاش کرتے رہے مگر نہ پاسکے۔ چند دن بعد میں عبد الملک بن مروان کے پاس گیا۔ اس نے حضرت زین العابدین کے حالات دریافت کرنا شروع کئے۔ میں نے کہا: وہ سید اور حضرت رسول اللہ کی اولاد پاک میں سے ہیں۔ عبد الملک نے کہا: وہ ہماری جیل میں تھے مگر وہاں سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسی دن میں نے اپنے زنا نہ کروں میں جہاں کسی غیر کا گزر نہیں آپ کو دیکھا۔ آپ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ میں اسی وقت سے چاہتا تھا کہ آپ سے بات کروں مگر دہشت کی وجہ سے بول نہ سکا۔

ایک دن حضرت امام زین العابدین اپنی اولاد کے ساتھ تفریح طبع کے لیے صحرا کی طرف تشریف لے گئے۔ وہیں دسترخوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے۔ ایک برن پاس سے گزرا۔ آپ نے برن کی طرف منہ کر کے کہا۔ میں علی ابن حسین ہوں۔ فاطمۃ الزہراء کا نور نفس ہوں۔ تم آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ برن اسی وقت پاس آگیا۔ تھوڑا سا کھانا کھایا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک غلام نے عرض کی، یا حضرت! اس برن کو آپ دوبارہ بلائیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اسے پناہ دو اور تکلیف نہ پہنچاؤ تو دوبارہ بلا لیتا ہوں۔ غلام نے قبول کر لیا۔ آپ نے زور سے کہا: اے برن! میں علی ابن حسین ہوں، میری ماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ تم لوٹ آؤ اور ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ وہ برن آیا اور پاس آکر کھانا کھانے لگا۔ آپ کے غلاموں میں سے ایک نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ بھاگ کر جنگل میں چلا گیا۔ آپ اس غلام سے سخت خفا ہوئے اور فرمانے لگے: تم نے میری پناہ کو نقصان پہنچایا ہے آئندہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کے بعد اس غلام سے ہمکلام نہیں ہوئے۔

ایک دن حضرت امام اپنے احباب کے ساتھ ایک صحرا میں بیٹھے تھے۔ اچانک ایک

برنی سامنے آئی اور اپنا منہ زمین پر رکھ کر فریادی ہوئی۔ حاضرین نے پوچھا، یا حضرت یہ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ کتسی ہے کہ فلاں قریشی نے گل میرے بچے کو پکڑ لیا ہے۔ میں اسے گل سے دودھ نہیں پلا سکی۔ اگر آپ اس بچے کو دودھ پلانے کی اجازت لے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا اور اس قریشی کو برنی کے بچے سمیت طلب کر لیا۔ جب وہ آیا تو برنی نے اپنے بچے کو دودھ پلا دیا۔ حضرت امام اس شخص کو مخاطب کر کے فرماتے گئے: اگر تم چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے بچے ظلم و ستم سے ہمیشہ بچے رہیں تو اس بچے کو آزاد کر دو۔ تاکہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ اس نے یہ بات قبول کر لی۔ چنانچہ اپنے بچے کو لے کر برنی صحرا کو چلی گئی اور بلند آواز سے کچھ کتسی جاتی تھی جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہتی ہے۔ حاضرین نے حضرت امام سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ کتسی تھی، جزاك الله في الدارين خيرا۔

جب حضرت زین العابدین فوت ہوئے تو آپ کی سواری والی اونٹنی آپ کے مزار پر آئی۔ اور زمین پر سر رکھ کر رونے لگی۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے کہا: اٹھو! اللہ تجھے برکت دے۔ لیکن اونٹنی نے سسرناٹھایا اور روتی چلی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو اپنے مالک کے پاس چلی جائے۔ چنانچہ دو دن کے بعد وہ اونٹنی مر گئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت محمد بن حنفیہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ سے بڑا ہوں، منصب امامت میرا حق ہے آپ کے پاس جتنے تبرکات یا اسلمہ از رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں، دے دو۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ آپ بڑے ہیں لیکن منصب امامت تو اہل بیت رسالت کا ہی حق ہے۔ خدا سے ڈرو اور جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کے دعویدار نہ بنو۔ محمد بن حنفیہ نے ایک نہ سنی اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا۔ آخر کار حضرت امام زین العابدین نے فرمایا: آؤ میں اور تم کسی ایسے حاکم کے پاس چلتے ہیں جو فیصلہ کر دے گا کہ یہ حق کس کا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ کون حاکم ہے جو میرے اور آپ کے منصب کا فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا: حجر الاسود۔ چنانچہ دونوں خانہ کعبہ میں آئے۔ حضرت امام نے فرمایا۔ چونکہ تم مدعی ہو، اپنا دعویٰ حجر الاسود کے سامنے پیش کرو۔ محمد بن حنفیہ نے اپنا دعویٰ حجر الاسود کے

سامنے پیش کیا لیکن کچھ جواب نہ آیا۔

پھر حضرت امامؑ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور حجر الاسود کو مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے حجر الاسود! بذکاءِ خدا کے موافق کاتو امانت دار ہے۔ تم فیصلہ دو کہ حضرت حسین کے بعد امامت و ولایت کا ہم دونوں میں سے کون حق دار ہے۔ جب آپ نے بات ختم کی تو حجر الاسود زور سے بلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے نکل آئے گا۔ پھر فصیح زبان میں کہا: اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت باطنی کا حق تو زین العابدین کو دیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔

محمد بن حنفیہ یہ فیصلہ سنتے ہی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک مرد اور ایک عورت نے حجر الاسود کو بوسہ دینے کے لئے ہاتھ لگائے تو وہیں چپٹ گئے۔ ساری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ہاتھ علیحدہ نہ ہو سکے۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اسی آثار میں حضرت زین العابدین تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت مہلانے مصیبت ہیں۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر ہاتھوں پر ہاتھ ملا، فوری طور پر علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے موقع پر حضرت سید زین العابدین کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ جریر بن کامل الاسدی جو قاتلان حسینؑ ہیں سے تمہارا کس حال میں ہے؟ میں نے بتایا اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا: اللہم اذقہ نار الحدید (اے اللہ اس پر آتش دوزخ مسلط کر، جب میں کوفہ میں واپس آیا ان دنوں مختار بن عبید نے علم بغاوت بلند کیا تھا چونکہ وہ میرے واقعہ تھے میں نے اسے چلا گیا وہ راستے میں ہی مل گئے۔ ہم دونوں اکٹھے جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اس مقام پر جریر کو حاضر کیا گیا۔ مختار کہنے لگا: اے قاتل حسینؑ! الحمد للہ تم میرے قابو آ گئے ہو۔ اسی وقت جلاد کو حکم دیا کہ اس قاتلِ طبیعت کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ پھر اس نے آگ جلا کر جریر کو اس میں پھینک دیا کیونکہ قاتلانِ حسینؑ کی سزا آگ ہی ہے۔

جیسے کہ یہ کیفیت دیکھی تو کہا: سبحان اللہ و بجدہ۔ مختار نے مجھ سبحان اللہ کہنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور دعا کا ذکر کیا۔ مختار سنتے ہی گھوڑے سے نیچے آگیا اور دو گانہ شکرانہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ اسی دن میرے گھر آیا۔ تو میں نے کھانا حاضر کیا۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا: اسے دوست تم نے آج مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ حضرت زین العابدین کی دعا میرے اہتوں پر ہی ہوئی ہے۔ میں اس خوشی میں شکرانہ کا روزہ رکھا ہے۔ میں نے قاتلانِ حسینؑ سے انعام لیا ہے۔

یہ قرآنِ صحت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت علی بن حسین بن علی امام زین العابدین رضی اللہ عنہم تاریخ ۱۸ ماہ محرم ۳۹۳ء (بقول دیگرے ۳۹۵ء) دارِ فانی سے دارِ بقا میں گئے۔ لکھتے ہیں کہ دشمنانِ اہلبیت نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ اسی صدمہ سے داخلِ جنت ہوئے اور داخلِ جنت ہوئے۔

بہر وصلش جان و دل ز آفاق رفت شد ز دوراں سید آل نبی
ہم خرد والی والا حساب گفت نیز محبوبِ راست لے اولیٰ

۹۔ امام محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ اربعہ عشر کے امام پنجم تھے۔ آپ کی کنیت ابو جعفر، لقب باقر تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت الحسن بن علی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ میں بروز جمعہ سوم ماہ صفر، ۵۷ھ ہوئی۔ بعض اقوال میں ۵۸ھ ہے۔

مولانا جامی شراہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ امام والا گوہر جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم جب ان کی آنکھیں نظر سے محروم ہو چکی تھیں، کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے جواب دیا اور پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم ہوں۔ یہ سنتے ہی فرمانے لگے: بیٹا میرے پاس آ جاؤ۔ میں قریب گیا، میرا ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ پھر میرے قدم چومنے کے لئے جھکے، ہی لکھتے

کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے نام سلام بھیجا ہے۔ میں نے کہا: سلام علی رسول اللہ و برکاتہ اور فرمایا، میں ایک دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا تو آپ نے فرمایا، جا بر شاید تم اس دن تک زندہ رہو جب میرے فرزندوں میں سے ایک تمہارے پاس آئے گا جس کا نام محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو اوزارِ حکمت سے نوازے گا۔ اسے میرا سلام پہنچانا۔

حضرت موئینا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک معتبر راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے ہشام بن عبد الملک کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اسکی یہ محل زیر تعمیر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا، واللہ یہ محل برباد ہونے کے لئے بنا ہے۔ اس محل کے سنگ و خشت کو یہاں سے اکھاڑ کر لے جایا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی بنیادیں بل جائیں گی۔ میں حضرت امام کی یہ بات سن کر بڑا متعجب ہوا۔ اور ڈرا کہ ہشام کے محل کو کون مسمار کر سکتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک کی وفات کے بعد وید بن ہشام نے حکم دیا کہ اس محل کو مسمار کر کے اس کے بلے کو یہاں سے اٹھالیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی بنیادیں بل ہوتی دیکھیں۔

اسی راوی نے مزید کہا کہ ایک دن میں حضرت امام کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک زید بن علی پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: واللہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ زید کو تمہیں خروج کر دیں گے اور انہیں قتل کر دیا جائے گا اور مدینہ لایا جائے گا اور ایک بانس پر نصب کیا جائے گا۔ مجھے اس بات سے سخت تعجب ہوا کیونکہ مدینہ میں تو بانس نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ کا سر مدینہ میں لایا گیا اور بانس بھی ہمراہ لایا گیا جس پر آپ کا سر نصب کیا گیا۔

حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے میرے والد محترم نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد رتبہ امامت تمہیں سونپا جائے گا۔ جب میں مردوں تو مجھے خود غسل دینا کیونکہ امام کا غسل امام ہی دیا کرتا ہے۔ عنقریب تمہارا بھائی عبداللہ دعویٰ امامت و جانشینی کرے گا اور لوگوں کو اپنے ساتھ لالے گا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اسے اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی عمر بڑی مختصر ہوگی۔ جب میرے والد محترم کا وصال ہوا تو میں نے غسل دیا۔

میرا بھائی عبداللہ میرے ساتھ جھگڑنے لگا اور امامت کا دعویٰ کیا مگر تھوڑے عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت امام حج کے لیے مکتہ شریف لے گئے۔ خود اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کا غلام فخر پر سوار تھا اچانک ایک پہاڑ سے ایک بھیڑیا نکل آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کرنے لگا۔ آپ بھی اس سے باتیں کرتے رہے اور آخر میں دعا فرما کر بھیڑیے کو رخصت کیا۔ اپنے ساتھی کو بتایا کہ بھیڑیا یہ فریاد لے کر آیا تھا کہ دعا فرمائی کہ میری نسل سے کوئی بھیڑیا آپ کے ماننے والے پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے دعا کی۔ بھیڑیا جو چاہتا تھا، اسے مل گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک رات میرے دل میں مذہب کے اختیار کرنے میں سخت ترین وسوسے پیدا ہونے لگے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ کون سے مذہب کی طرف رجوع کروں۔ اسی فکر میں مجھے نیند آگئی۔ صبح ہوئی ایک شخص میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور کہا کہ محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ میں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا، براہِ سب مذہبوں سے مذہبِ اہلبیت اچھا ہے۔ میں اسی وقت آپ کے معتقدین میں سے ہو گیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، مجھے یہ بتائیے کہ مومن کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، مومن کا حق یہ ہے کہ اگر وہ اس کھجور کو کھے کہ ادھر آؤ تو وہ درخت توقف نہ کرے۔ یہ بات سنتے ہی کھجور کا وہ درخت چل کر آپ کے پاس آ گیا۔ آپ نے فرمایا، درخت! میں نے تو یہ بات برسبیلِ تذکرہ کسی تھی تم اپنی جگر چلے جاؤ۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں کہا ہے کہ ابو بصیر نابینا نے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کیا آپ پیغمبر خدا کے اہلبیت میں سے ہیں۔ کہا ہاں۔ میں نے کہا: کیا نبی علیہ السلام تمام پیغمبروں کے وارث ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اپنے والد کی میراث ملی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مڑے کو زندہ ادا کیا کہ تندرست کیا کرتے تھے۔ کیا آپ اس بات کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، خدا کے حکم سے ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میری آنکھیں روشن ہو گئیں اور مجھے ساری مخلوق نظر آنے لگی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ دنیا میں آنکھیں بنا رکھنا چاہتے ہو یا میدانِ حشر میں۔ میں نے حشر کو ترجیح دی۔ آپ نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ ملا تو میں نابینا ہو گیا اور دعا چاہی کہ بلا حساب مجھے داخلِ جنت کیا جائے۔

شواہدِ القبولت میں ایک اور راوی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر سطر فرما رہے تھے میں بھی ہم رکاب تھا۔ ناگاہ دو شخص راستے میں ملے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا، یہ چور ہیں انہیں پکڑ لو اور باندھ لو۔ غلاموں نے انہیں پکڑ کر باندھ لیا۔ پھر آپ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں ایک غار ہوگی۔ جو کچھ تمہیں اس غار سے ملے آنا۔ غلام گیا۔ وہاں سے دو صندوق ملے جو دولت سے بھرے پڑے تھے، اٹھا لایا۔ فرمایا، ایک صندوق کا مالک تو مدینہ میں موجود ہے اور دوسرا نائب ہے۔ جب ہم مدینہ پہنچے اس صندوق والے نے ایک جماعت کو چوری کے الزام میں گرفتار کروا دیا تھا اور حاکم کے سامنے فیصلہ کے لئے لے جا۔ ہا تھا۔ حضرت امامؑ نے اسے صندوق دیا اور بے گناہ لوگوں کو رہائی دلائی۔ اور اس چور کو قطع ید کی سزا دلائی۔

کچھ عرصہ کے بعد ان چوروں میں سے ایک حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، الحمد للہ کہ میرا قطع ید اور توبہ آپ کے دستِ حق پرست پر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کٹا ہوا ہاتھ تمہارے جنت میں داخل ہونے سے بیس سال پہلے داخلِ جنت ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص بیس سال تک مزید زندہ رہا اور پھر وفات پائی۔ تین دن کے بعد دوسرے صندوق کا مالک بھی حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: تمہارے صندوق میں ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں ہیں۔ ایک تھیلی تو تمہاری ہے مگر دوسری تھیلی کسی اور کی ہے۔ اس نے کہا، آپ نے سچ کہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دوسرے شخص کا نام بھی بتادیں۔ آپ نے بتایا: اس کا نام محمد بن عبدالرحمان ہے اور اب شہر کے باہر تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے۔ وہ شخص غیر مسلم تھا جب اس نے آپ کی گفتگو سنی تو مسلمان ہو گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ ایک دن ابنِ عکاشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا بیٹا جعفر بھی آپ کے پاس کھڑا تھا۔ ابنِ عکاشہ نے کہا: اب آپ کا فرزندِ نذیر جند سن بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کے نکاح کا بندوبست کرنا چاہئے۔ حضرت امام کے پاس ایک ہزار دینار کی

تھیلی تھی جو آپ نے مجھے دی اور کہا کہ مارکیٹ میں ایک ایسا آجر آئے گا جس کے پاس ایک خوبصورت کینز ہوگی اسے خرید لانا۔ چند دن بعد آپ نے فرمایا: منڈی جاؤ اور کینز خرید لاؤ اور یہی لے جاؤ۔ میں منڈی میں اس سوداگر کے پاس گیا۔ اس نے کہا: میں تمام سامان واسباب فروخت کر چکا ہوں صرف دو کینزیں باقی ہیں جو بہت ہی خوب صورت ہیں۔ ان میں سے ایک کینز کو پسند کر کے خرید لو۔ میں نے قیمت پوچھی تو اس نے متر دینار بتائی۔ میں نے کہا: میرے تھیلے میں جو کچھ ہے میں اس سے خرید لوں گا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے۔ سوداگر نے کہا کہ میں شرونیار سے کم کسی صورت میں قبول نہیں کروں گا۔ میں نے تھیلی کھولی تو اس میں شرونیار پڑے تھے۔ میں نے سوداگر کے حوالے کئے اور کینز کو لے کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے کینز سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ حمیدہ۔ آپ نے فرمایا: حمیدہ فی الدنیا محمودہ فی الآخرہ۔ پھر میں نے پوچھا: کیا تم کنواری ہو یا منکوحہ۔ اس نے بتایا کہ میں کنواری ہوں۔ میں نے پھر دریافت کیا: تم ان سوداگروں کے ہاتھ سے کیسے بچ گئیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی سوداگر اگر میری طرف بڑھتا تو ایک سفید ریش اور سفید سراومی آگے بڑھ کر اسے طمانچہ رسید کر دیتا اور وہ مجھ سے دُور ہٹ جاتا۔ یہ واقعہ کئی بار رونما ہوا۔ آپ نے حمیدہ کو حضرت جعفرؑ کے حوالے کر لیا اور فرمایا: اس لونڈی کو لے لو یہ برکت کی ایک کان ہے۔ چنانچہ اسی بی بی کے بلن سے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات بروز پیر ختم ماہ ذوالحجہ ۱۱۲ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۵۷ سال تھی اور آپ کے جسد پاک کو جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

سال وصل او بگو ہادی عزیز ۱۱۱	ہم بخواں اسے یار ہادی انام !
سال ترحیلش امام ایزد است	ہم ولی اللہ واں اسے نیک نام
۱۱۲ھ	۱۱۲ھ

۱۔ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ ابو اسماعیل تھی۔ لقب صادق۔ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت عبد الرحمن بن صدیق اکبر کی پوتی تھیں۔ آپ مدینہ منورہ میں ۱۲۔ ربیع الاول ۸۰ھ بروز پیر پیدا ہوئے۔ آپ ائمہ اثنا عشر کے امام ششم تھے۔ آپ غلام کے اہلبیت اور علمائے سادات میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

خلیفہ منصور عباسی کسی معاند اہلبیت کے کہنے پر حضرت جعفر سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اپنے صاحب ربیع کو بلا کر حکم دیا کہ حضرت کو پیش کریں۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو کہنے لگا: مجھے اللہ تعالیٰ قتل کر دے اگر میں آپ کو قتل کروں لیکن میں سن رہا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور فتنہ گری میں مصروف ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ نہ ہی کوئی فتنہ برپا کیا ہے۔ آپ کے پاس اگر کسی نے ایسی شہر پہنچائی ہے تو وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے۔ اگر خدا نخواستہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، مجھ سے سرزد ہوا ہے تو جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ظلم کئے تھے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا تھا آپ بھی درگزر کریں۔ خلیفہ منصور نے خوش ہو کر آپ کو اوپر بلا لیا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور کہا: فلاں ابن فلاں نے یہ باتیں میرے کانوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اسے طلب کیا جائے جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے یہ باتیں حضرت صادق کی زبان سے خود سنی تھیں۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم قسم کھا کر کہتے ہو۔ اس نے قسم کھانا چاہی۔ ابھی یہ الفاظ کہے تھے: یا اللہ الذی لا الہ الا هو عالم الغیب والشہادۃ هو الرحمن الرحیم۔ حضرت جعفرؑ نے فرمایا، ایسی قسم مجھے قبول نہیں۔ جس طرح میں قسم کھانے کو کہتا ہوں، کہیں۔ اور یہ بھی کہو کہ من حول اللہ وقوتہ والنجات الی حول وقوتی لقد فعل کذا کذا جعفر و قال کذا کذا جعفر۔ اس شخص نے ایسی قسم کھانے سے پہلے تو تامل کیا لیکن پھر کھا گیا۔ اسی وقت وہ زمین پر گرا اور مجلس میں ہی مر گیا۔ منصور نے کہا: اسے پاؤں سے کھینچ کر مجلس سے باہر پھینک دیا جائے۔

ربیع کہتے ہیں کہ اس دن حضرت جعفر صادق زریب کچھ پڑھ رہے تھے۔ منصور کا فتنہ دور نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ ربیع کہتے ہیں، میں نے حضرت جعفر صادق سے دریافت کیا، کیا بات ہے وہ جھوٹا مغزی دوبار بعض کلمات کے ساتھ قسم کھا گیا مگر اسے کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن جب آخری بار قسم کھائی تو اسے سزا مل گئی۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس نے خدا کو معبودیت اور رحمانیت کے ساتھ یاد کر کے قسم کھائی تھی اور اس کے عذاب میں تاخیر ہو گئی۔ غلبہ صفت رحمانیت غالب تھا۔ دوسری بار جب میں نے اسے قسم کھانے کو کہا اس میں لفظ رحمان و رحیم نہیں تھے اس لیے وہ فوری طور پر عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے حضرت جعفر صادقؑ کو دربار میں طلب کیا اور اپنے صاحب کو حکم دیا کہ جو نہی حضرت امام دربار میں داخل ہوں، انہیں قتل کر دیا جائے۔ جب آپ دربار میں آئے اور منصور کے پاس بیٹھ گئے تو اسے سخت تعجب ہوا کہ صاحب نے انہیں قتل کیوں نہیں کیا۔ جب آپ واپس گئے تو منصور نے صاحب سے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم مجھے قطعاً علم نہیں ہے کہ حضرت امام کب دربار میں آئے اور کب واپس گئے۔ اگر میں انہیں دیکھ لیتا تو یقیناً قتل کر دیتا۔

خلیفہ منصور کے ایک قریبی شخص نے بتایا کہ میں ایک دن خلیفہ منصور کے پاس آیا تو اسے بڑا مغموم اور متفکر پایا۔ وہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں نے ملوہوں کے سیکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اترا دیا ہے مگر ان کے امام جعفر صادقؑ ابھی تک زندہ ہیں۔ میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ میں نے کہا، وہ ایک خدا پرست آدمی ہیں انہیں دنیا اور منصب دنیاوی کی حاجت نہیں ہے ان کے قتل میں کیا فائدہ۔ خلیفہ منصور نے مجھے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس کی امامت پر راضی ہو۔ میں آج قسم کھاتا ہوں کہ جب تک میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوگا، کھانا پینا ترک رہے گا۔ پھر اس نے کہا: میں حضرت جعفرؑ کو بلاؤں گا۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو میں اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھوں گا تم انہیں فوراً قتل کر دینا۔

جب آپ دربار میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے لب ہل رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت منصور کا عمل کا پتہ لگا اور ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ منصور مروا

برہنہ آپ کے استقبال کو دوڑا اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور خود ہاتھ بانڈھ کر نیچے بیٹھ گیا اور کہنے لگا: یا حضرت! اگر کوئی چیز درکار ہو تو مجھے حکم فرمائیں تاکہ بجالاؤں۔ آپ نے فرمایا: بس ایک ہی حاجت ہے کہ مجھے دوبارہ دربار میں نہ بلایا جائے اگر میں خود بخود آؤں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر آپ اٹھے اور باہر چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد منصور بے ہوش ہو گیا۔ آدھی رات تک بیہوش رہا۔ چند نمازیں بھی نضا ہو گئیں۔ آدھی رات کے بعد جب ہوش آیا تو اس نے نمازیں ادا کیں۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس کی پریشانی، بیہوشی اور اضطراب کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا، جب حضرت امام دربار میں تشریف لائے تو میں نے ایک اثر دیکھا جس کی زبان کا ایک سر تو محل کے فرش پر تھا اور دوسرا محل کی چھت پر۔ اور فصیح زبان سے کہہ رہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اگر حضرت امام کو ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچی تو تمہیں اور تمہارے محل کو تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔

داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے حضرت امام جعفر کے ایک غلام کو قتل کر کے اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت امام داؤد کے پاس آئے اور فرمایا: تم نے میرے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تمہارے حق میں بددعا مانگوں گا۔ اس نے اذہ مذاق کہا: مجھے اپنی بددعا کی دھمکی سے ڈرا رہے ہو۔ حضرت امام گھر چلے آئے۔ اسی رات داؤد اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

ابن نصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا۔ میری ایک کینزک تھی جس کے ساتھ میں نے جماع کیا تو مجھے صبح غسل کی حاجت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے دوستوں کی ایک جماعت حضرت جعفر صادقؑ کی زیارت کو جا رہی ہے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں کس حالت میں ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت امام مجھے مخاطب کر کے فرماتے لگے: نصیر! رسول خدا کے اہلبیت کے گھر جنابت کی حالت میں چلے آئے ہو۔ میں نے کہا: حضرت! میں نے اجاب کو دیکھا کہ آپ کی خدمت میں آرہے تھے۔ خیال آیا کہ میں زیارت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ اس لیے چلا آیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم غسل کر کے آتے تو زیارت و ثواب دونوں چیزیں مل جاتیں۔ میں اٹھا اور غسل کرنے چلا گیا۔

ایک دن میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا کہ اچانک ہمیں ایک عورت دکھانی
دی، جس کے سامنے ایک مردہ گائے پڑی تھی۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرا اور میرے
بچوں کا گزارہ تو صرف اسی گائے کے دودھ پر تھا۔ اب وہ مر گئی ہے میں کیا کروں۔ حضرت امامؑ
اس کے حالِ زار پر توجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا: تم چاہتی ہو کہ تمہاری گائے پھر زندہ ہو جائے۔
بڑھیا نے کہا: نوجوان! تم اس ضعیف مسکیت زدہ کے ساتھ کیوں مذاق کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا:
واللہ مذاق نہیں کر رہا۔ پھر آپ نے دست دعا بلند کئے۔ گائے نے پہلے تو سر پاؤں جلائے،
پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بڑھیا خوش ہو گئی اور دو نفل نمازِ شکرانہ ادا کئے اور آسودہ حال ہو گئی۔

ایک اور راوی نے بیان کیا کہ میں امام جعفرؑ کے ساتھ صبح کو جا رہا تھا۔ برسرِ راہ ایک خشک کھجور کا
درخت نظر آیا جس کے نیچے ہم نے ڈیرہ ڈال دیا۔ جب چاشت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا:
اے کھجور! ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کر۔ کھجور اسی وقت سرسبز ہو گئی۔ اس کے ساتھ
خوشے لگے اور حضرت امامؑ کی طرف توجہ کئے۔ حضرت امامؑ نے مجھے آواز دی اور کہا: اؤ بسم اللہ
کو اور کھانا کھاؤ۔ جو ہم نے کھائیں تو بڑی میٹھی اور شیریں کھجوریں تھیں۔ میں نے زندہ کھجور اسی میٹھی
کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔ ایک اور شخص وہاں کھڑا تھا کہنے لگا: کیا زود اثر جاوے۔ آپ نے فرمایا:
جاوے نہیں یہ دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں ابھی دعا کروں اور تم کتے کی
شکل میں نظر آنے لگو۔ اعرابی اپنی سگ طبعی کے باعث کہنے لگا: اچھا دعا کرو۔ حضرت نے
فی الفور بد دعا کی تو کتے کی شکل میں تبدیل ہو کر اپنے گھر کو جانے لگا۔ حضرت امامؑ نے مجھے حکم دیا کہ اس
کتے کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ جب وہ اپنے گھر جا کر اپنی اہلیہ کے پاس گیا تو وہم ہلانی شروع کدی۔
اس نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر پھر حضرت امامؑ کی خدمت
میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں میں بیٹھنے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ حضرت امامؑ
کو اس کی حالتِ زار پر رحم آگیا اور دعا کی تو وہ اپنی اصلی حالت میں آگیا۔

شواہدِ نبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو حضرت امام جعفر صادقؑ کی مجلس میں بیٹھا تھا
روایت کی ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا کہ حضرت
خلیل اللہ نے اللہ کے حکم سے چار پرندوں کو پکڑا اور ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیہ بنا لیا اور

باہم ملا کر انہیں سہرا بلایا۔ وہ زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ایسا واقعہ پھر رونما ہو اور تم اسے آنکھوں سے دیکھ لو۔ لوگوں نے کہا: یا ابن رسول کیا مخالفت ہے۔ چنانچہ آپ نے آواز دی: اسے مور تم آؤ، اسے کوسے تم آؤ، اسے باز تم آؤ، اسے کبوتر تم بھی آؤ۔ چاروں پرندے فوراً حاضر ہو گئے۔ چاروں کو ذبح کر کے ریزہ ریزہ کر دیا اور باہم ملا دیا۔ لیکن ان کے سر علیحدہ محفوظ کر لئے۔ پھر آپ نے مور کا سراٹھایا اور مور کو بلایا۔ میں نے دیکھا کہ گوشت سے مور کے گوشت کے ریزے بکھرنے لگے اور کچا اکٹھے ہو کر ایک مور کی شکل میں نظر آنے لگے۔ مور زندہ ہو گیا۔ اسی طرح سارے پرندے ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے۔

آپ کا ایک دوست حج بیت اللہ کو روانہ ہوا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دس ہزار درہم آپ کو بطور امانت دیئے اور کہا اس رقم سے میرے لئے ایک مکان خرید رکھیں تاکہ واپسی پر اس میں سکونت کر سکوں۔ آپ نے اس کے جانے کے بعد سارا روپیہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میں نے جنت میں مکان خرید لیا ہے جس کی ایک دیوار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے ملتی ہے اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے جا ملتی ہے۔ تیسری دیوار حضرت حس اور چوتھی دیوار حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے گھر سے ملتی ہے۔ میں نے اس مکان کی دستاویز بھی تیار کر لی ہے جو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ایک کاغذ لائے جو اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے یہ کاغذ اپنے پاس رکھا اور وفات سے پہلے وصیت کی کہ یہ دستاویز میرے کفن میں رکھی جائے۔ اس کے لواحقین نے ایسا ہی کیا۔ دو سو دن لوگوں نے وہ کاغذ اس کی قبر پر پڑا پایا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا کہ جعفر بن محمد کی تحریر کو منظور کر لیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی وفات مدینہ پاک میں بروز منگل ۱۵۔ رجب یا بروز جمعہ ۱۸۔ رجب ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے باپ اور دادا کے روضہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام باصفا صادق مشہر دین! کہ بود اندر طلب مطلوب کامل
عطاء و نیک تو لیش عیانست بتر حیش گبو محبوب کامل

۱۱۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ

کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم، نام نعمان ابن ثابت اور خیر التابعین میں سے تھے۔ چار ائمہ دین میں سے پہلے امام اور حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے جلسے خاص تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفر سے بڑا استفادہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صحابہؓ کی زیارت کی۔ ان صحابہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن انس، عبد اللہ بن ابی عبد اللہ بن حرث، مفضل بن یسار، وائلہ بن اسفیع رضی اللہ عنہم۔ آپ نے ان صحابہ کرام سے احادیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم بشرحانی، داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے آپ کے شاگرد تھے۔ نعمانی امام ابویوسف اور امام محمد نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کا شجرہ پُرانی کتابوں میں یوں درج ہے:

امام ابوحنیفہ نعمان کوفی بن ثابت بن قیس بن یزید بن شریار بن پرویز بن نوخیراں مالدی۔

حضرت مخدوم علی ہجری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کو بدریہ تحسین پیش کیا ہے اور آپ کو امام اماں، معتدائے سنیاں، شرف نعماد و علما کہا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ جب روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کرتے تو عرض کرتے: سلام علیک یا رسول اللہ۔ تو جواب آیا کرتا تھا: علیک السلام یا امام المسکین۔ حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں بلا کروں؟ فرمایا: علم ابوحنیفہ کے پاس۔ خواجہ محمد پارسانے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اس مذہب پر گامزن ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک اسی دین پر حکم چلایا کریں گے۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ جب آخرین حج بیت اللہ کو گئے تو رات کے وقت کعبۃ اللہ کا دروازہ پرکھ کر ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف قرآن ختم کر دیا، پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف دوسرا ختم کیا۔ پھر کہا: انا عرفناک حق معرفتک و ما عبدناک حق عبادتک۔ اتف نے

آواز دی، ابوحنیفہ تم نے پہچان لیا، جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے اور میری تم نے عبادت کر دی جیسا کہ حق ہوتا ہے، ہم تمہیں اور تیرے مقلدین کو بخش دیں گے۔

یہ روایت نقل کی جاتی ہے: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر فرمایا: ہماری یہ امانت ابوحنیفہ کو پہنچا دینا۔ حضور کا یہ لعابِ دہن حضرت انس کے منہ میں ایک آبلے کی طرح محفوظ رہا۔ جب حضرت امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے تو آپ نے یہ امانت آپ تک پہنچا دی۔ یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام ایک رات میں ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے۔ تیس سال تک عشا کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ عین عالم شباب میں تھے کہ امام شافعی پیدا ہوئے۔ چار سال تک وہ والدہ ماجدہ کے شکم میں رہے۔ جس رات امام ابوحنیفہ کا وصال ہوا تو آپ پیدا ہوئے۔ شیخ فرید الدین عطار نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے جسم انور کو نکال کر تمام بڑیاں علیحدہ علیحدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی حیثیت سے آنکھ کھل گئی۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے بتایا کہ آپ پیغمبر خدا اور حفظ سنتِ رسول میں وہ مقام حاصل کریں گے کہ صحیح سنت کو ستم سے جدا کریں گے۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ارادہ کر لیا کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور یادِ خداوندی میں وقت گزار دوں۔ رات کو حضرت رسالت پناہ کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا، ابوحنیفہ! تمہیں اس لیے زندگی عطا کی گئی ہے کہ میری سنت کا اعلان کرتے رہو اور میرے علوم کو پھیلا جاؤ، گوشہ نشینی اور عزلت گرینی کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد آپ نے خدمتِ سنتِ رسول میں دن رات وقف کر دیا۔

حضرت امام اعظم کی مسجد کے قریب ہی نیچے گیند سے کھیل رہے تھے۔ ایک دفعہ گیند آپ کی مجلسِ قرآن میں آگرا۔ کسی لڑکے کو جرات نہ ہوئی کہ مجلس سے گیند اٹھائے۔ ایک لڑکے نے اعلان کیا کہ میں جا کر گیند لٹاؤں۔ چنانچہ وہ گستاخانہ گیا اور گیند اٹھا لیا۔ حضرت امام نے اس نیچے کی بیاباکی دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ حلال زادہ نہیں ہو سکتا۔ جب تفتیش کی گئی تو واقعی ایسا نکلا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: حلال زادوں کے حیا مانع ہوتی ہے۔
 حضرت امام اعظم نے ایک شخص سے قرضہ لینا تھا۔ اتفاقاً آپ کا ایک شاگرد مقروض
 کے محلے میں فوت ہو گیا۔ آپ بھی شریکِ جنازہ ہوئے۔ چونکہ دھوپ بہت تھی اس لئے جنازے کے
 انتظار میں سارے لوگ آپ کے مقروض کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر
 حضرت امام ابو حنیفہ دھوپ میں کھڑے رہے۔ لوگوں نے سایہ میں کھڑا ہونے کی درخواست کی
 تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں قرضہ لے نہ لوں اس کی دیوار سے فائدہ اٹھانا ناواقفِ سود
 خیال کرتا ہوں۔

ایک امیر آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ وہ یہاں تک تعصب کرتا کہ
 آپ کو یہودی کہا کرتا۔ اس بات کو جب امام صاحب نے سنا تو اسے اپنے پاس بلایا اور کہا
 کہ بھائی! تمہاری بیٹی کا نکاح ایک مالدار یہودی سے کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شخص کئے لگا۔ آپ
 مسلمانوں کے امام ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ کب روا ہے کہ ایک مسلمان کی بیٹی ایک یہودی کے
 نکاح میں آئے۔ پھر میں ایک مسلمان ہوں۔ میری بیٹی یہودی کے نکاح میں کس طرح آسکتی ہے؟
 آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تم تو اپنی بیٹی یہودی کے نکاح میں دینا گوارا نہیں کرتے مگر
 حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ روار کتے ہو کہ انہوں نے اپنی دو بیٹیاں ایک یہودی کے
 نکاح میں دے دیں۔ اس شخص نے بات کی حقیقت کو سمجھ لیا اور اپنے بغض و تعصب سے
 تائب ہو گیا۔

کوفہ کے لوگوں نے مسجد بنانے کے لیے عوامِ اناس سے مالی امداد کی اپیل کی۔ حضرت
 امام اعظم کی خدمت میں بھی گئے کہ تبرکاً کچھ نہ کچھ دیں۔ حضرت امام نے ہزار وقت ایک درہم دیا
 تو شاگردوں نے کہا: حضرت آپ اتنے سخی ہیں مگر مسجد کے معاملہ میں یہ بخل۔ آپ کو یہ بات بڑی
 گراں گزری اور فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ مالِ حلال آب و گل پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ میرا مال حلال ہے
 اس لئے جب لوگوں نے روپے مانگے میرے دل پر گراں گزرا۔ چند دن گزرنے کے بعد مسجد کے
 بانی واپس آئے اور امام صاحب کو ایک درہم واپس کر گئے اور کہنے لگے: یہ تو کھوٹا ہے۔ آپ نے
 بعد غمش واپس لے لیا اور فرمایا: الحمد للہ میرا حلال مال آب و گل پر خرچ نہیں ہوا۔

حضرت علیؑ مخدوم بجوری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ شام میں حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر بیٹھا سو گیا۔ خواب میں اپنے آپ کو کتہ مکرم میں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ میں آئے اور ایک بوڑھے آدمی کو نبل میں نیچے کی طرح اٹھا لائے۔ اس بوڑھے پر آپ بڑی شفقت فرما رہے ہیں۔ میں حضور کے پاس گیا سلام کہا اور پائے مبارک کو چوما۔ تعجب ہوا کہ یہ بوڑھا کتنا خوش بخت ہے کہ حضور اس پر بچوں کی طرح شفقت فرما رہے ہیں اور گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی اس کیفیت کو خود ہی بجانپ گئے اور فرمانے لگے اے علی! یہ امام اہلسنت ابوحنیفہ میں۔

بقول صحیحہ آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے مگر بعض مورخین نے ۸۲ھ میں لکھا ہے۔ آپ کا وصال با اتفاق اہل اسلام ۵۰۰ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سن تولیدش بقول اہل سیر	بے نیاز و لفظ نیک است و امام
کن رقم سلطان تو سال رحلتش	طالب حق گر، محبوب انام
تیر سال انتعاش گفت دل	قطب از دوراں رواں شد والسلام

۱۲ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ۔ نام مالک یا انس بن مالک تھا۔ آپ چار ائمہ مذاہب میں سے دوسرے امام ہیں۔ حضرت امام شافعی کے استادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے شمائل فضائل اور مناقب بے اندازہ ہیں۔ اس مختصر کتاب میں مجال بیان نہیں۔ آپ کی ولادت ۹۵ھ میں اور وفات بروز یکشنبہ ہفتم ماہ ربیع الآخر ۱۷۹ھ (اور بعض تذکروں میں ۱۸۱ھ بھی درج ہے) مزار پر انوار مدینہ منورہ میں ہے۔

قطب محبوبی است رحلت او	سالک اہل دل و صالحش داں
از خود صاحب عطا حبتہ	سرور زار سال رحلت آن

۱۳۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم اور لقب ابو یوسف . مقام پیدائش کوفہ۔ اور حضرت امام اعظم کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور حضرت امام نے ہمیشہ اپنے اس لائق شاگرد کی تعریف کی اور حضرت نے آپ کو قاضی القضاة کا خطاب دیا۔ اگرچہ آپ عدالتی کارروائی میں بہت معروف رہتے تھے تاہم رات کو دو صد رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ آپ ۱۱۰ھ میں (بقول دیگر ۱۱۱ھ) پیدا ہوئے اور وصال بروز جمعہ ۲۶۔ ماہِ رجب ۱۸۲ھ میں ہوا۔ آپ کی عمر شتر سال اور مزار مبارک بغداد میں ہے۔

ابو یوسف اے یوسفِ دینِ حق ولی جہاں مقدا ئے زماں
خردگفت و صلش سعید اول ولم گفت عابد ولی جہاں

۱۴۔ حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا اسم گرامی حسن تھا جو شام سے ہجرت کر کے عراق تشریف لائے اور واسطہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت امام محمد کی ولادت ہوئی۔ کوفہ میں پرورش پائی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت امام صاحب کے علوم آپ کی کوششوں سے دنیائے اسلام میں پھیلے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہا جاتا ہے۔ اور امامین بھی۔ یہ دونوں بزرگ صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔ امام شافعی بھی آپ کے ہی شاگرد تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اجتہاد العلماء میں لکھا ہے کہ امام شافعی حضرت امام محمد کی رکاب تھامے جا رہے تھے اور کہتے تھے، اگر میں یہ کہوں کہ قرآن پاک محمد بن حسن شیبانی کی لغت میں نازل ہوا تھا تو روا ہے۔ کیونکہ آپ بہت ہی فصیح تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء (داراشکوہ) نے اس صاحب کمال کی تاریخ وفات ۱۳۔ بنوادی الاغری (بقول دیگر رمضان) ۱۸۹ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار رے میں ہے۔

عبدالواسعین کے مصنف نے آپ کی تاریخِ وفات ۱۰۹۶ھ بروز پیر ۲۲۔ ماہِ صفرِ تحریر کی ہے۔
ہمارے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے۔

محمد چو از لطفِ فضلِ اللہ رسید از جہاں در مقامِ جہاں
رقم شد و معاشِ محمدِ عزیز دگر ظاہر آمد امامِ جہاں
۱۰۹۶ھ

۱۵۔ حضرت موسیٰ کاظم بن جعفر رضی اللہ عنہ

آپ امامِ مہتممِ ائمہ عشرین سے تھے۔ کنیت ابو الحسن۔ ابو ابراہیم۔ لقب کاظم۔ اور
والدہ کا نام ام ولد حمیدہ بربری تھا۔ آپ کی ولادت بمقام الواء جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے،
ہوئی تھی اور تاریخِ ولادت بروز اتوار، ۶۔ ماہِ صفر ۱۲۹ھ ہے۔ عباسی خلیفہ مہدی بن منصور
جب آنحضرت کو پہلی بار مدینہ پاک سے بغداد لائے تو گرفتار کر دیا۔ رات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کو خواب میں دیکھا جنھوں نے فرمایا: مہدی! فہل عیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی
الارض و تقطعوا ارحامکم۔ ربیع کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے مجھے اُدھی رات کو طلب
کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس آیت کو نہایت خوش الحافی سے تلاوت کر رہا ہے۔ مجھے کہا جاؤ
اور ابھی موسیٰ کاظم بن جعفر کو جیل سے لے آؤ۔ میں نے کہا آیا تو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھایا اور
خواب کا واقعہ پیش کیا اور پوچھا: کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے بے غم کر دیں اور مجھ پر خروج نہ کریں۔
آپ نے فرمایا، واللہ! میں نے ہرگز خروج نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا۔ خلیفہ نے پوچھا: آپ سچ
کہہ رہے ہیں۔ پھر ربیع کو کہا کہ دس ہزار دینار حضرت کو دے دیئے جائیں اور سفر کا سامان کریں
تاکہ وہ مدینہ شریف جا سکیں۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے فوراً تیاری کی اور حضرت امام کو مدینہ
روانہ کر دیا۔ اس خوف سے صبح کوئی تہی نہایت رونا نہ ہو جائے۔

حضرت امام مہدی کے آخرین ایامِ حکومت تک آرام سے رہے۔ دوسری بار دشمنان
آنحضرت نے خلیفہ ہارون الرشید کے کان بھرے اور حضرت کو دوسری بار بغداد میں طلب کر لیا گیا
اور قید میں ڈال دیا۔ حتیٰ کہ آپ ایک عرصہ کے بعد زہر خوردانی سے واصلِ جنتی ہو گئے۔

جب حضرت کاظم کو یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کے حکم سے جیل خانہ میں زبردیا کیا۔
 آنحضرت نے زہر کھانے کے بعد فرمایا کہ آج اہلبیت کے معاندین نے مجھے زبردیا ہے۔ کل
 میرا بدن زرد ہو جائے گا۔ پھر نصف سرخ ہو جائے گا، نصف سیاہ ہوگا۔ میری ج اس دارالافتاء
 سے دارالبتقاء کی طرف جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہارون الرشید نے اپنے امراء میں سے علی بن یقین کو باس ناخرہ اور زربفتی قبا اس لئے
 دی کہ وہ حضرت موسیٰ کاظم سے بحال محبت پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس قیمتی باس کو حضرت کے
 پاس تہیل میں لے گئے۔ حضرت نے اور چیزیں تو قبول فرمائیں مگر وہ قیمتی زربفت کا سیاہ باس اسی
 طرح واپس کر دیا اور کھا کہ اس قیمتی باس کو اپنے پاس محفوظ رکھو تا کہ کسی مشکل وقت میں کام آسکے
 کچھ دنوں کے بعد ایک غلام علی بن یقین کی طرف سے آیا اور ہارون الرشید کو یہ سارا واقعہ سنایا۔
 خلیفہ نے کہا کہ علی بن یقین موسیٰ بن کاظم کو اپنا ام تسمو کرتے ہیں اور بڑی مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔
 چنانچہ پینچھ آپ نے قبول نہیں کیا۔ ہارون الرشید اس بات سے بڑا برہم ہوا اور علی کو اپنے
 پاس بلایا کہ میرے فلاں حجرے میں جاؤ، اس میں ایک صندوق پڑا ہوگا۔ اسے کھولو، اس میں
 ایک برتن ہوگا اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ گیا اور برتن لے آیا۔ علی نے ایسا ہی ایک باس
 جو خلیفہ نے دیا تھا، اس برتن سے نکالا اور سامنے رکھ دیا۔ ہارون الرشید کاغصہ ٹھنڈا ہوا اور
 اپنے بڑے ارادے سے رُک گیا۔

شواہد النبوت کے مصنف (حضرت مولانا عبدالرحمان جامی) فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے
 جو حضرت موسیٰ کاظم کا معتقد تھا، بیان کیا ہے کہ جب پہلی بار ہمدی نے حضرت کو مدینہ سے طلب کیا
 میں مدینہ سے دوڑ تک آپ کے ساتھ گیا۔ میں رو رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: بھائی تجھے
 کس بات نے اتنا منموم بنا دیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں کیوں نہ روؤں آپ دشمن اہل بیت کے
 پاس جا رہے ہیں۔ خدا معلوم آپ سے وہ کیا سلوک کریں گے۔ آپ نے فرمایا، فکر نہ کرو میں
 فلاں ماہ فلاں دن اور فلاں وقت واپس آ جاؤں گا۔ تم یہاں ہی آکر میرا انتظار کرنا۔ یہ کہہ کر
 مجھے اجازت دی۔ جب وعدہ کے مطابق وہ تاریخ آئی تو میں اسی مقام پر ہر استقبال گیا۔ میں
 نے دیکھا کہ عراق کی طرف سے ایک حبشی نمودار ہوا۔ آنحضرت اس حبشی کے آگے آگے ایک

اُونٹنی پر سوار چلے آ رہے ہیں اور اگر میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے لبیک کہا تو فرمانے لگے، تمہارے دل میں شک آنے ہی والا تھا۔ میں نے کہا، ہاں حضرت! آپ نے فرمایا: الحمد للہ میں ظالموں کے پتے سے بچ کر نکل آیا۔ لیکن میں ایک بار پھر جاؤں گا اور پھر نہیں آؤں گا۔

یاد رہے کہ حضرت کاظم رضی اللہ عنہ بتایا ہے ۵۔ رجب ہارون الرشید کے حیل خانہ میں زہر خدائی سے فوت ہوئے۔ آپ کو کھجور میں زہر دیا گیا اور بروز جمعہ ۱۸۶ھ واصلِ بقی ہوئے۔ بغداد میں آپ مدفون ہوئے۔

سرورِ دہر سید کونین	سال تولد اوست الیم حسین ^{۱۲۵ھ}
سال ترحیل آن حبیب اللہ	کن رستم سید ولی اللہ
باز سال و سال آن مسعود!!	موسیٰ اہل دل خرد فرمود

۱۶ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابو عبد اللہ، لقب شافعی، نام محمد بن ادریس تھا۔ آپ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب نامہ آٹھ واسطوں سے حضرت عبدالمطلب سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہے۔ اسی لیے آپ کو قریشی، ہاشمی، علوی اور فاطمی کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام سوئم ہیں۔ جب تک مدینہ میں رہے حضرت امام مالک سے پڑھتے رہے۔ جب عراق میں آئے امام محمد بن حسن شاگرد حضرت امام اعظم سے استفادہ کیا۔ آپ کی ولادت بقیام غزہ یا مستقلان یا بقول دیگر مناوہ ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

امام شافعی تیرہ سال کی عمر میں حرم میں کہہ رہے تھے: سلونی بما شئتم۔ جو چاہتے ہو مجھ سے پوچھو۔ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ امام احمد بن حنبلؒ جنہیں تین ہزار احادیث یاد تھیں آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے اور آپ کی ناشیہ برداری میں راحت محسوس کرتے تھے۔ لوگوں نے ایک بار آپ سے کہا: آپ بایں علم و فضیلت ایک بچے کے سامنے

زانوئے تلوڑے کرتے ہیں اور شانخ و اساتذہ کی صحبت ترک کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا جو چیز ہیں یاد شافعی ان کے مننی جانتا ہے۔ فقہ کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے کھول دیا۔
حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالتاً کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دریافت فرمایا، بیاتمارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے کترین غلاموں میں سے ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلا کر اپنا لعاب دین میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ اللہ کی برکات تجھے نصیب ہوں۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی انگشتی اٹا کر مجھے پنادی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علوم مجھے نصیب ہوئے۔

حضرت امام شافعی کی والدہ زاہدہ، ماجدہ اور امینہ تھیں۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے سپرد کرتے ایک دفعہ دو آدمی آئے۔ ایک صندوقچہ مال و سامان کا بھرا ہوا تھا آپ کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور وہ صندوقچہ لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا بھی آیا اور صندوقچہ مانگا۔ تو حضرت بی بی نے بتایا کہ تمہارا ساتھی لے گیا ہے۔ اس نے کہا کہ دونوں کی حاضری کے بغیر آپ نے ایک شخص کو کیوں دے دیا۔ حضرت شافعی جن کی عمر پندرہ سال تھی آگئے۔ سارا واقعہ سننے کے بعد والدہ ماجدہ سے کہنے لگے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ مدعی سے آپ نے پوچھا کہ صندوقچہ دیتے وقت آپ لوگوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم دونوں آئیں تو امانت دی جائے۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوست کو بھرا لے آؤ تاکہ صندوقچہ دونوں کو دیا جائے۔ جب تکتم دونوں اکٹھے نہیں آؤ گے صندوقچہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ مدعی متحیر ہو کر چلا گیا۔

بارون الرشید ایک رات اپنی بیگم زبیدہ سے الجھ پڑا۔ زبیدہ نے بارون کو دوزخی کہہ دیا۔ بارون نے کہا، اگر میں دوزخی ہوں تو تمہیں طلاق ہو گئی۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے طہیر ہو گئے۔ زبیدہ بارون کی محبوب بیوی تھی اور بارون پر دل و جان سے فدا تھی۔ چنانچہ دونوں اس اتفاق تلخ کلامی سے ایک جہائی میں مبتلا ہو گئے۔ بارون نے علماء بغداد کو جمع کر کے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا اور فتویٰ پیا ہا کہ زبیدہ اس پر حلال ہو جائے۔ علماء کے لیے کوئی جواب نہ تھا اور کہا کہ خدائے عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ بارون دوزخی ہے یا جنتی! اس مجلس سے ایک بارہ سالہ لڑکا اٹھا اور اس نے کہا، میں جواب دوں گا۔ علماء و امراء اس کی اس جرأت پر حیران رہ گئے۔

اور کئے گئے تم دیوانے ہو۔ لیکن ہارون الرشید نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا اگر ہو سکتا ہے تو جواب دو۔ یہ لڑکا امام شافعی تھے۔ حضرت امام شافعی نے خلیفہ کو کہا۔ چونکہ آپ سائل ہیں اس لئے تحت سے نیچے آجائیں اور مجھے تحت پر بٹھادیں۔ علماء وراثت انبیاء ہوتے ہیں اور جانشین رسول ہیں ہارون تحت سے اتر آیا اور امام شافعی تحت نشین ہو گئے۔ ہارون نے ایک سائل کی حیثیت سے مسئلہ بیان کیا۔ حضرت امام شافعی نے کہا: جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح جواب دیا جائے اور جھوٹ قطعاً نہ دیا جائے۔ اب تم اپنی زندگی پر نظر دوڑا کر بتاؤ کبھی تم معصیت پر قادر ہو کر خوفِ خداوندی سے ڈر کر رُک گئے ہو۔ ہارون نے کہا: ہاں ایک دفعہ بغداد کے ایک امیر کی ایک خوبصورت اور جوان سال لڑکی میری توجہ کا مرکز بنی، اسے میرا کچھ خیال نہ تھا۔ ہزار ہاجیلہ و مکر کے بعد میں نے اسے طلب کر لیا اور تخیل میں لے جا کر اظہارِ مدعا کیا۔ جب وہ بھی آمادہ زنا ہو گئی تو میں خدا کے خون سے کانپ اٹھا اور اس عورت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت شافعی فرماتے تھے: اگر تم اس واقعے میں پتھے ہو تو میں فتوے دیتا ہوں کہ تم دوزخی نہیں جنتی ہو۔ اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس کا مذاق تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس فتویٰ کو سنتے ہی علماء مجلس نے شور برپا کر دیا کہ آپ کس دلیل سے یہ فیصلہ دے رہے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مِنْ خَافٍ مَقَامٍ رَبِّهِ وَنَسِىَ النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ۔

لوگوں نے پوچھا کہ ہارون کے سچا ہونے کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ واقعی علفاً بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید نے دوبارہ خلف اٹھایا اور اس واقعہ کی تصدیق کی۔ علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حضرت امام شافعی کے زمانے میں دیگر مذاہب کے بعض علماء نے علمائے اسلام سے مناظرہ شروع کر دیا۔ بغداد میں بت بڑا اجتماع ہوا۔ دریائے دجلہ پر بحث و مناظرہ شروع ہوا۔ حضرت امام شافعی جو علمائے اسلام کی طرف سے آئے ہوئے تھے دریائے دجلہ کے پانی پر متصل بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا، غیر مذاہب کے جو علماء بحث کرنا چاہتے ہیں میرے سامنے آکر بیٹھ جائیں۔ مگر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی۔ تمام شرمسار ہو کر چلے گئے۔ آپ کی وفات بروز جمعہ ماہ رجب ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

مزار پر انوارِ قرآنِ معر میں ہے۔

سال ترحیل آن یگانہ بگو سدر اصحاب زمانہ بگو
جیب اصفا کر دم رقم ہم سال وصل او کہ ذات لو نام و معتاد ہونماں آید

۱۶۔ حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ

اند اثنا عشر میں آٹھویں امام ہیں۔ کنیت ابو الحسن، لقب رضا اور ولادت مدینہ پاک میں ہوئی۔
ولادت ۱۵۲ھ بعد از وفات حضرت جعفر صادق رضی اللہ علیہ۔ تاریخ نگاروں نے آپ کی والدہ کا
نام تخمینہ، شامیہ، ام النبیین اور استغراء لکھا ہے۔ وہ حضرت کاظم کی والدہ بی بی حمیدہ کی
کنیز کی تھیں۔

ایک رات حضرت حمیدہ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا:
اپنی کنیزک تخمینہ کو اپنے بیٹے موسیٰ کے نکاح میں دے دو۔ اللہ اس سے ایک ایسا بیٹا دے گا
جو روئے زمین کے بہترین انسانوں سے ہوگا۔

حضرت رضا کی والدہ سے یہ روایت منسوب ہے کہ جب رضا میرے پیٹ میں تھے مجھے
کوئی بوجھ یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی اور خواب میں مجھے اپنے پیٹ سے تسبیح کی آواز سنائی دیتی تھی
بعض اوقات میں ڈر جایا کرتی تھی۔ جو نہی میں بیدار ہوتی کوئی آواز نہ سنتی۔ حضرت رضا نے ولادت
کے وقت اپنے اتم زمین پر رکھ لئے اور نگاہ آسمان کو کر دی اور بتے ہوئے لبوں سے دعا
جاری تھی۔

خلیفہ مامون نے حضرت رضا کو اپنا ولی مہم مقرر کیا۔ جب آپ دربار میں جاتے تو خلیفہ کے
امراء اور ایوان استقبال کو کھڑے ہو جاتے اور جو پردہ خلیفہ کے تخت کے ساتھ آویزاں ہوتا، اٹھا
دیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض درباریوں نے حسد و بغض کی وجہ سے نفرت کے طوفان برپا کر دیئے
اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کے بعد آپ کا استقبال نہ کیا جائے اور نہ ہی پردہ اٹھایا جائے۔
لیکن دوسرے روز جب حضرت امام تشریف لائے تو امرائے دربار اٹھے اور پردہ بھی اٹھا دیا گیا۔
امام صاحب کے اندر جانے کے بعد انہیں احساس ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا

شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آئندہ کوئی نہ اٹھے۔ لیکن پھر آپ کے آنے پر اٹھے اور سلام کیا مگر پردہ اٹھانے میں توقف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو بھیجا جس سے پردہ اٹھ گیا اور امام صاحب اند تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو پھر ہوا سے پردہ اٹھا۔ امر اور بار بار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو قائل ہو گئے کہ امام اللہ کے عزیز ہیں۔ بار سے ذیل کرنے سے آپ ذیل نہیں ہو سکتے۔ مجبوراً رسم و بار کے مطابق عمل کرنے لگے۔

امام رضا کی ولیعہ دی کے دوران ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مامون الرشید کے بعض وزراء جو خاندان نبوت سے نہیں رکھتے تھے۔ خلیفہ کو کہنے لگے: جس دن سے آپ نے انہیں ولیعہ مقرر کیا ہے اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ یہ بات خلیفہ کو بڑی ناگوار گزری اور آپ سے طلب نزول بارانِ رحمت کی۔ آنحضرت دعا کے لئے اتوار کو ایک صحرا میں نکل پڑے۔ ایک عظیم اجتماع میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اسی وقت بادل گھر کے آئے اور لوگ دوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف چلے مگر حضرت نے فرمایا: لوگو! رک جاؤ۔ یہ بادل تو فلاں شہر کے ہیں۔ یہاں نہیں برسیں گے۔ تھوڑے توقف کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ پھر بادل آئے مگر آپ نے لوگوں کو کہا: یہ بادل فلاں علاقے کے لئے ہیں۔ چنانچہ دس بار اسی طرح ہوا۔ گیارہویں بار جب بادل آئے تو آپ نے فرمایا: یہ بادل تمہارے لئے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ بادل اس وقت تک نہ برسیں گے جب تک تم گھروں میں محفوظ نہ ہو جاؤ گے۔ آپ خود بھی منبر سے اترے اور اپنی جگہ پر بیٹھے۔ جب تمام لوگ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو بارانِ رحمت کا نزول ہوا حتیٰ کہ ایسی بارش پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

مامون الرشید کا ایک مقرب ولی عہدی کی تمنا دل میں اور حد و بعض کا بوجھ لئے مامون الرشید کو کہنے لگا کہ آپ نے جو عباس کے خاندان سے خلافت علیحدہ کر کے حضرت علی کے گھر میں بھیج دی ہے حالانکہ یہ لوگ عباسیہ کے بڑے بدخواہ ہیں۔ باویہ گنامی کے گناموں کو از سرِ نو شہرت دے دی ہے اور ہم لوگوں سے ان لوگوں کے مراتب بلند کر دینے ہیں۔ یہ بات بلند ہستی، ولاوری اور انصاف سے بڑی بعید ہے۔ اگر یہ کام اچھا ہوتا تو آپ کے آباد اجداد ہی کہتے۔ مامون نے بتایا کہ علی رضا کا ولیعہ دی میری محبت اور الفت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ

عوام میں بیٹھ کر انھیں خلافت و بیعت پر آمادہ کرتے تھے۔ میں نے اسے اپنا ولی عہد بنا دیا تاکہ وہ لوگوں کو میری طرف دعوت دیتا رہے اور میری خلافت کا اعتراف بھی کرتا رہے اور خاندان عباسیہ کی عداوت سے علیحدہ رہے۔ مجھے خطہ تھا کہ یہ کوئی یافتہ پیدا نہ کر دے جس کا انسداد میرے لئے مشکل ہو جائے۔ لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ لیکن اب میں نے اسے نوازا ہے۔ اور اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ اب یہ چارہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے اثر و رسوخ کو کم کر دیا جائے تاکہ عوام خود معلوم کر لیں کہ یہ ولی عہد ہی کے لائق نہیں ہیں اور اس طرح معطل کر دیا جائے۔ اس شخص نے کہا، آپ اطمینان رکھیں میں اسے مجمع عام میں شرمسار کر دوں گا اور وہ خود بخود اپنی راہ لے گا اور بغداد میں وہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔ ان کے متبعین کو بھی طبع لاپرواہی دے کر اس سے علیحدہ کر لوں گا اور آپ کے دربار میں حاضر کروں گا۔ جب تمہارے جانے کا تو یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا اور کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا قید خانہ میں جان دے دے گا۔

ایک دن حضرت امام خلیفہ مامون کے پاس تشریف لائے اور اپنی مسند پر آرام سے بیٹھے تھے کہ وہ بخواہ اور حاسد بھی آ گیا اور آپ کو مخاطب کر کے بولا: اے ابن موسیٰ! میں نے سنا ہے کہ تمہارے معتقدین اور مریدین بارانِ رحمت کے برسنے پر تمہاری کرامت پر بٹو اٹھ کر تے ہیں اور تعریف کے قلابے ملا تے رہتے ہیں اور آپ کا مقام پیغمبروں سے بھی بلند جانتے ہیں حالانکہ تم نے (عام مسلمانوں) توہیل سے دعا دیا بارانِ رحمت کی۔ اس طرح بادل برسا۔ اندر میں حالات تم تنہا اس کرامت کے مستحق نہیں ہو جیکہ تمام مسلمانانِ بغداد کا حصہ ہے۔ ان نابالوں کو اس حرکت سے روکنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ تمہارے لحاظ سے کسی کو کچھ نہیں کہتے اور تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمانِ شہرت پر لاد رکھا ہے۔ اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا ہے۔ یہ حقوق کا صلہ ہے جو تم دے رہے ہو کہ امیر المؤمنین کے عہدِ خلافت میں تمہارا رتبہ خلیفہ وقت سے بلند کیا جا رہا ہے۔

حضرت امام نے یہ تمام تفصیل سننے کے بعد فرمایا میں ان باتوں سے منع تو نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں نعمتِ خداوندی کے شکرانے سے روکتا ہوں۔ یہ ولی عہد کا جو ذکر کیا جا رہا ہے اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے کہ بادشاہ مصر نے انہیں خود ولی عہد بنایا تھا اور دنیا میں خدا کے نزدیک جو رتبہ تھا، عزیز مصر بننے سے کم نہیں رہا تھا۔ وہ حاسد اس دندان شکن جواب سے

برافروختہ ہو گیا اور کہنے لگا، ابن موسیٰ! تم اپنی حدود سے تجاوز کرتے جا رہے ہو اور اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ سے ملا رہے ہو، حالانکہ یہ معمولی سی کرامت جو امام مسلمانوں کی دعا سے ظاہر ہوئی ہے اس قدر بلند بانگ دعویٰ کر رہے ہو۔ اگر تم اتنے ہی صاحبِ کرامت ہو تو خلیفہ کے دربار میں کبھی جوئی قالین پر شیروں کی تصویر کو زندہ کر کے دکھاؤ اور انہیں مجھ پر مسلط کر دو۔ اگر ایسا کر دو تو یہ کرامت اور معجزہ ہو گا۔

اس بدگفتار کی یہ گفتگو سنتے ہی حضرت امام رضا جلال میں آگے اور غضب ناک ہو کر ان شیروں کو ٹھکرا اور کہا، اس کذاب اور ابلہ بیت کے دشمن کو کچڑ لو اور اپنا تر نوالہ کر لو۔ حکم ملتے ہی وہ دونوں تصویریں شیر بن کر بھٹیں اور شہنشاہِ ولایت کے اس بدگو کو اپنے خونیں پنجوں میں دبوچ لیا اور اس کی بڑیاں توڑ ڈالیں اور اس کی ہڈی اور گوشت چبا گئے۔ خون کے قطرے جو فرش پر گر گئے تھے، چاٹنے لگے۔ خلیفہ مامون یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گیا اور زمین پر گر گیا۔ جب دونوں شیر اس کام سے فارغ ہوئے تو امام کی پابوسی کے لیے آئے اور زبانِ عالی سے کہنے لگے اگر آپ حکم فرمائیں تو اس خدا رخصیہ کو جو ظاہر میں آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے مگر ولی طور پر دشمنِ اہل بیت ہے کیفرِ کذاب پنچادیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی مطلوب ہے کیونکہ ایک عظیم کام اس سے لینا ہے تم جس طرح تھے اسی طرح ہو جاؤ۔ چنانچہ دونوں بہادر گرجو کے شیر اپنی اصل حالت پر چلے گئے اور شیرِ قالین بن گئے۔ حضرت نے عطر و گلاب طلب کیا اور خلیفہ کے منہ پر چھڑکا۔ جب خلیفہ ہوش میں آیا تو خوف و ہراس کی بنا پر اس نا بکار کے حالات سے قطعاً دریافت نہ کیا۔

ایک نے روایت کی ہے: میں کوفہ سے خراسان کو روانہ ہوا تو میری بیٹی نے مجھے ایک چادر دی کہ اسے بیچ کر میرے لیے ایک فیروزہ لیتے آئیں۔ میں جب مرو میں پہنچا تو حضرت موسیٰ رضا کا ایک غلام میرے پاس آیا کہ امام صاحب کا ایک خادم وفات پا گیا ہے۔ تمہارے پاس ایک چادر ہے اگر فروخت کر دو تو ہم اس کا کفن بنالیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چادر نہیں۔ تمہارے پاس سے عرصے کے بعد وہ غلام دوسری بار آیا تو اس نے کہا: امام محترم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے پاس وہ چادر ہے جو آپ کی بیٹی نے دی تھی تاکہ فیروزہ خرید سکو۔ چادر کی قیمت یہ لو اور

چار دسے دو۔ میں یہ بات سن کر حیران رہ گیا کیونکہ اس واقعہ کا میرے اور لڑکی کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں نے چادر اس کے حوالے کر دی اور سوچا کہ یہ شخص باطنی علوم سے واقف ہے کیوں نہ اس سے چند مسائل دریافت کروں۔ مسائل ایک کاغذ پر لکھ کر حضرت امام کے دروازہ پر حاضر ہو گیا لیکن حوام کے نجوم کی بنا پر زیارت نہ کر سکا چنانچہ مسئلہ دریافت کرتا۔ ناگاہ ایک غلام اندر سے آیا اور میرا نام دریافت کر کے ایک کاغذ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تمہارے مسائل کا جواب ہے۔

بناج کے علاقہ کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد ماجیاں میں تشریف فرما ہیں۔ کجور کے درخت کا ایک طبق بنا کر اس میں کجوریں رکھی ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو اپنے چند کجوریں مجھے بھی عنایت فرمائیں جب میں نے انہیں گنا تو سترہ کجوریں تھیں۔ اس خواب کی تعبیر مجھے یوں آئی کہ اب میں سترہ سال اور زندہ رہوں گا۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام موسیٰ بن رضا قصبہ بناج میں تشریف لائے اور اسی مسجد میں رونق افروز ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تھا۔ کجوروں کا ایک طبق اسی طرح آپ کے سامنے پڑا ہے۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے بڑی شفقت سے چند کجوریں دیں جنہیں گنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر جناب رسالت مآب زیادہ دیتے تو مجھے کوئی مضائقہ نہیں تھا اب میں آپ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

حضرت امام موسیٰ رضا کے غلام نے روایت کی ہے کہ ایک دن بیان بن ابی الصلت آپ کے در اقدس پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری دلی خواہش ہے حضرت مجھے اپنے لباس کے دو کپڑے اور چند سکے جن پر آپ کی مہر جو معرفت فرمائیں۔ میں نے حضرت سے اجازت طلب کی ابھی سخن زبان پر نہیں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ بیان چاہتا ہے کہ یہاں اگر دو کپڑے اور چند سکے لے۔ اسے لے آؤ اور دو کپڑے اور میں درہم دسے دو۔

ایک دفعہ ایک تاجر کو قزاقوں نے کرمان کے پاس برقانی گھاٹیوں میں پکڑ لیا اور اس کا منہ برف سے بھر دیا اور مال و دولت لوٹ کر لے گئے۔ برف کی شدید سردی سے اس کی زبان بیکار ہو گئی اور بات نہ کر سکتا تھا۔ وہ خراسان میں آیا تو اسے خبر ہوئی کہ حضرت موسیٰ رضا

نیشاپور میں تشریف فرما ہیں۔ دل میں کہنے لگا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ آپ کی خدمت میں جاؤں شاید کوئی علاج بتائیں۔ رات خواب میں دیکھا۔ گویا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا علاج کوئی اور سحر قدح ہے۔ ان تینوں کو پانی میں بھگو کر دو تین بار زبان پر رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ شفایاب ہو جاؤ گے۔ جب بیدار ہوا تو خواب کا اعتبار نہ کیا اور نیشاپور جا پہنچا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ابھی بات نہیں کی تھی کہ آپ نے فرمایا: تمہاری زبان کا علاج تو وہی ہے جو خواب میں بتایا گیا تھا۔ میں نے گزارش کی کہ ایک بار اور فرمادیکھئے آپ نے فرمایا: کوئی اور سحر قدح — ان تینوں کو پانی میں بھگو کر زبان پر رکھو، بحکم خدا شفا ملے گی۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص سندھ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا، سندھی میں بات کرتا تھا آپ نے بھی سندھی میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ اس نے گزارش کی کہ مجھے عربی نہیں آتی ان شاء اللہ عربی سیکھ لوں گا۔ آپ نے دست مبارک اس کے ہونٹوں پر پھیرا تو وہ اسی وقت فصیح عربی میں گفتگو کرنے لگا۔

ایک دن حضرت امام اپنے صحن میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا آپ کے قدموں میں آگری۔ اور بوٹ بوٹ ہو کر فریاد کرنے لگی۔ آپ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ چڑیا کہہ رہی ہے کہ اس کے گھر میں سانپ ہے اور اس کے بچوں کو کھانا چاہتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جلدی سے سانپ کی تلاش کرو اور سانپ کو مار دو۔ ایک خادم اٹھا اور حجرہ میں گیا۔ دیکھا کہ ایک خونخوار سانپ چھت پر ٹنک رہا ہے، اسے پکڑا اور مار دیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، میری بیوی حاملہ ہے، دعا فرمائیں، اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی کے پیٹ میں تو دو بچے ہیں وہ شخص گھر گیا تو چند دن گزرنے کے بعد اس کے دو بچے ہوئے۔ اس نے چاہا کہ ایک کا نام محمد رکھوں اور دوسرے کا علی۔ آپ نے زور سے کہا، نہیں نہیں، ایک کا نام علی رکھو اور دوسرے بچے کا نام ام عمر! یعنی ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت کی وفات کا واقعہ شواہد النبوت میں یوں قلمبند

کیا ہے۔ آپ کا خادم خاص ابو الصلت بیان کرتا ہے کہ ایک دن امام ذوی الاکرام علی بن
 موسیٰ رضا کھڑے تھے۔ مجھے فرمانے لگے کہ تم ہارون کی قبر کے گنبد کے پاس چلے جاؤ اور اس کے
 پتھاروں طرف سے مٹی لیتے آؤ۔ میں گیا اور مٹی لے آیا۔ آپ نے سونگھ کر پھینک دی اور کہا دیکھنا
 مجھے یہاں ہرگز دفن نہ کرنا۔ یہاں ایک پتھر ظاہر ہوگا۔ جو شکست کن بتیاری بھی لایا جائے گا پتھر کو
 توڑ نہیں سکے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: فلاں مقام سے مٹی اٹھا لاؤ۔ میں گیا تو لے آیا اور فرمایا کہ
 میری قبر اس جگہ بنانا اور میرے دفن کرنے کے وقت تم یہاں حاضر رہنا اور لوگوں کو کناک سات
 درتے نیچے لے جائیں اور قبر کے درمیان شق کریں۔ اگر وہ چھوڑ دیں تو پھر کناک نہ بنائیں۔
 دفن سے پہلے میرے سر کی جگہ سے پانی کا چشمہ نکلے گا۔ یاد رکھو جس کلام سے میں تم سے بات
 کر رہا ہوں اسی کلام سے وہاں کلام کرنا۔ پانی جو شش مارے گا اور ساری حد پانی سے بھر جائے گی
 اور پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی نظر آئیں گی۔ یہ روٹی ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کو کھلا دینا۔
 پھر ایک بہت بڑی مچھلی ظاہر ہوگی۔ وہ چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائے گی۔ جب ساری مچھلیاں
 گم ہو جائیں گی، پانی پر ہاتھ رکھنا اور یہ کلام پڑھنا۔ پھر پانی کم ہو جائے گا اور حد خشک ہو
 جائے گی لیکن یہ تمام باتیں مامون الرشید کے سامنے کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا، ابو الصلت
 کل میں مامون کے سامنے جاؤں۔ جب میں وہاں سے باہر آؤں گا میرے سر پر کوئی چیز نہیں
 ہوگی۔ پھر میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ اگر میرے سر پر کوئی چیز ہوئی تو میرے ساتھ باتیں
 کرنا۔ جب رات گزر گئی، صبح ہوئی تو آپ نے نئے کپڑے زیب تن کئے اور انتظار کرنے لگے
 حتیٰ کہ مامون کا غلام آپ کو بلانے کو آگیا اور آپ کو مامون کے پاس لے گیا۔ اس وقت مامون کے
 سامنے تازہ انگوروں کے طبق پڑے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ایسا انگور پہلے دیکھا ہے؟
 آپ نے فرمایا، ان انگوروں سے اچھے انگور بہشت میں ہیں۔ مامون نے کہا کہ یہ انگور کھا لو۔
 آپ نے فرمایا، مجھے معذور سمجھیں۔ مامون نے بڑی تعریف کی۔ کیا آپ میرے دل کو توڑ
 رہے ہیں یہ کہہ کر ایک خوشہ خود اٹھا کر کھانے لگا۔ باقی کے حضرت کو دے دیئے۔ آپ نے
 تین دانے کھائے اور باقی کے دانے پھینک دیئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ مامون نے کہا:
 آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جہاں آپ نے بھیجا ہے۔ کوئی چیز سر پر پہن لی اور

اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ کتے ہیں، اماموں نے ان انگوروں میں زہر بلا بل ملا دیا تھا اور حضرت امام کو کھلا دیئے۔ تین دنوں کے بعد اس نے خود کھانے وہ زہر سے خالی تھے۔ چونکہ مجھے ہدایت تھی جب میں نے سر پر کچھ پینا تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے گھر پہنچ کر فرمایا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود بستر پر بیٹ گئے۔ میں مکان کے صحن میں پریشانی کے عالم میں پھرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اندر سے نکلا جو شکل و شباہت سے حضرت سے متماثل تھا۔ میں دوڑ کر قریب گیا اور پوچھا، آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا: مجھے ابھی میرے بلایا گیا ہے اور میں بارہ اماموں میں سے ہوں۔ میں نے نام پوچھا تو آپ نے بتایا میرا نام حجۃ اللہ محمد تقی بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ۔ پھر والد محترم کے پاس آیا۔ خود پہلے گئے اور مجھے نہیں لے گئے۔ جب امام نے اسے دیکھا تو وہ اٹھے، گلے لگایا اور دو آنکھوں کے پاس بوسہ دیا اور اپنے بستر پر بٹھایا اور بیٹ گئے۔ وہ والد محترم کی طرف منہ کر کے بعض راز دارانہ باتیں کہنے لگا۔ اس وقت میں نے حضرت امام کے لبوں پر جھاگ دیکھی، جو برف سے بھی زیادہ سفید تھی۔ محمد تقی اسے پاٹ رہے تھے اور ہاتھ باپ کے سینہ پر رکھے ہیں۔ پیرا بن کے اندر پھیر رہے ہیں اور کوئی چیز چڑیا کی طرح نکالی اور دیکھتے دیکھتے حضرت امام رضا واصل تہی ہو گئے۔ امام محمد تقی نے فرمایا: اسے ابوالصلت اٹھو اور پانی لاؤ اور ایک تختہ لیتے آؤ۔ میں نے عرض کی کہ اس وقت پانی ہے نہ تختہ۔ آپ نے فرمایا: ہے۔ میں اٹھا، پانی بھی مل گیا۔ یہ پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا اور صندلی لڑی کا ایک تختہ بھی پڑا تھا جس سے میرا دماغ معطر ہو گیا۔ اٹھا کر لے آیا۔ آپ نے اپنے پر بزرگوار کو غسل دیا۔ میں نے چاہا کہ مدد کروں مگر آپ نے فرمایا میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو مدد کر رہے ہیں، تمہاری ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اندر جاؤ، ایک صندوق پڑا ہے اس میں کفن پڑا ہوگا۔ میں باہر گیا تو صندوق موع کفن لے آیا۔ چنانچہ اسی کن میں کنین کی گئی اور نماز جنازہ ادا کی۔ پھر مجھے فرمایا کہ تابوت لے آؤ۔ میں نے عرض کی۔ اگر حکم ہو تو کسی ترخان کو لے آؤں تاکہ تابوت تیار کرے۔ پھر فرمایا کہ ترشہ خانہ میں جاؤ۔ وہاں تابوت پڑا ہے۔ میں گیا تو وہاں تابوت پڑا تھا۔ ایسا تابوت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اٹھا کر لے آیا۔ آپ کی نعش پاک کو تابوت میں رکھ دیا گیا اور پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ابھی نماز جنازہ

مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تابوت اپنی جگہ سے اٹھا اور چھت کو پہاڑ تا بوا آسمان کو اڑ گیا اور نظروں سے
 غائب ہو گیا۔ میں نے کہا، اسے ابن رسول! مامون ابھی آ رہا ہو گا۔ اگر سے تابوت نہ ملا تو
 کیا کئے گا۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو، تابوت ابھی واپس آ جائے گا۔ ایک گھنٹے کے بعد
 تابوت واپس آ گیا اور اسی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر نقش کو تابوت نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ تابوت اور
 کفن ساری چیزیں میری نظر سے غائب ہو گئیں۔ نقش یوں دکھائی دینے لگی کہ اسے ابھی تک
 غسل بھی نہیں دیا گیا۔ پھر کہا کہ اٹھو اور دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو مامون اپنے
 غلاموں کے ساتھ اندر داخل ہوا اور کمر و فریب سے رونے لگا اور امام وقت کے تجہیز و تکفین
 کی تیاری شروع کر دی۔ جس جگہ پہلے قبر کھودی گئی ایک سخت چٹان آئی۔ پوری کوشش کے باوجود
 بھی وہ چٹان ٹوٹ نہ سکی۔ وہاں سے بٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی گئی میں آنحضرت کی وصیت
 کے مطابق اسی قبر پر حاضر رہا۔ جب لحد تیار ہوئی تو قبر کے سر پر پانی کی نمی ظاہر ہونے
 لگی۔ میں نے وہ کلمات جو مجھے پڑھانے گئے تھے، پڑھے تو زمین سے پانی ابلنے لگا۔ لحد پر جو گئی۔
 اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آنے لگیں۔ میں لحد کے ٹکڑے ان کے سامنے پھینکا اور شروع
 کر دیئے۔ وہ کھانے لگیں پھر ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی اور ان ساری مچھلیوں کو کھانسی اور پھس
 خود بخود غائب ہو گئی۔ پھر میں نے وہی کلمات پڑھے تو پلنی زمین میں دھنس گیا اور لحد کی زمین
 خشک ہو گئی۔ گویا یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھتے ہی مامون کہنے لگا: علی رضا اپنی زندگی میں بعض عجائبات دکھایا کرتے تھے۔
 آج موت کے بعد بھی وہی عجائبات نظر آ رہے ہیں۔ ایک شخص جو محب اہل بیت تھا کہنے لگا
 یہ اس بات کی علامت ہے کہ عباسی حکومت کا اسی طرح خاتمہ ہو جائے گا جس طرح ان چھوٹی چھوٹی
 مچھلیوں کا ہوا ہے اور وہ دنیا کے تھوڑے پانی میں مغرور ہیں۔ کوئی ایسا آدمی اس بڑی مچھلی کی
 طرح نمودار ہو گا جو اس سلطنت کو تباہ کر دے گا اور پھر نہ چھوٹی مچھلی رہے گی نہ بڑی۔ صرف
 اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ مامون نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ چنانچہ حضرت امام کو اسی قبر میں
 دفن کیا گیا۔

آپ کا مزار ولایت طوس قرب سنایا میں واقع ہے۔ آپ ۹۔ رمضان المبارک ۲۰۸ھ کو

فوت ہوئے۔ بعض تذکروں میں ۹۔ ماہ صفر ۲۰۳ھ اور ۲۰۵ھ اور ۲۰۶ھ بھی تحریر ہے۔

آن امام علی رضا موسیٰ قرۃ دیدہ نبی و عسلی !
طالب عالی است توایدش رحلتش گو امام دین نبی !

۱۸۔ حضرت محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ

کنیت ابو جعفر، ابو جعفر ثانی، لقب نقی اور جواد تھا۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی حیران یا ریحانہ تھا۔ یہ ماریہ قبطیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ائمہ اثنا عشریہ میں نویں امام تھے۔ آپ مدینہ پاک میں بروز جمعہ ۱۰۔ رجب ۱۹۵ھ پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی پچیس سال ہی تھی کہ آپ کے علم و فضل کا شہرہ دنیا بھر میں پھیل گیا اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچنے لگا۔ چونکہ ماموں کے ماتھے پر امام موسیٰ رضا کے قتل کا داغ بدنامی نمایاں تھا اس نے اس بدنامی کے داغ کو دھونے کے لیے اپنی بیٹی ام الفضل کو آپ سے بیاہ دیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہ ہر سال کے خوپ کے لیے ایک ہزار دینار بھی دیتا تھا۔

آن حضرت ایک بار گیارہ سال کی عمر میں شہر کی ایک گلی میں چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاقاً ماموں شکار کے لیے باہر جا رہا تھا اسے دیکھ کر سارے لڑکے بھاگ گئے مگر آپ کھڑے رہے۔ جب ماموں نزدیک سے گزرا تو آپ کو دیکھا اور تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھنے لگا، بیٹا! تم دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگ گئے؟ آپ نے فرمایا، راستہ تنگ تو نہیں کہ میرے ٹھہرنے سے آپ کو گزرنے میں تکلیف ہو۔ نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر بھاگ اٹھا۔ میرا حسن ظن بھی یہ ہے کہ آپ بلا وجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ماموں ان باتوں سے بہت خوش ہوا اور آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتایا: محمد بن علی رضا۔ چنانچہ واپسی پر ماموں اسی راستے سے گزرا تو آپ کے لیے ایک شکاری باز چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد ظاہر ہوا تو اس کے پنجے میں ایک نیم جان مچھلی تھی۔ ماموں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر واپس آ گیا۔ جب آپ کے پاس آیا تو آپ کو

پوچھنے لگا، محمد یہ کیا بات ہے کہ باز پھیل پڑ کر لا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يَمِينًا فِي بَعْرِ قَدْرَتِهِ سَحَابًا صَغِيرًا تَصَدُّهَا بَدَائِلُ الْمَلُوكِ وَالْمَخْلُفَاتِ فَيَحْشُرُونَ بِهَا سُلَالَةَ أَهْلِ**

النَّبوت۔ جب ماموں نے یہ بات سنی تو کہنے لگا۔ واقعی آپ ابن الرضا ہی ہیں۔

جب ماموں نے اپنی بیٹی ام الفضل کو حضرت امام کے نکاح میں دے کر مدینہ روانہ کر دیا تو آپ راستے میں چند روز کوثر میں ٹھہرے۔ آپ کے قیام کا آخری دن تھا کہ آپ ایک مسجد میں تشریف لائے جس کے صحن میں بیری کا ایک درخت تھا۔ اس پر کبھی بھی پھل نہیں لگا تھا آپ نے پانی کا ایک کوزہ طلب کیا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی پی کر باقی درخت کی جڑوں پر چڑھ گیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اس درخت کے پاس آئے ہی تھے کہ وہ پھل سے بھرا پڑا تھا۔ یہ پھل میٹھا بھی تھا اور بغیر گھٹلی کے بھی۔ لوگ اسے بڑے شوق سے تبرک سمجھ کر لے جاتے۔

صاحب الشواہد النبوت^۱ مولانا جامی فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے ایک شخص نے روایت کی ہے کہ میں ایک دفعہ عراق میں ایک ایسے آدمی کے متعلق سنا جس نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا اور اسے لہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ میں بھی اسے دیکھنے گیا اور دربان کو اطلاع دے کر اس کے پاس پہنچا، وہ ایک فہیم، ذہین اور باہوش آدمی نظر آتا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کیا ماجرا ہوا۔ اس نے بتایا کہ میں شام میں عبادتِ خداوندی میں مشغول تھا۔ جس مسجد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر رکھا گیا اس میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک رات میں بادِ اٹلی میں مشغول رہ رہ کر بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا: اٹھو۔ میں اٹھا اور اس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ مجھے گونے کی ایک ایسی مسجد میں لے گیا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ امامت کرایا کرتے تھے۔ اس نے مجھے پوچھا، جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔ میں نے کہا: یہ کوثر کی مسجد ہے۔ وہ نماز میں مشغول ہوا اور میں بھی نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ہم اس مسجد سے نکل کر شہر سے باہر آ گئے اور تھوڑے ہی وقت میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ اس مسجد میں بھی دو رکعت نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے اور چند قدم اٹھانے کے بعد ہم نے اپنے آپ کو بیت اللہ میں دیکھا، وہاں نماز ادا کی اور جب بیت اللہ شریف سے باہر آیا تو وہ

غائب تھا۔ میں اس واقعہ سے بڑا ہی متعجب ہوا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ یہ شخص کون تھا اور کہاں سے آیا۔ جب اسی حالت میں ایک سال گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ اسی وقت اور اسی مقام پر رات کے وقت وہی شخص آیا اور مجھے ساتھ لے لیا اور گزشتہ سال کی طرح مجھے اُن اُن مقامات سے گزارتا گیا۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو میں نے اسے قسم دی کہ اپنا نام و پتہ تو بتا جاؤ۔ اس نے کہا: میرا نام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر امام ہے۔ صبح ہوئی تو میں نے بعض لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رفتہ رفتہ یہ واقعہ حاکم وقت نے بھی سنا اور مجھے دعوت نبوت کے الزام میں قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ دراصل میں غلطی پر ہوں کہ رازدارانِ خیمہ کے رازوں کو افسانہ کی طرح سمجھ کر ہوا ہوا۔ یہ بات سن کر میرے دل میں بڑا رعب پیدا ہوا اور میں نے حاکم وقت کو ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ جو شخص ایک رات میں کوفہ سے مدینہ اور مدینہ سے بیت المقدس ہو کر واپس آیا ہے اسے کہیں کہ وہی لوگ اسے قید و بند سے بھی نجات دلا دیں۔ مجھے اس تحریر سے بڑا دکھ ہوا اور میں منموم ہو کر اٹھ کھڑا آیا تاکہ اسے رقعہ کے جواب سے آگاہ کروں۔ میں جیل کے دروازے پر پہنچا تو تمام پہرہ دار اور سپاہی پریشاں نظر آئے۔ میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ دعویٰ نبوت کرنے والا قیدی گم ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں چل رہا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھالیا۔

آپ نے وفات سے تیس ماہ پہلے اپنی وفات کی تاریخ کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ فلاں نیک انسان نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کے جسم کے کپڑے مانگے ہیں تاکہ اپنا کفن بنا سکے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب وہ شخص میرے کپڑوں کے کفن سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ امام کی اس بات سے وہ شخص کچھ نہ سمجھا مگر اس نے اس شہر میں پہنچ کر سنا کہ وہ نیک آدمی کئی دن سے واصلِ بقی ہو چکا ہے اور اسے دفن کر دیا گیا ہے۔

آپ کے احباب میں سے ایک شخص سفر کی تیاری میں مشغول تھا اور آپ کے پاس سلام الوداع کہنے آیا۔ آپ نے فرمایا، آج جانے کا دن نہیں ہے اس لیے آج ٹھہر جاؤ۔ وہ اپنے شہر سے روانہ ہو کر ایک دوسری جگہ جا ٹھہرا۔ اتفاقاً اس رات ایک سیلاب آیا جس سے وہ

غرق ہو گیا۔

مامون کی وفات کے بعد جب تمبیکل ماہ گزرے۔ تباریخ ششم ماہ ذوالحجہ ۲۲۱ھ
معتصم باللہ کے زمانہ اقتدار میں زہر لالی کے صدمہ سے فوت ہوئے۔ یہ زہر معتصم باللہ کے
حکم سے دیا گیا۔

سالِ وصلش اگر کنی تحقیق بہت ظاہر ز زاید صدیق
سالِ ترحیل اں شد عظیم بہت مہدی ہادی عالم

۱۹۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد۔ ابو عبد اللہ ہے۔ نام محمد اور احمد بن حنبل تھا آپ ائمہ اربعہ میں
سے امام چہارم تھے۔ آپ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت باقرال مختلف ۱۹۴ھ یا
۱۹۵ھ میں ہوئی۔ پہلے قول کریم مستمعان تھے ہیں۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی
تھی۔ روانہ مصری، بشرحانی، سری سقطی اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم آپ کے زمانہ کے
بہت بڑے معروف بزرگ تھے۔ حضرت بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت
امام احمد بن حنبل کی تین خصلتیں ہیں جو مجھے نہیں ہیں۔ اول طلب حلال برائے الی و عیال۔
ہم طلب حلال محض اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ علم و حق میں مشغول ہیں۔ میں صرف
بجی مشغول ہوں علم میں نہیں۔ وہ علم کی وجہ سے وارث پیغمبر خدایں ہیں۔ میں صرف پیرو پیغمبر ہوں۔
آپ کے ایک شاگرد کی والدہ بیمار ہو گئی اور زندگی سے مایوس ہو گئی۔ اس نے اپنے
بیٹے کو کہا کہ امام صاحب کے پاس جاؤ اور میرے لیے دعائے شفا طلب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ
وہ ہماری تجارت نہیں کریں گے۔ وہ شخص حضرت کے دروازہ پر پہنچا اور آواز دی۔ آپ نے
فرمایا تم کون ہو، کئے لگا، ایک محتاج سائل ہوں جس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے لیے دعا
شفا کرانے آیا ہوں۔ آپ اسٹے، غسل کیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ خادم نے کہا: تم جاؤ!
حضرت امام تمہارے کام میں مشغول ہو گئے ہیں۔ جب وہ گھر آیا تو ماں نے بسترِ عیال سے

اٹھ کر دروازہ کھولا اور بیٹے کو خوش آمدید کہا جیسے پہلے کسی بیمار نہیں تھی۔

ایک دن امام محمد حنیفہؒ آپ پر وضو کر رہے تھے۔ ایک اور شخص آپ کے اوپر کی طرف بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ از رو تحریر و تعظیم وہ اٹھا اور نیچے کی طرف آگیا۔ جب وہ آدمی فوت ہوا لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے بتایا: حرمِ امام کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

امام احمد جب تک بغداد میں رہے بغداد کی روٹی نہیں کھائی۔ کہا کرتے تھے، اس سرزمین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کر دیا تھا۔ اس کی ساری آمدنی غازیان اسلام کے لیے تھی اور تمام دولت موصل بھی جاتی تھی۔ حضرت موصل سے آٹا منگوا لیتے اور اسی آٹے کی روٹی کھاتے۔ آپ کے بیٹے صالح بن احمد ایک سال تک اصفہان کے قاضی رہے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ اپنے مکان کے سامنے ایک کمرہ بنا رکھا تھا جہاں دن رات بیٹھتے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ کوئی فریادی اگر رات کے وقت بھی آئے، خالی نہ جائے اور انصاف سے محروم نہ رہے۔ وہ یہ کام محض خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا کرتے تھے۔ عہدہ قضا سے علیحدہ ہونے کے بعد والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک دن حضرت امام حنبل کی روٹی کے لیے صالح کے باورچی خانہ سے خیر بیا گیا تو روٹی کھانے سے پہلے فرمانے لگے۔ کیا بات ہے آج روٹی سے خیانت کی بو آرہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بیٹے صالح سے خیر حاصل کیا گیا تھا۔ آپ فرمانے لگے وہ ایک سال تک عہدہ قضا پر فائز رہے ہیں۔ ان کا خیر میری روٹی کے لائق نہیں۔ میں اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس روٹی کا کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، دروازے پر رکھ دو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بتا دینا اس روٹی میں خیر صالح کے گھر کا ہے۔ آٹا امام احمد بن حنبل کا۔ اگر مرضی ہو تو کھا لو ورنہ خیر۔ کہتے ہیں، چالیس دن تک کوئی سوالی نہ آیا اور روٹی پڑی رہی اور سوکھ گئی۔ آخر کار ملازمین نے وہ روٹی دریائے دجلہ میں پھینک دی۔ جب آپ نے اس روٹی کے دجلہ برد ہونے کی خبر سنی تو اس دن سے لے کر موت تک دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی۔

عباسی سلطنت میں جب معتزلہ کا غلبہ ہو گیا تو ان لوگوں سے درباری احکام کے پیش نظر

امام احمد بن حنبل کو مجبور کیا کہ وہ بھی قرآن پاک کو مخلوق کہیں۔ جب آپ نے نہ کہا تو آپ کے دونوں ہاتھ کندھے پر باندھ دیئے اور خلیفہ وقت کے محل کے سامنے لائے۔ خلیفہ کے دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا: حضرت! میں چوری کیا کرتا تھا مجھے ایک دفعہ ہزار ڈنڈے مار گئے تو میں چوری نہیں مانا تھا۔ آپ بھی ثابت قدم رہیں۔ میں ایک بُرے کام پر صبر گزارا اور رہا ہو گیا۔ آپ حتیٰ پر ہیں: ثابت قدم رہئے۔ حضرت امام کے بڑھاپے کے باوجود ننگے بدن پر ایک ہزار تا زیا نہ برسایا گیا۔ آپ کو کہا گیا کہ جب تک آپ اقرار نہ کریں گے کہ قرآن مخلوق ہے، رہائی نہیں ملے گی۔ آپ نے آخرین دم تک یہ اقرار نہیں کیا۔

خلیفہ وقت کے سامنے حضرت امام احمد کے جسم پر تا زیا نہ برسائے جا رہے تھے۔ اتفاقاً آپ کا ازار بند کھل گیا۔ چونکہ آپ کے ہاتھ کندھوں سے بندھے ہوئے تھے اپنی ازار بند درست نہ کر سکے۔ کوئی ہاتھ غیب سے نمودار ہوا جس نے آپ کا ازار بند ٹھیک کر دیا۔ خلیفہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کو رہا کر دیا گیا مگر آپ اس عقوبت سے واصل بقی ہو گئے۔

حضرت امام حنبل عالم نزع میں ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ ابھی نہیں! ابھی نہیں! آپ کبیٹے نے پوچھا، ابا جان یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ بڑا خوفناک وقت ہے تم سوال کر رہے ہو۔ دعا کرتے جاؤ۔ تمام حاضرین جو میرے سر ہانے کھڑے ہیں ان میں ایک شیطان بھی ہے وہ میرے سامنے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے احمد! ایمان و جان دونوں مجھ سے سلامت لیے جا رہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں: ابھی نہیں! ابھی نہیں! یعنی جب تک ایک سانس بھی باقی ہے خطرہ باقی ہے۔ جب آپ واصل بقی ہوئے، آپ کا جنازہ اٹھا تو سبز مرغ آسمان سے اترتے دکھائی دیئے اور جنازے پر لوٹتے تھے۔ آپ کا جنازہ دیکھ کر دو ہزار گمراہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ان جامع الکرامات کی وفات بغداد میں بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۲۔ ریح الاول ۲۴۱ھ
د بقول دیگر ۲۴۲ھ معتزلہ کے ظلم و ستم سے ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار بغداد میں ہے اور
آپ کی عمر ۷۹ برس کی تھی۔

جناب احمد حنبل مشہور ہیں کہ بود او جامع معقول و منقول

ترویجش رقم کن قلب احمد
بترحیش بگو محبوب و مقبول

۲۰۔ حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہم

کنیت ابراحسن . ابراحسن ثالث . لقب بادی ، عسکری اور لقبی مشہور تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ شماتہ ، ام الفضل مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳۔ رجب ۲۱۲ھ بقول بعضے ۲۱۳ھ ہوئی۔ شواہد النبوت ، سفینۃ الاولیاء اور مخبر الواصلین میں مختلف سال دیئے گئے ہیں۔

حضرت لقبی ایک دن رے کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ ایک دیہاتی نے آکر عرض کی کہ میرے ذمہ ایک بہت بڑا قرضہ ہے کہ میں اس کے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ حضرت امام اس کی بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک تسک تیس ہزار کا لکھ دیا اور اپنی مہر چسپاں کر دی اور اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کل جب میں امرام میں بیٹھا ہوا ہوں لے آنا اور شدید تمنا کرنا اور بیشک درشت کلامی سہی کر لینا اور اس تدبیر سے تمہارا قرضہ بیباق کرنے میں مدد مل جائے گی۔ دیہاتی نے تسک تمام لیا اور چلا گیا۔ ایک دن خلیفہ بغداد کو طے کے لیے بہت سی مخلوق آئی ہوئی تھی۔ مجلس جمی ہوئی تھی۔ اعرابی آگیا اور تسک نامہ پیش کیا اور تیس ہزار روپے کا تمنا کرنے لگا اور سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا رہا۔ حضرت امام نے بڑی نرمی سے اسے مالا اور سہولت کے ساتھ ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ خلیفہ نے یہ صورت حال دیکھی۔ تیس ہزار روپہ خزانے سے منگوا کر حضرت امام کی خدمت میں رکھا اور یوں آپ نے اس دیہاتی کو دسے کر روانہ کیا۔

ایک دفعہ خلیفہ متوکل بیمار ہو گیا۔ اس کی ران پر سخت قسم کا مچھوڑا نکلا جو کسی دوا سے ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ تمام اطباء اس کے علاج سے بے بس ہو گئے۔ متوکل کی والدہ نے نذرمانی کہ اگر میرا بیٹا صحت یاب ہو گیا تو اپنے مال کا کچھ حصہ حضرت امام کی خدمت میں بھیجوں گی۔ ایک دن فتح بن خاقان جو متوکل کے مقربین سے تھا کہنے لگا کہ کسی آدمی کو علی بن محمد کی خدمت

میں بھیجا جائے اور اس سے اس موذی مرض میں مدد حاصل کرنی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ امام کے پاس کوئی علاج ہو۔ متوکل نے ایک شخص کو حضرت امام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ابطا کی تشخیص و علاج کے بالکل برعکس کوئی چیز بھیجی اور کہا، اسے گھسا کر پھوڑے پر لگاویں۔ اللہ کے حکم سے شفا پائے گا۔ ابطا سُن کر مذاق کرنے لگے۔ فتح بن خاقان نے کہا۔ تجربہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اس چیز کو لایا گیا اور گھسا کر پھوڑے پر رکھا گیا۔ اسی دن جتنا مواد پھوڑے میں تھا باہر نکل آیا۔ دوسرے روز زخم مندمل ہو گیا۔ اور میرے دن غسلِ صحت کر لیا۔ متوکل نے اپنی والدہ کی نذر کے مطابق ایک ہزار دینار کی تحصیل حضرت امام کی خدمت میں بجا دی۔ چند دن بعد آپ کے بدخواہوں میں سے ایک نے کہا کہ امام کے پاس تو بہت سال و زر ہے اور اپنے گھر میں ایک کثیر دولت دبائے بیٹھے ہیں۔ اسلحہ کی ایک خاصی مقدار موجود ہے۔ اگر اس کا خزانہ اور اسلحہ فوری طور پر ضبط نہ کیا گیا تو چند دنوں میں فساد کا خطرہ ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ متوکل ڈر گیا اور اپنے خاص آدمی کو بلایا اور کہا آج رات چند واقعہ کار آدمی لے جا کر کسی حکمت عملی سے امام کے گھر سے تمام خزانہ اور اسلحہ لے آؤ تو بہت سی عنایات حاصل کرو گے۔

سعید کہتے ہیں کہ میں حسب الارشاد چند آدمی لے کر رات کے اندھیرے میں حضرت امام کے گھر گیا۔ ساتھیوں کو باہر کھڑا کیا اور ایک بیڑھی کے ذریعے اندھیرے ضمن میں اترا تو ایک شخص اندر سے پکارا، سعید! اپنی جگہ ٹھہراؤ میں شمع روشن کر کے لاتا ہوں تمہیں ساری چیزیں تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ جب شمع جلی تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام پشیم کپڑے پہنے مصلیٰ پر قیام و بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرا گھر تمہارے سامنے ہے، جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا لو۔ سعید کہتے ہیں، میں نے سارا مکان چھان مارا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ سوائے ایک تھیلی کے جس میں ایک ہزار دینار پڑے تھے اور اس پر خلیفہ کی والدہ کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تھیلی ابھی تک بند پڑی تھی۔ ایک جڑاؤ نکوا جو آپ نے مصلیٰ کے نیچے رکھی تھی دونوں چیزوں کو اٹھا کر میں خلیفہ کے پاس پہنچا۔ متوکل نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ نذرانہ بھیجا تھا کیونکہ میں نے تمہاری بیماری پر یہ نذرمانی تھی۔ آپ نے فرمایا، ایک تھیلی اور بھی امام کے ہاں بھیج دی جائے۔ اور تلوار بھی امام کو لوٹا دی۔

سیدتے ہیں، جب میں دونوں تھیلیاں اوتھو اور لے کر آپ کی خدمت میں دوبارہ گیا چونکہ میں نام نہ تھا میں نے آپ کے پاؤں چوم کر کہا: رات میں اس نیت سے آپ کے گھر بلا اجازت آیا تھا کیونکہ مجھے حکم سے رہائی نہیں تھی۔ آپ نے قسم فرمایا اور کہا: سَيُعْلَمُوا الذین ظلموا۔

جب متوکل نے حضرت امام کو دینہ سے عراق طلب کیا۔ آپ راستہ میں ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ یہ مقام بڑی ویران اور ناپسندیدہ جگہ تھی۔ ایک دن امام صالح ابن سعید کے احباب میں سے ایک صاحب خدمت مایہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا ابن رسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ نام اور عراقیوں کا شکر ہمیشہ ہر کام میں خفیہ طور پر آپ کی مخالفت کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پُراشوب مقام پر انہوں نے آپ کو ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے ابن سعید! تم ابھی اسی مقام پر رہو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھو اور آپ نے فرمایا: نظر اٹھا کر چاروں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دُور دُور تک خوش مناظر باغ، نہریں اور بلند و بالا محلات نظر آئے۔ مجھے یہ منظر بہشت سے کم نہ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم جہاں کہیں جی جوتے ہیں اسی طرف باغ و بہار مہک اُٹھتے ہیں۔ ان وحشت ناک مقامات سے ہم کبھی وحشت نہیں آتی۔

ایک شہنشاہ کو ذکری قاضی کے خلاف حضرت امام کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: دو ماہ تک صبر کرو۔ جب دو ماہ گزرے تو قاضی فوت ہو گئے۔

متوکل نے اپنے گھر میں بہت سونے کے پرندے جمع کر رکھے تھے۔ ان کے شور و غل سے بات سنی نہیں جاتی تھی۔ جب امام وہاں تشریف لے جاتے تمام پرندے خاموش ہو جاتے تھے۔ جب تک بیٹھے رہتے کسی بانور کی آواز نہ آتی تھی۔

ہندوستان کا ایک شہدہ باز متوکل کے دربار میں آیا اور عجیب و غریب شہدے سے دکھانے لگا۔ ایک دن متوکل نے شہدہ باز کو کہا: اگر تم اپنے شہدے سے علی نقی کو شرمندہ کر دکھاؤ تو میں تمہیں ایک نذر دینا رانعام دوں گا۔ وہ کہنے لگا: مجھے مجلس میں امام کے بالکل قریب بٹھا دینا، میں اسے شرمندہ کر دوں گا۔ جب مجلس لگی تو حضرت امام کو اس شہدہ باز کے ساتھ ہی

کھانا کھانے کو کہا گیا۔ جب امام اور دوسرے اہل مجلس کھانا کھانے لگے تو امام نے جس روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اڑ کر دوسرے شخص کی طرف چلی گئی۔ دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اہل مجلس اس شہدے سے بڑے محظوظ ہوئے اور حضرت امام پر بننے لگے۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ اس شہدے کا مقام یہاں ہے، جو شخص میرے پاس بیٹھا ہے آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس مکان کی دیوار پر ایک شیر کی تصویر نقش ہے۔ آپ نے اس شیر کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس دشمن اہل بیت کو پکڑ لو۔ علم سنتے ہی شیر اصلی شیر کی طرح اٹھا اور شہدہ باز کا ایک تکر کے پھر دیوار پر نقش بن گیا۔ متوکل نے بڑی کوشش کی کہ اسے لوٹا دیا جائے مگر آپ نے ایک نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ~~پہلے~~ فتنے کے عالم میں مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔

ایک دفعہ کسی امیر کے بیٹے کی دعوت و لیم پر بغداد کے تمام اہل جمع تھے، امام بھی وہاں ہی تشریف فرما تھے۔ ایک بے ادب آدمی مجلس میں بیٹھا بڑی بے ہودہ گفتگو کر رہا تھا اور آپ کا حق ادب بھی سامنے نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کس بات پر بنے جا رہے ہو حالانکہ تین دن کے بعد تم قبر میں ہو گے۔ دو شخص اسی دن بیمار ہو اور تیسرے دن مر گیا۔

ایک دن حضرت امام عباسیوں کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص گستاخانہ گفتگو کرتے کرتے حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کو آج کے کھانے میں ایک رقم بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اس کے گھر سے ایک ایسی خبر آنے والی ہے کہ اس کی زندگی حرام ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ دھوئے تو اس کا غلام آہ و فغاں کرتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا: تمہاری ماں کو ٹھٹھے سے گر گئی ہے اور وہ حالت نزع میں ہے۔ وہ زندگی میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہے۔ مجبوراً کھانا کھائے بغیر بھاگ گیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات مستنصر باللہ خلیفہ بغداد کے دورِ خلافت میں ہوئی اور بمقام سرمن رائے جو بغداد کے قریب ہی ہے، مدفون ہوئے۔ آپ بروز پیر آخر ماہ جمادی الآخر ۲۵۲ھ کو فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس یا اکتالیس سال تھی۔ آپ کا

عایشان مقبرہ نمرین راستے میں ہے۔

سالِ تولد آن شہِ ذیجاہ من رستم عالم ولی اللہ
نیز تاریخِ جلستِ آن شاہ بست سید ولی حق آگاہ
سالِ وصالِ خرد زول پر سید گشت ظاہر ولی بجنب سفید

۲۱۔ حضرت حسن بن علی بن محمد بن علی موسیٰ رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد، لقب زکی، خالص، سراج اور عسکری تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سوسن تھا وہ ائمہ عشرہ کے گیارھویں امام تھے۔ ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳۰ھ اور بقول دیگر ۱۳۳ھ میں ہوئی۔ آپ صحت ۲۹ سال زندہ رہے۔

محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ جعفر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معیشت بڑی مشکل ہو گئی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ آؤ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ وہ کرم و سخا میں بڑے مشہور ہیں۔ وہ گھر سے نکل کر حضرت کی انتظار میں راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اگر امام مجھے پانسو روپے دے دیں تو دو سو روپے کے کپڑے بنا لوں گا۔ ایک سو کا آٹا خرید لوں گا۔ ایک سو روپے سے متفرق اشیاء خرید لوں گا۔ ایک سو روپے سے نچ خرید کر کوہستان کے علاقہ میں چلا جاؤں گا۔ امام صاحب کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو خود ہی امام کے دروازے پر جا پہنچے اور کسی سے گفتگو کئے بغیر دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کا ایک خادم باہر آیا اور کہنے لگا کہ علی ابن ابراہیم اور ان کے خاستہ زادے اگر باہر ہوں تو اندر آجائیں ہم اندر گئے اور سلام کیا۔ آپ نے پوچھا: علی! بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے اور اتنی مدت ہوئی تمہیں ہمارے پاس آنے کو کون سی چیز مانع تھی۔ میں نے بتایا کہ سید سے شرم آتی تھی کہ اس تنگ دستی میں آپ کے پاس آنا۔ ملاقات کے بعد ہم اٹھے اور باہر نکلے ہی تھے کہ آپ کا ایک خادم پیچھے سے آیا اور پانسو روپے کی تحصیل ہمیں دے کر کہا۔ دو سو کے کپڑے بنا لینا۔ ایک سو کا آٹا، ایک سو کے مختلف اخراجات اور ایک سو کا نچ خرید لینا تاکہ کوہستان جانے میں آسانی ہو لیکن

حضرت امام نے فرمایا کہ کوہستان نہ جانا بلکہ فلاں جگہ جانا تاکہ وہاں زیادہ فائدہ ہو۔ میں حضرت کے حکم کے مطابق وہاں ہی گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا ہے کہ ایک بار میں بڑی تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا۔ میں حضرت حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا۔ میری داستان سنتے ہی زمین کو کوٹنے لگے اور پانصد کی ایک تھیلی نکال لی اور مجھے عنایت کر دی۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ میں خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ناحق قید میں پڑا تھا۔ میں قید و بند کی صعوبتوں سے تنگ آ گیا۔ میں ناچار ہو کر حضرت امام کے پاس شکایت لکھی۔ میں نے کہا کہ اپنی تنگ دستی کی داستان بھی لکھوں لیکن مجھے شرم آئی اور میں نے نہ لکھا۔ آپ نے میرے جواب میں تحریر کیا آج تم نلہر کی نماز اپنے گھر پڑھو گے۔ چنانچہ نلہر سے پہلے ہی مجھے قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ میں گھر گیا، نماز پڑھی ہی تھی کہ مجھے حضرت امام کا ایک خادم آتا دکھائی دیا۔ میں استقبال کو آگے بڑھا۔ اس نے مجھے ایک تھیلی اور رقم دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم نے شرماتے ہوئے مجھے کچھ نہ لکھا۔ یہ روپے لے لو، خرچ کرو اور پھر ضرورت ہو تو لکھنا۔

ایک اور آدمی نے بیان کیا کہ میرا والد حضرت امام عسکری کے گھوڑوں کا علاج کیا کرتا تھا اسی زمانہ میں خلیفہ کے اصحاب کے گھوڑوں میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کے تابع نہیں ہوتا تھا۔ اس کے منہ میں لگام نہیں ڈالی جاسکتی تھی چہ جائیکہ اس پر کوئی سوار ہو۔ چند سواروں نے اس پر سواری کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص جو دلی طور پر اہلیت سے لطف رکھتا تھا، کہنے لگا، امام حسن عسکری کو کہو کہ اس پر سواری کرے اور اس کو اپنا تابع کرے۔ اس کام میں وہ فائدہ سے ہوں گے۔ اگر گھوڑا مطیع ہو گیا تو بہتر روز حسن عسکری کو بلاکت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ پھر بھی ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور آپ اہلیت کے خطرے سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت امام کو طلب کیا گیا۔ جب آپ محل میں پہنچے تو وہ بد فطرت دشمن اہلیت منافقانہ استقبال کو بڑھا اور اپنے پاس لے آیا اور گھوڑے کو صحن خانہ میں منگوا کر حضرت امام کو کہا، اس کے منہ میں لگام دیکھئے۔ آپ اٹھے اور اس سرکش گھوڑے کے پاس جا کر اس کی پشت پر تھکی دی۔ گھوڑے کے

جسم سے پسینہ پھینکے لگا۔ آپ نے اس کے منہ میں شکام دی اور اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھے۔ اگرچہ وہ شرارت پسند و رباہی آپ کے کمال سے واقف ہو گیا تھا تاہم کہنے لگا۔ آپ اس پر زین رکھ کر دکھائیں۔ آپ اٹھے، زین گھوڑے پر رکھی اور واپس آ گئے۔ اس کے باوجود دشمنِ اہلبیت راضی نہ ہوا۔ اب آپ کو سواری کرنے کی فرمائش کر دی اور چند قدم چلانے کا بھی کہا۔ حضرت امام نے میرے والد کو حکم دیا کہ اس پر سوار ہو کر سخن میں چند قدم چلاؤ مگر اس شخص نے کہا کہ "ختم" آپ خود تکلیف فرمائیں۔ حضرت امام اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے اور سخن میں چلانے لگے۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ گھوڑے نے کوئی سرکشی نہ کی۔ لوگوں نے پوچھا، گھوڑا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑا اصیل اور خوش رفتار ہے۔ اس سے اچھا گھوڑا میرے دیکھنے میں نہیں آیا اور پھر وہ شخص کہنے لگا: یہ گھوڑا تو آپ کے لائق ہے۔ حضرت امام نے میرے والد کو فرمایا: گھوڑا میرے گھر لے چلو۔ میرا باپ سوار ہو کر آیا اور گھوڑا گھر باندھ لیا۔ اس دن کے بعد گھوڑے نے کبھی سرکشی نہ کی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بتایا کہ میں چند مسائل کے حل کرنے کے لیے حضرت امام کو قہہ لکھا اور دل میں کہا کہ سر کے چوتھے حصے کا سر درد بھی ہے لیکن اسے میں رقعہ میں لکھنا بھول گیا۔ حضرت نے میرے خط کے تمام مسائل کا حل لکھا اور ساتھ ہی لکھا کہ تم سر کے چوتھے حصے کے درد کا علاج پوچھنا بھول گئے ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ **بِنَارِ كَوْنِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى اٰبْرَاهِيْمَ** لکھ کر صاحبِ درد کے گلے میں ڈال دینا، **اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ دَرْدُكَ يَرْتَدُّ بِرَدِّكَ** میں نے ایسا ہی کیا اور بیمار شفا یاب ہو گیا۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور پوچھا: "مشکوٰۃ" کے معنی کیا ہیں؟ میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے التجائے دُما کی اور بیوی بچے کا نام بھی دریافت کیا۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ مشکوٰۃ قلبِ سولِ پاک ہے لیکن میرے بیٹے یا بیوی کے متعلق کچھ نہ لکھا سوائے اس عبارت کے جو رقعہ کے آخر میں لکھی تھی **اعظم الله اجرک واخلف علیک**۔ چنانچہ میری بیوی کے ہاں مُردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب دوسری بار حاملہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بچہ دیا۔

حضرت امام کی وفات بتعام سرمن رائے بروز جمعہ ششم یا ہفتم ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ آپ کو
 ناکم بغداد کے اشارے سے معاذین الجبیت نے کھانے میں زہر دے دیا اور آپ نے شہادت پائی۔

سال ترحیل آن شہر منظوم کشت پیدا ز سید مسوم
 باد بر جانش تا بروز قیام صد درود و سلام و الکرام

۲۲۔ حضرت محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالقاسم۔ لقب مہدی، حجة اللہ، قائم و منظر، صاحب الزماں اور خاتم الامم
 اثنا عشرتھے۔ علمائے اہل سنت و جماعت اور محقق تذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ کی ولادت
 سرمن رائے میں بتاریخ ۱۳۔ ماہ رمضان ۲۵۹ھ ہوئی۔ دوسری روایت میں ۱۰۔ شعبان برقت
 صبح ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام معقل، مومن، زحس تھا۔ حضرت حسن عسکری
 کی بچپن ہی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضرت حسن عسکری کے پاس بیٹھی تھی۔ آپ نے
 کہا، عمد محترمہ آج رات میرے پاس ہی ٹھہریں اللہ تعالیٰ آج ہمیں ایک لڑکا دے گا۔ میں نے
 کہا، بیٹا! لڑکا کس سے ہونا ہے۔ زحس کے گھس کے آثار نہیں ہیں۔ حضرت عسکری نے فرمایا، زحس
 بھی حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرح ہے، وہ ولادت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں حسب الارشاد
 رات ٹھہری۔ رات کا کافی حصہ گزرا تو میں اٹھی اور نماز تہجد ادا کرنے لگی۔ میرے دل میں خیال
 آیا کہ صبح ہونے کو ہے مگر امام کی بات سچی نہیں ہوئی۔ اتنے میں حضرت امام کی آواز آئی، عمد محترمہ!
 جلدی نہ کرو۔ میں اٹھی اور زحس کے کمرے کی طرف بڑھی تو انہیں اپنی طرف آتے دیکھا اور وہ کانپ
 رہی تھیں۔ میں نے انہیں سہارا دیا اور قل ہوا اللہ، اتنا ازلنا اور آیتہ الکرسی پڑھ کر دم کیا۔ اس
 کے بعد میں نے سنا کہ جو کچھ میں نے پڑھا تھا وہ بچہ بھی وہی الفاظ پڑھ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی سارا
 کمرہ روشن ہو گیا اور یہ خوش بخت بچہ پیدا ہوا اور آتے ہی سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے اسے اٹھایا۔
 حضرت امام عسکری نے اپنے حجرے سے آواز دی کہ میرے بچے کو میرے پاس لے آؤ۔ میں
 لے گئی۔ آپ نے اپنے بچے بغل میں لے لیا اور اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا، اسے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰتٰہُمُ الْحٰکِمَہُ مِمَّا کَفَرُوْا چنانچہ نپتے نے بر ملا کہا اِسْمُ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - وَنُویدُ اِنْ
تَمَّ عَلٰی الَّذِیْنَ اٰتَمَعْتُمْوَا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلُہُمْ اٰثِمًا وَنَجْعَلُہُمْ الْوَارِثِیْنَ -

پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے پڑے نپتے اتر رہے ہیں۔ حضرت امام نے ایک پڑے
کو بلایا اور کہا: خذہ وَاَحْفَظْہِ حَتّٰی یَاْذِنَ اللّٰہُ مِنْہُ فَانَ اللّٰہُ بِالْعٰمِرِیْنَ۔ امام نے پوچھا کہ ایک
پڑے سبز تھا اور دوسری مہنگیاں ہیں۔ یہ سبز پڑے حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور دوسرے
رحمت کے فرشتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اِسے پھوپھی! اس نپتے کو اس کی والدہ کے حواسے
کردو۔ تَقْرَعِیْنِہَا وَلَا تَحْزَنْ وَتَعْلَمِ اِنْ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلٰكِنْ اَكْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ - میں نے
نپتے کو اس کی والدہ کو دے دیا۔

حضرت ہمدی پیدائش کے وقت ہی ناف زدہ تھے اور ختمہ شدہ تھے اور ان کے امیں
بازو پر یہ آیت کریمہ تھی جَا اِحْقَ وَاذْہُوْا اِبَاطِلًا نَّالِبَاطِلًا كَانُ زَہُوْقًا۔ ولذوٰت کے بعد
آپ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور انکشت شہادت اٹھائی اور ایک تھینک ماری اور کہا اللّٰہُمَّ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

شہادۃ النبوت کے مصنف نے ایک روایت کھی ہے کہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا
اور پوچھا: اِسے خلیفہ رسول اللہ! آپ کے بعد کون جانشین ہوگا اور امام و خلیفہ کون ہوگا۔ آپ
اندر گئے اور ایک نپتے کو اٹھا لانے جو حسن و خوبی میں چودھویں کا چاند تھا اور اس کی عمر ابھی تک
تین سال تھی اور آپ نے کہا کہ تم خداوند تعالیٰ کی بکاؤ میں عزیز نہ ہوتے تو یہ بچہ میں تمہیں کبھی نہ
دیکھاتا۔ اس کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے اور اس کی کنیت بھی وہی ہے۔
ایک اور شخص کی روایت ہے، میں امام عسکری رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاضر ہوا۔ مجھے
آپ کے دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا کبوتر کھانی دیا جس کے دروازے پر دو ٹک رہا تھا۔
میں نے پوچھا، یا حضرت! آپ کے بعد مناسب ام کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اس کمرے میں
بتنے میں ایک روشن چہرہ اور خوب صورت بچہ پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے گریے
چہرے پر ایک خال سیاہ تھا اور دونوں طرف کالی زلفیں لٹک رہی تھیں۔ وہ آتے ہی حضرت
امام کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ ستہ وہ ستید جو میرے بعد تمہارا امام ہوگا۔ چند لمحوں کے بعد

وہ بچہ اٹھا اور پردے کے پیچھے چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: یا نبی او دخل علی الوقت المعلوم۔ اور پھر آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جاؤ اور باکرہ کیچھو پڑے کے پیچھے کون ہے۔ میں پردہ اٹھا کر کہے میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

ایک اور شخص کی روایت ہے کہ تین دن حضرت حسن عسکری نے وفات پائی۔ فرماؤ اسے بغداد خلیفہ معتضد نے مجھے دوسرے دو شخصوں کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور کہا: حسن عسکری سرمن ہائے میں وفات پا گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور اس کے گھر کی تماشی لو۔ جو بھی اس کے گھر میں موجود ہے میرے پاس لے آؤ۔ ہم اٹھ کر ان کے گھر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ اندر ایک دریا پر آواز اب تھا ٹھیں مار رہا ہے۔ پانی پر ایک کشتی ہے اور اس پر ایک حسین و جمیل آدمی نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ میرے پاس جو آدمی بیٹھے تھے انہوں نے چاہا کہ ان کے پاس جاؤں وہ پانی میں کود پڑے اور پانی میں غوطے کھانے لگے۔ وہ ڈوبنے ہی والے تھے میں نے ہاتھ پکڑا اور پانی سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے پانی میں پاؤں رکھا اور چاہتا تھا کہ اس کے پاس پہنچے مگر وہ بھی ڈوبنے لگا۔ وہ قریب المرگ تھا کہ میں نے ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ میں حیران تھا اور پکار کر کہا کہ اسے صاحبِ غاناہ! میں آپ سے اور خدا سے معافی کا خواستگار ہوں ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا حال ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا اس سے واپس آتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اس قسم کی باتیں کیں مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ ہم ناچار واپس آ گئے اور معتضد خلیفہ بغداد کے پاس پہنچ گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ اس نے کہا: اس راز کو پوشیدہ رکھاؤ نہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

واضح ہو کہ حضرت امام مہدی کے نائب ہونے اور وفات پانے کے معاملے میں اہل سنت و جماعت کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولانا جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں دی ہے۔ جامع النہول میں بھی ایسا ہی مفصل بیان ہے۔ مختصر یہ کہ علمائے اہل سنت امام مہدی کو مہدی آخر الزماں نہیں مانتے۔ وہ آپ کی وفات جو ۲۶۶ھ میں واقع ہوئی اس کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں مہدی آخر الزماں موسم بہار میں محمد بن عبداللہ حضرت عیسیٰ کے نزول آسمان سے پہلے خانہ سادات میں پیدا ہوں گے مگر شیعوں کا فرقہ امامیہ حضرت مہدی کو مہدی

آخر الزماں تصور کرتا ہے اور ان کے غائب ہو جانے کے معتقد ہیں۔ وہ کہتے ہیں، حضرت امام محمد بن حسن کو خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید ملی ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جانتا بڑا ضروری ہے کہ فضیلت و کمال ولایت اور کرامت حضرات اہلبیت کو صرف انہی بارہ حضرات تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ ان حضرات کے فضائل و کمالات کی بڑی شہرت ہے کیونکہ اہلبیت کی فضیلت، طبقات آمد اور ان کے مدوحین میں پائی جاتی ہے۔ متاخرین نے بھی ان حضرات کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے فضائل سے پُر ہیں لیکن ایسے کمالات دوسرے بزرگانِ امت جنابِ غوث الاعظم اور حضرت ابراہیم معلوی وغیرہما میں بھی پائے جاتے ہیں۔

آپ کا سن وفات یا سالِ نبییت مختلف اقوال کی روشنی میں دو سو چونتیس ۲۶۴ء ہے۔ بعض نے ۲۶۹ء بھی لکھا ہے اور بعض تذکروں میں ۲۶۶ء بھی آیا ہے۔ ہمارے نزدیک آخرین قول ہی زیادہ صحیح اور مستند ہے۔

گر تو تاریخِ غیبتش جوئی !! یوسفِ حق چرانہ می گوئی
باز تاریخِ آں ولیِ ولی !! گفت سرورِ ولیِ حق عالی

۲۳۔ حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہ

معروف نام۔ ابو محفوظ کنیت۔ والد کا نام فیروز یا فیروزان یا علی کرخی تھا۔ مضافاً بغداد کے ایک گاؤں کرخی کے رہنے والے تھے۔ پہلے اپنے والدین کے مذہب ترسا پر تھے۔ ترسا رومی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اطلاق نصارا و آتش پرست دونوں پر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضا امام ششم ائمہ اثنا عشریہ بن امام موسیٰ کاظم کے ہاتھ پر شرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی ان کی ظاہری باطنی تربیت اسی طرت پر کی کہ امام طریقت اور شہدائے حقیقت ہو کر دین و دنیا دونوں میں معروف و معروف ہو گئے۔ علوم ظاہری حضرت امام عظیم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے تھے۔ طریقت میں حضرت حمیب راعی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔

اسے نام علی بن موسیٰ کاظم۔ کنیت ابو الحسن اور لقب رضا ہے۔ والد کا نام حنیفہ، شہانہ یا ام انبیین بیان کیا جاتا ہے جو امام موسیٰ کاظم کی والدہ حمیدہ کی لونڈی تھیں، صاحب علم و فضل تھے۔ ماموں رشید نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر کے انہیں اپنا ولی عہد نامہ دکر دیا تھا جس پر خاندان عباسیہ کے افراد سخت برہم ہوئے اور اسے فتنل بن سہل وزیر ماموں کی سازش سمجھایا کہ اس طرح خلافت کو جو عباس سے آل علی کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے۔ ماموں کے حالات کو سازگار نہ پا کر ان کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا۔ آپ نے ۹ رمضان ۱۵۱ھ میں حوس کے قریب مقام شہاباد میں وفات پائی جو اب مشہد کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام صاحب کو ماموں رشید نے انگوروں میں زہر دیا تھا لیکن بعض روایات اس کی تائید نہیں کرتے بلکہ اسے ماموں پر ہمت قرار دیتے ہیں۔ لے نعمان بن ثابت نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام عظیم لقب۔ آپ کا شمار تابعین سے ہے۔ متعدد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن حرت۔ معقل بن یسار۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ حضرت فضیل، جیاض، ابراہیم دم، بشعانی،

د باقی اگلے صفحہ پر

حضرت فرید الدین عطار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اوّل عمر میں جب ان کے والد انہیں اتناو کے پاس لائے تو استاد نے کہا 'کو ثالث و ثلاثہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرف اشارہ تھا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ التہ ایک ہے۔ استاد نے فہمے میں آکر ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس پر آپ کتب سے بھاگ گئے۔ ان کے والدین کو بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے کہ خدا کرے معروف واپس آجائے خواہ کسی مذہب پر آئے ہم اس کی موافقت کریں گے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد معروف گھر آئے۔ دروازے پر دستک دی۔ والدین نے اندر سے آواز دی کون ہے؟ کہا معروف۔ کہا کس دین پر آئے ہو؟ کہا دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ والدین نے موافقت کی اور حضرت امام علی رضا کی خدمت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام صاحب نے اپنے نام پر ان کے باپ کا نام رکھا۔

ایک روز حضرت معروف بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خواروں کی ایک جماعت سے ان کا آنا سا مانا ہو گیا۔ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے

بقیہ ماشیہ صلا

داؤد طانی رحمہ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد آپ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ آپ ائمہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ اماموں میں۔ علم و عمل زہد و تقویٰ اور حق گوئی میں بے نظیر و بے بدل تھے۔ علوم قرآن و حدیث و فقہ کے عظیم المرتبت مجتہد تھے۔ تحقیق حدیث و استخراج مسائل میں یرطولی رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے خداداد اجتہاد سے فقہ اسلام کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ صدیوں تک اسلامی ممالک کا آئین سلطنت رہا۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ لے حضرت شیخ مجد الدین بغدادی المتوفی ۹۱۵ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مولانا عبد الرحمن جامی المتوفی ۹۹۶ھ اپنی تصنیف نفحات الانس میں لکھتے ہیں: 'گروہ صوفیا میں سے کسی نے اپنے کلام میں اسرار توحید اور حقائق و معارف اس قدر بیان نہیں کئے جس قدر شیخ عطار نے بیان کئے ہیں۔ آپ کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیر زیادہ مشہور ہیں۔

حق میں بددعا کی درخواست کی تاکہ یہ بد اعمال اپنے کئے کی سزا پائیں شیخ نے ہاتھ اٹھا کر
دُعایا مائی۔ یا الہی جس طرح تو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح عاقبت میں بھی
انہیں خوشحال رکھ۔ دعا قبول ہوئی۔ شراب خواروں نے شراب کے مٹلے توڑ ڈالے۔ لرزتے
کانپتے اور گرتے پڑتے خدمت شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کئے پر عذرت چاہی۔ اس
پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھا جہاں میری دعائے خیر سے ہم
سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خوار کی آفت سے نجات
پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی اپنی مراد پا گئے۔ آپ کے خالو قصیدہ کرخ کے حاکم تھے۔ ایک
روز انہوں نے دیکھا کہ شیخ معروف ایک ویرانے میں بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں۔ ایک گٹا
سامنے بیٹھا ہے۔ ایک لقمہ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں اور دوسرا کتے کے منہ میں دیکھ کر خالو
نے کہا۔ معروف تجھے شرم نہیں آتی کتے کے ساتھ بیٹھا روٹی کھا رہا ہے۔ آپ نے کہا مجھے
خدا سے شرم آتی ہے اس لئے ایک لقمہ خور کھاتا ہوں اور دوسرا کتے کو کھلتا ہوں۔ اس عمل سے
مجھے وہ حکومت حاصل ہے جو تجھے میسر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر سر اٹھایا اور ایک اڑتے ہوئے پرند
کو بلایا۔ پرندہ آکر آپ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور اپنے سر و چشم کو پروں میں ڈھانپ لیا۔ شیخ نے
خالو سے مخاطب ہو کر فرمایا: دیکھا جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہے تمام دنیا اس سے شرم
کرتی ہے۔

ایک روز شیخ معروف دریائے وجد کے کنارے کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ
شیخ کو وضو کی حاجت ہو گئی۔ اس وقت وہیں بیٹھے بیٹھے تیمم کر لیا۔ پھر وضو کے ارادے سے
اٹھے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ جب دریا چند قدموں کے فاصلے پر تھا تو تیمم کی
کیا ضرورت تھی۔ فرمایا: مجھاس دنیا نے ناپا ندار میں زندگی کی امیدوم بھر کے لئے بھی نہیں
ہے۔ تیمم کرنے کا یہی سبب تھا کہ اگر دریا پر پہنچنے سے پہلے ملک الموت میری روح قبض
کر لے تو حالتِ حدث میں نہ مروں۔

وفات سے چند روز پہلے حضرت امام رضا کی ملاقات کے لئے گئے۔ دربانوں نے اذرنہ جانے دیا۔ جب اصرار پر نوبت پہنچی تو پاسبانوں نے شیخ کو زور و کوب کیا جس سے جسم پر شدید ضربات آئیں اور پسلی کی بڑی ٹوٹ گئی۔ یہی عدمہ آپ کی وفات کا باعث ہوا۔

وفات کے وقت شیخ سرے سقلی حاضر خدمت تھے۔ کہا: مجھے نصیحت و وصیت فرمائیے۔ فرمایا: جب میں مروں تو میرا کتبہ صدقے میں دے دینا تاکہ دنیا سے برہنہ جاؤں کیونکہ بطنِ مادہ سے برہنہ ہی پیدا ہوا تھا۔

جب وفات پائی تو یہود و نصارا دعویٰ کرنے لگے کہ شیخ ہمارے مذہب پر تھے۔ مسلمانوں نے تردید کی۔ نزاع برہمی۔ خدام کئے گئے ہمارے شیخ کی وصیت تو یہ ہے کہ جو ہمارا جنازہ زمین سے اٹھائے گا ہم اسی سے ہیں۔ اس پر یہود و نصارا نے باری باری جنازہ اٹھانے کی کوشش کی مگر اٹھانہ سکے۔ پھر مسلمان آئے انہوں نے جنازہ اٹھایا اور جس جگہ شیخ نے وفات پائی تھی وہیں دفن کیا۔ شیخ معروف تجرید و تفرید اور بے سروسامانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ علی بجزیری صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں: "شیخ معروف کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ علوم میں قوم کے مقتدا اور امام ہیں۔"

ابن عربی نے ایک جگہ بجزیری میں پیدا ہونے لکھے۔ والد کا نام عثمان بن ابی علی الجلالی تھا۔ مختلف شہروں میں علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کی تھی۔ حضرت شیخ ابو الفضل بن حسن القسلی المتوفی ۴۵۰ھ کے مرید تھے۔ شیخ ابو القاسم گرگانی المتوفی ۵۰۰ھ شیخ ابو سعید ابو الخیر المتوفی ۴۴۰ھ شیخ ابو القاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کے علاوہ اور بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا جنفی المذہب تھے۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے عہد حکومت میں ماہر تشریف لائے اور اشاعتِ اسلام کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ صحیح کو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ سرپر کو مبلغین کی روحانی تربیت کرتے تھے شام کو اسلام کی خوبیوں پر وعظ فرماتے تھے۔ اہل کفر و فکرا اور عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ تھا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بے شمار بندوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے کشف المحجوب کو قبول نام و عام کی سند حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف پر اولین کتاب ہے اس لئے تاریخ اعتبار سے بہت اہم ہے۔ آپ نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق شیخ ابو سعید بجزیری کی فرمائش پر لکھی تھی اس میں خاص اسلامی تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ تصوف کے اصول کو قرآن و حدیث کی (باقی صفحہ پر)

ایک روز شیخ معروف روزہ دار تھے۔ نمازِ عصر کے بعد بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سفقے نے آواز دی: برحمتہ اللہ من یشرب من فذ السماء یعنی اللہ اس پر رحمت کرے جو اس پانی کو پئے۔ شیخ معروف نے یہ آواز سنتے ہی پانی کا پیالہ اٹھا کر پنی لیا۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا آپ روزے سے نکلے؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں دعائے رحمت سن کر پانی پی گیا۔ وفات کے وقت ایک شخص نے شیخ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا: آپ سے خدا نے کیا سلوک کیا۔ فرمایا: سقہ کی اس دہلے رحمت پر مجھے بخش دیا جس نے اس کی طرف ترغیب دی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: جو افراد کی علامت تین چیزیں ہیں۔ ایک وفاداری جس میں بے وفائی کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرے تائش بے جوہر، تیسرے بے مانگے داود و ہش۔

۸۔ محرم ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ بعض مورخ ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں مگر صاحبِ نفحات الانس اور شہزادہ داراشکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء پہلے قول ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔
قطعہ تاریخ وفات: ۱۔

گشت چوں از جہاں دنیا طاق	شیخ معروف پیرِ والی کرخ !!
شد عیاں نیرِ زبدۂ آفاق	زبدۂ الصفا است تاریخش
باز تاریخ آن شہرِ مشاق	صاحبِ عادل است اہل بعثیں

۲۰۶

دقیقہ حاشیہ مشرقِ روشنی میں بیان کیا ہے اور مقامات تصوف کی کیفیت، اہل تصوف کے ارشادات، صوفیوں کے مختلف طبقات کے حالات اور معاصر صوفیوں کے رموز و نکات اور ذکر و شغل کے آداب مفصل طور پر لکھے ہیں۔ ابتدائے احوال میں سماعِ (توالی) کے شائق تھے پھر توبہ کر لی تھی فرماتے ہیں سماع کی خواہش نہ صرف اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ کی لذت حاصل نہ ہو۔

فرماتے ہیں، خدا برتر نے جس ایسے زمانے میں پیدا کیا جب انسانوں نے حرص کا نام شریعت، تکبر اور طلبِ جاہ کا نام عزت، ریا کا نام خوفِ خدا، بجات کا نام علم، مجاہدہ کا نام مباحثہ، انسانیت کا نام محبت، بے بیانی کا ہم فقر اور ترکِ شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں مرجعِ خلافت ہے۔ آپ کی

کنیت ابو الحسن اور تصنیف تاریخِ کرخ

marfat.com

Marfat.com

۱۴۔ حضرت شیخ سمری سقطلی قدس اللہ سرہ العزیز

سمری نام۔ ابو الحسن کنیت۔ حضرت شیخ معروف کرخی کے نامور فرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقدّمائے زمانہ شیخ وقت، صاحب علم اور امام اہل طریقت تھے۔ سب سے پہلے بغداد میں آپ ہی نے برسرِ منبر حقائقِ توحید بیان کئے۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل تھے۔ پیشہ تجارت تھا۔ خوردہ فروشی کی دکان تھی۔ متفرق چیزیں جیسا کرتے تھے۔ اس لئے سقطلی مشہور ہو گئے (سقطلی خوردہ فروش بساطی متفرق چیزیں بیچنے والے کو کہتے ہیں) دکان بازار میں تھی جس میں پردہ ڈال رکھا تھا۔ ہر روز ایک ہزار رکعت نمازِ نفل ادا کرتے تھے۔ دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لیتے تھے۔ ایک دن ساٹھ دینار کے بادام اٹھتے خرید لئے۔ ساتھ ہی بازار میں باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ ایک دلال آپ کے پاس آیا اور نہا کہ حضرت بادام بیچ ڈالئے۔ فرمایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ میں دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لوں گا۔ دلال نے کہا: میں آپ کے مال کو خسارہ پہ نہیں بچوں گا۔ فرمایا: میں اپنے دوسے کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس پر نہ دلال نے بادام فروخت کئے نہ آپ نے دیئے۔

ایک دفعہ بازار میں آگ لگی۔ جب یہ خبر شیخ نے سنی تو کہا: مقامِ شکر ہے متاعِ دنیا سے خلاصی پائی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ کہا مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات سے ہے۔ تمام مال راہِ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔

ایک روز شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا، آپ کے احوال کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ فرمایا: ایک روز حبیبِ راعی قدس سرہ میری دکان کے سامنے سے گزرے میں نے انہیں کچھ دیا کہ درویشوں میں بانٹ دیجئے۔ انہوں نے کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس روز سے مالِ میرے نے بے حقیقت ہو گیا ہے۔ دوسرے روز شیخ معروف کرخی آئے اُن کے ساتھ ایک تمیم بچہ تھا۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ کھا دو۔ میں نے اُسے کھا دیا۔ فرمایا حق تعالیٰ دنیا کو

تیرے دل کے لئے دشمن کروے اور تجھے اس شغل سے راحت دے۔ اسی روز سے میں دنیا و اہل دنیا سے فاسخ ہو گیا۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو عبادت میں سرقتی سے زیادہ کامل نہیں پایا۔ ۹۸ سال کامل گزر گئے کہ زمین پر پہلو تک نہیں رکھا جسبند بیماری و مرض الموت کے۔

ایک روز شیخ کی بہن آنی دیکھا کہ گھر میں برطون کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا ہے۔ شیخ سے جھاڑو دینے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ دوسرے روز شیخ کی بہن پھر آئی۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر میں جھاڑو دے رہی ہے۔ کہا سبحان اللہ مجھے تو جھاڑو دینے کی اجازت نہ دی مگر اس نامحرم عورت کو دے دی۔ فرمایا اسے بمشیر یہ بوڑھی عورت نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے جو میرے عشق میں جلتی تھی اور مجھ سے محروم تھی۔ اب اس نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ اپنا نصیب مجھ سے حاصل کرے اس لئے اسے میرے گھر کی جا رو ب کشتی کا حکم ہوا ہے۔

ایک رات حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہا اسے جد پیغمبروں دنیا میں گرفتار عشق یوسف ہو کر یہ کیا شور و فغاں پیدا کر دیا۔ عشق یوسف کے ساتھ عشق حق کس طرح جمع ہو سکتا ہے غیب سے ندا آئی۔ سری خاموش رہ یوسف کے جمال جہاں آ رہا کو دیکھ۔ جو نہی جمال یوسف کو دیکھا عشق کھا کر گر پڑے تیسرے روز ہوش میں آئے۔ پھر ندائے غیبی آئی سری یہ اس شخص کی نرا ہے جو عاشقان خدا کو ملامت کرتا ہے۔

ایک روز شیخ مجلس میں بیٹھے تھے کہ خلیفہ بغداد کا ایک مصاحب شیخ احمد نامی گھوڑے پر سوار اس طرف سے گزرا۔ شیخ نے توجہ باطنی دی وہ اسی وقت گھوڑے سے اتر کر جانے لگا خدمت ہوا۔ شیخ نے فرمایا: ایڑہ تعالیٰ کی ان گنت مخلوق میں سے آدمی سے زیادہ کوئی چیز ضعیف نہیں ہے۔ نیز انواع و اقسام میں سے کوئی چیز اتنی گناہ کار بھی نہیں ہے جتنا اپنی ضعیفی کے باوجود انسان ہے۔ کاش یہ ناکارہ اپنی قدر و منزلت جانتا کہ میں کیا چیز ہوں اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ شیخ کا یہ کلام نشر کی طرح شیخ احمد کے دل میں اتر گیا۔ اس قدر رویا کہ ہوش جاتے رہے۔ جب اپنے آپ میں آیا تو پھر اسی طرح روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ رات بھر

کسی سے بات چیت کی نہ کچھ کھایا پیا۔ صبح پچھتے شیخ میں حاضر ہوا کہا اسے استاد
 تیرا یہ سخن میرے دل میں گونگ کر گیا ہے۔ دنیا میری نظروں میں بیچ و ناکاہ ہو گئی ہے۔ اب دل میں
 یہی سمائی ہے کہ ترک مدنی کروں۔ اس معاملے میں میری رہنمائی کیجئے۔ فرمایا: اس منزل کی
 طرف ایک راہ عام ہے اور ایک راہ خاص ہے۔ راہ عام تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز
 باجماعت ادا کی جائے۔ مال ہو تو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھے
 جائیں۔ حج بیت اللہ کیا جائے۔ خدائے تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم کی رسالت عادل و جان سے اقرار کیا جائے۔ راہِ خاص یہ ہے ان کے ساتھ
 ترک دنیا کی جائے۔ کسی آرام و آسائش کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ اگر کچھ دیا بھی جائے تو نہ
 لیا جائے۔ غیر اللہ سے پوری طرح روگردانی کی جائے۔ دل کو اللہ کے ساتھ لگایا جائے۔ یہ
 سن کر شیخ احمد نے کہا اسے استاد اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں دو مہر راستہ اختیار کرتا
 ہوں۔ چند روز کے بعد ایک بوڑھی عورت بد حال و گریاں خدمتِ شیخ میں آئی اور کہا۔ اسے
 امام اہل اسلام میرا جواں بہت بیٹا ایک روز تیری مجلس میں آیا اور دیوانہ ہو کر گیا۔ اب میں
 نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اس عورت کی حالت زار پر شیخ کا دل پسیجا۔
 کما حقہ نہ کھا۔ پریشان نہ ہو۔ تیرا بیٹا جب آگیا تجھے اطلاع دوں گا۔ ایک رات شیخ احمد
 خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک خادم سے کہا جاؤ اس کی ماں کو بلا لاؤ۔ جب اس کی
 ماں اس کے اہل و عیال کے ساتھ آئی تو سب نے اسے دیکھ کر نالہ و فریاد کرنا شروع کر دیا۔
 ہر چند چاہا کہ ان کے ساتھ گھر چلے مگر وہ کسی طرح رانسی نہ ہوا بلکہ شیخ سے کہا آپ نے ان
 لوگوں کو ناحق بلایا ہے اور میرا وقت خراب کیا ہے۔ یہ تو میرے لئے وبال جان ہو گئے ہیں۔
 میرا وقت جو یاد الہی میں صرف ہونا تھا وہ عارتِ غول سر ہا ہے۔ اس پر اس کی بیوی بولی:
 تو نے اپنا بنا بنا یا کام خراب کر دیا ہے اور اپنے جیتے جی ہانک بگاڑ دی ہے۔ مجھ پر تو جو گنہہ
 کی اس کو خوش و ناخوش اپنے سر پر لوں گی۔ اس اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لیتا جا۔ اس نے کہا:
 بہت خوب۔ اس وقت لڑکے نے جو لباسِ فاخرہ زیب تن کر رکھا تھا باپ نے اسے اترا
 دیا اور اس کی بجائے اسے پرانی گڈڑی پننادی اور ہاتھ میں زنبیل دے دی۔ لڑکے کی

ماں نے جو یہ صورت دیکھی تو بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی اور شیخ احمد نے اپنی راہِ دشت لی۔ چند سال کے بعد ایک شخص خانقاہ شیخ سرخی میں آیا اور کہا مجھے شیخ احمد نے بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے میری سانس اڑی ہوئی ہے۔ ابھی وقتِ طہارت بن تشریف لائیے شیخ سرخی اس شخص کے ساتھ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا شیخ احمد خاکِ گورستان پر پڑا ہوا ہے اور کوئی دم کا مہمان ہے مگر زبان کو حرکت دیتا ہے۔ شیخ سرخی نے اس کے سر کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ شیخ احمد نے آنکھ کھولی اور کہا مجھ پر وقت آنے۔ یہ آخری ملاقات ہے یہ کہا اور اصل بچہ ہو گیا۔ شیخ سرخی اٹھے اور چاہا کہ تجویز و تکفین کا سامان کریں اس کو وہاں چھوڑا اور شہر کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ لوگوں کی ایک کثیر جماعت گورستان کی طرف آ رہی ہے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں کہ اس وقت آسمان سے آواز آ رہی ہے کہ جو پناہتا ہے کہ خدا کے ولی کی نماز جنازہ پڑھے وہ گورستان کو جائے۔ پس ایک انبوہ کثیر شیخ احمد کی نماز جنازہ میں شریک ہوا اور اس کے جسم پاک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں شیخ سرخی مرض الموت میں تھے۔ میں ان کی عیادت کو گیا دیکھا کہ ایک پنکھا قریب ہی گرا ہوا ہے اسے اٹھا کر بلائے گا۔ شیخ نے آنکھ کھولی اور کہا جنید پنکھا ہاتھ سے رکھ دے۔ مجھے ہوانہ دے۔ ہوا سے آگ تیز تر جوتی ہے۔ میں نے کہا: مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا: حق کے ساتھ مشغول اور خالق کے ساتھ شامل رہو۔ آپ کا فرمان ہے مردہ ہے تو بازو میں بھی ذکرِ حق میں مشغول رہے۔ خرید و فروخت بھی کرے لیکن یادِ الہی سے بھی غافل نہ رہے۔

فرمایا: ہاں روہ ہے جو اپنے نفس امارہ پر غالب آئے۔

فرمایا: ادب دل کا ترجمان ہے جو شخص اپنے نفس کی تربیت و تادیب سے عاجز ہے وہ دوسروں

کو کیا ادب سکھا سکتا ہے۔

فرمایا: پانچ چیزیں دل میں نہیں رہتیں اگر دل میں دوسری چیز موجود ہو:

۱۔ خدا کا خوف ۲۔ جا

۳۔ محبت ۴۔ حیا

۵۔ خلق سے شفقت

فرمایا: خلق خدا وہ ہے جس سے مخلوق کو تکلیف و آزار نہ پہنچے۔
۳۔ رمضان ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ مرقد گورستان شونیز بغداد میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات ۱۔

شیخ سزئی امین سبز خدا محرم یازدہ واقعہ تفسیر
سال و عشرت بجز قطب الحق باز خواں سن ارتحالش میر
۲۵۰ ۲۵۰

۲۵۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ

کنیت ابو القاسم۔ لقب سید الطائفہ و طاؤس العلماء و قواریری و زجاج تھا۔
قواریری و زجاج آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید آگینہ فرودش تھے
نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن حضرت جنید کا مولد و منشاء بغداد تھا۔ حضرت سفیان ثوری
کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے اور انھی سے بیعت بھی تھے۔
حضرت رویم، حضرت شیخ ابوالحسن ثوری، حضرت شیخ ابوبکر شبلی، آپ کا ذکر آگے آئے گا۔

لہ سفیان نام۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ باپ کا نام سعید تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بزرگان وقت آپ کو
امیر المؤمنین و امام السلیب کہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے اکابر علماء و صحابہ سے حلیم و تربیت پائی تھی۔ حضرت
ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اویسی تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بڑے امیر و شفیع تھے
طبع میں بے حد سوز و گراں تھا۔ اپنے آپ کو ثوری یعنی چاہا۔ پایہ ہمارے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی کہ جب روز جمعہ
انسانے استخراق کے باعث بائیں پاؤں رکھا۔ فیہ سے ندا آئی۔ سفیان ثانیہ تو چاہا۔ بنے۔ سنتے ہی حالت مجرمیں
آگے اور وارثی پڑا کر اپنے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مسجد میں باادب قدم نہ رکھنے کی وجہ سے تیر جیوانوں کے زمرے
میں نام آگیا۔ جوش کر۔ ۱۱۶۱ میں وفات پائی۔

لہ کنیت ابو محمد اور ابوالحسن تھی۔ باپ کا نام احمد بن زید بن رویم تھا۔ اصل دین بغداد تھا۔ جید عالم اور فقیہ تھے۔
علوم ظاہر و باطن میں مہارت کامل حاصل تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے مہذب و باطن اور شاگرد رشید تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اور اسی طرح دوسرے مشائخ اپنے سلسلوں کو ان کی طرف نسبت کر کے درست کرتے ہیں۔ آپ سے نسبت رکھنے والوں کو خبیثہ کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم علی جویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: ایک روز کسی نے شیخ سری ستغلی سے پوچھا: "کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پروردگار سے بڑھ سکتا ہے؟" فرمایا: "ہاں کیوں نہیں۔ اور یہ ظاہر دلیل ہے کہ خبیثہ بغدادی کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے۔"

خبیثہ بغدادی نے ایک روز حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کو بے ادب کہا۔ آپ نے کہا سبحان اللہ بھلا میں کس طرح بے ادب ہو سکتا ہوں جبکہ اپنا نصف دن حضرت خبیثہ قدس سرہ کی صحبت میں گزارتا ہوں؟

شیخ ابو جعفر صدیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر عقل مرد ہوتی تو خبیثہ کی صورت پر جوتی۔" آپ نے کامل تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کیا ہے اور اسی عشاء کی نماز کے وقت سے نماز صبح ادا کی ہے۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء لکھتے ہیں حضرت خبیثہ قدس سرہ نے فرمایا: بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت خبیثہ سانسے حاضر ہیں۔ ایک شخص نے آکر فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ خبیثہ سے فتویٰ لو۔ اس شخص نے عرض کیا:

(بقیہ خبیثہ ص ۱۲۵) عوامی عبادت انصاری فرماتے ہیں: اگرچہ رویم محدث کا شاگرد ہونے سے گرا آپ اپنے استاد سے زیادہ کامل و بہتر تھے۔ میں ان کے ایک بال کو بھی ایک سو خبیثہ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت خبیثہ فرماتے ہیں: ہم فارغ ہونے پر بھی مشغول ہیں اور رویم مشغول بھی فارغ ہے۔ ۲۰۳ میں وفات پائی۔ حجاز بغداد میں شونیز کے مقام پر ہے۔ مکہ نام احمد بن محمد اور لقب نوری ہے۔ آپ کے باوجود بغدادی مشورہ کے رہنے والے تھے جو برات اور مرد کے درمیان واقع ہے مگر آپ کا مولد نجد ہے۔ شیخ سری ستغلی کے مرید اور سید اعجاز خبیثہ کے برادر ہیں۔ وہ طریقت میں مجتہد اور صاحب مذہب گزرے ہیں۔ آپ کے طریقہ کو حریقہ نوریہ کہتے ہیں۔ آپ کو نوری اس وجہ سے کہتے ہیں۔ جب آپ کسی تاریک مکان میں گفتگو کرتے تو آپ کے باطنی نور سے وہ گھردمشن ہو جاتا تھا اور اس نور حق کی وجہ سے مردوں کے ابراہ پر مطلق ہوجاتے۔ آپ کا ارشاد ہے: "جس نے خدا کو دیکھا نہیں پہچانا وہ آخرت میں بھی اُسے نہ پہچان سکے گا۔" ۲۹۵ میں وفات پائی۔ "سیدیں برالحسن" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

یا رسول اللہ! آپ کی موجودگی میں دوسرے سے فتویٰ کیوں لوں۔ فرمایا: تمام انبیاء کو جس طرح اپنی اپنی امت پر فز و بہا ہات ہوتا ہے مجھے اپنے جنید پر فخر ہے۔
 شیخ جنید نہ سماع سنتے تھے نہ وجد کرتے تھے۔ بتلاہر و باطن بشریہ مقدس آراستہ و پیراستہ تھے۔ ایک روز مجلس میں توحید کے متعلق کلام فرما رہے تھے کہ ایک مرید نے نعرہ لگایا۔
 شیخ نے اسے منع کیا اور کہا اگر تو نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو تجھے مجبور کر دوں گا۔ یہ کہہ کر پھر اپنے کلام میں مشغول ہو گئے۔ اس نوجوان میں تاب ضبط نہ تھی۔ دوبارہ نعرہ لگایا۔ شیخ جنید نے اُس کی طرف نگاہ گرم سے دیکھا۔ وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔

ابتداءً احوال میں ایک روز شیخ جنید مدرسے سے گھر آئے۔ دیکھا کہ والد رو رہے ہیں۔ سبب پوچھا۔ کہا کہ تمہارے خالو شیخ سری سقطنی کے پاس حصہ مالِ زکوٰۃ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس پر گریہ کر رہا ہوں کہ جس مال کے لئے عمر عزیز ضائع کر لی وہ دوستانہ خدا کے لئے قابلِ قبول بھی نہیں۔ شیخ جنید نے کہا: مجھے دیکھتے ہیں جا کر دیتا ہوں۔
 شیخ نے مالِ زکوٰۃ لیا اور دروازہ شیخ سری سقطنی پر جا کر دستک دی۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟
 کہا جنید۔ پوچھا کیوں آئے؟ کہا یہ مالِ زکوٰۃ لے لیجئے۔ شیخ نے جواب دیا: ہرگز نہ لوں گا۔ حضرت جنید نے کہا، اسے خدا کے لئے لے لیجئے۔ جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ پر عمل کیا۔
 فرمایا: اے جنید! کہو خدا نے مجھ پر کیا فضل کیا اور میرے باپ پر کیا عمل کیا۔ شیخ جنید نے کہا: خدا نے آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو درویشی اور ترکِ دنیا عطا کی اور میرے باپ کے ساتھ یہ عمل کیا کہ اسے دنیوی کاروبار میں مشغول کر دیا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں اور میرا باپ چاہے نہ چاہے مگر زکوٰۃ کا ادا کرنا اس پر حکمِ فرض ہے۔ اس لئے کہ یہ مال حقداروں کا حصہ ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ یہ مال ان تک پہنچائے۔ شیخ سری اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اے بیٹا میرے پاس آ۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مال قبول کروں تجھے قبول کرتا ہوں۔ پس دروازہ کھولا اور مر جا کہا۔ اور شیخ جنید کو اپنے دامن میں جگڑ دی۔

ایک دفعہ شیخ سرئی حضرت جنید کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے گئے جبکہ ان کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی۔ وہاں جا کر دیکھا کہ حرم شریف میں چار سو پیران روشن ضمیر بیٹھے مسئلہ شکر پر بحث کر رہے ہیں۔ ہر بزرگ اور اُسے حق شکر میں تقریر کر رہا ہے۔ شیخ سرئی نے حضرت جنید سے کہا: اے نور العین تو بھی اس مسئلہ کے متعلق کہو کہ شیخ جنید نے سزا ٹھایا اور کہا: شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے اور اسے معصیت سازی کا سبب نہ بنائے۔ تمام حاضرین نے آفرین و تحسین کہی اور آپ کے اس قول پر اتفاق کیا۔ حضرت جنید کے اقوال توحید حبیب زبان زد خاص و عام ہوئے تو مخالفان شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ شیخ جنید ایسی باتیں کرتا ہے کہ جن کو عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسے فتنہ انگیز کو درمیان سے ہٹا دینا چاہئے۔ خلیفہ نے کہا: حجت شرعی کے بغیر یہ کام مشکل ہے۔ آخر اس کے لئے ایک جیل پیدا کیا گیا۔ خلیفہ کے پاس ایک نہایت ہی حسین و جمیل کینز تھی اُسے مزید بناؤ سنگار کے ساتھ شیخ کے پاس یہ سبق پڑھا کر بھیجا کہ اپنے حسن و جمال، ناز و کرم اور تحریص مال و دولت سے شیخ کو اپنے پر مائل کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ چنانچہ وہ خدمت شیخ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے پاس بڑا درو مال ہے۔ چاہتی ہوں کہ یہ مال و دولت آپ پر نثار کر کے تمام عمر خدمت میں گزار دوں۔ مجھے قبول فرمائیے۔ شیخ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کینز نے اپنے حسن و فریب اور عشوہ و غمزہ سے شیخ کو اپنے دام گرفتار میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر شیخ نے نظر اٹھا کر بھی اس کی جانب نہ دیکھا۔ جب اس کا عجز و انکار حد سے بڑھ گیا تو شیخ نے اپنے دل پر سوز سے آہ آہ تین بار کہا۔ شیخ کی آہ سوزوں کی چٹکاریوں سے کینز کو آگ لگ گئی اور وہ چشم زدن میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ خادمہ جو کینز کے ساتھ آئی ہوئی تھی یہ حال دیکھ کر خلیفہ کے پاس بھاگی گئی اور تمام حالات بیان کئے۔ خلیفہ یہ سن کر خدمت شیخ میں حاضر ہوا اور کہا: اے شیخ تو نے اس عجب روئینز کو جلا کر رکھ کر ڈالا ہے۔ ایسے ظلم کی توقع آپ سے نہ تھی۔ شیخ نے فرمایا: تو چاہتا تھا کہ میری چالیس سالہ ریاضت و عبادت تباہ و برباد ہو جائے۔ تم دونوں نے اپنا کیا پایا۔ اس وقت رحم و شفقت خود میرے حال پر ظلم عظیم تھا۔

شیخ جنیدؒ نے جب علوم ظاہر و باطن میں تکمیل کر لی تو شیخ سزئیؒ نے انہیں وعظ و نصیحت کی اجازت دی مگر شیخ جنیدؒ نے اپنے مشد کے سامنے وعظ کہنا ترکِ اوب و گستاخ پر محمول کر کے وعظ نہ کہا۔ ایک رات شیخ جنیدؒ نے حضرت رسالتاب علیؑ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں: اے جنیدؒ تو وعظ کیوں نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری زبان میں بڑی تاثیر دی ہے۔ صبح کو شیخ جنیدؒ جب خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ سزئیؒ دروازے میں کھڑے ہیں۔ شیخ جنیدؒ کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اے جنیدؒ میں نے نہ کہا کہ لوگوں سے کلام نہ پس اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں سے کلام کر چنانچہ شیخ جنیدؒ کی پہلی مجلس میں چالیس آدمی حاضر ہوئے جن میں سے سترہ شیخ کی تاثیر کلام سے جاں بحق ہو گئے اور بیس بے ہوش ہو گئے۔

حسین بن منصور علاج حضرت شیخ عمر بن عثمانؒ کی الصوفی سے غلبہ حال میں اظہارِ بیزاری کر کے شیخ جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے حسین تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جو تم نے شیخ عمر بن عثمانؒ کی اور سمیل بن عبد اللہ تشرمی سے سلوک کیا ہے۔

ابو عبد اللہ کنیت۔ یمن کے رہنے والے اور سادات سے تھے۔ تمام عمر کہ میں گزاری تھی اس لئے کی مشہور ہوئے۔ سید الطائف شیخ جنید بغدادی کے مرید اور حسین بن منصور علاج کے استاد تھے۔ علوم حقائق و معارف میں بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ کا کلام حبِ بایک و گمراہوں کو لوگوں نے اسے کلام کی طرف منسوب کر کے آپ سے قطعِ تعلق کر لیا۔ حتیٰ کہ اسے بھی کمال دیا۔ جب آپ جدہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے انہیں اپنا قاضی بنا لیا۔ کہا جاتا ہے حسین بن منصور علاج پر جو کچھ آیادہ انہی کی دعا کا اثر تھا کہ انہیں رنج پہنچایا تھا۔ ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ منور اور نامور آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

ابو کنیت ابو محمد ہے۔ ذہبا حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید ہیں۔ عراق کے مشائخ عظام اور علمائے کبار سے تھے۔ حقیقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سبیلہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بناء اجہا، اور مجاہدہ پر ہے۔ فرمایا بد بختی کی علامت یہ ہے کہ علم طے لیکن عمل کی توفیق نہ ہو۔ فرمایا: جہالت سے بڑھ کر کوئی مصیبت زیادہ بڑی نہیں۔ بڑی کرامت یہ ہے کہ اپنی بڑی عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل کر دو۔ خدا کی غفلت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ صدیقِ ہادی جہاں تاریخِ وفات ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حسینؑ نے کہا: محمود و سکر دو وصف ہیں۔ بندہ کو ہمیشہ وصفتِ خدا میں فانی ہونا چاہئے۔ شیخ نے فرمایا: اسے پر منصورؑ تو غلطی پر ہے صحیح کے ساتھ صحتِ حال ہے۔ اسے منصورؑ کے بیٹے! میں تیرے کلام میں بڑی فنسور اور بے معنی عبارت دیکھتا ہوں۔ مجھے اس کا انجام نیک نظر نہیں آتا۔

فرمایا: میرے دل میں آرزو تھی کہ ابلیس کو دیکھوں۔ پس ایک روز میں مسجد سے باہر آ رہا تھا دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص میری طرف آ رہا ہے۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو مجھے اُس سے وحشت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا: جس سے ملنے کی تمہیں آرزو تھی۔ میں نے کہا، اسے طعون! کس چیز نے تجھے آدم کو سجدہ نہ کرنے دیا۔ وحدتِ حق تعالیٰ میں نے نہ پابا کہ غیر اللہ کو سجدہ کروں۔ میں اس کے جواب سے متحیر ہوا۔ میں ابھی اسے جواب دینے نہ پایا تھا کہ نذائے ظہری آئی، اسے جنید! اسے کہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اگر میرے بند سے بولتے تو میرے حکم سے سزا ہی نہ کرتے۔ ابلیس نے جب یہ نذائے ظہری کو سنا تو فوراً مارا اور کہا: اسے جنید! خدا کی قسم تو نے مجھے جلاؤ والا اور غائب ہو گیا۔

شیخ جنید کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آبادی سے کہیں دور ایک ویرانے میں عبادت خانہ بنایا اور وہیں اہل دنیا سے کنارہ کش ہو کر رہنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ہر رات اُس کے پاس ایک اونٹ لایا جاتا اور لانے والے کہتے کہ ہم آسمانی فرشتے ہیں۔ آپ اس اونٹ پر سوار ہو جائیے۔ ہم آپ کو بہشت کی سیر کرائیں گے۔ وہ اس اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اسے مقاماتِ دلکش کی سیر کرائی گئی۔ جہاں گل ہائے رنگارنگ تھے۔ آبِ روان تھا۔ صورت ہائے زیبا تھیں۔ رات بھر وہ اس پر فضا مقام کی گل گشت کرتا۔ صبح کو پھر اپنے اسی مقام پر آ جاتا۔ یہ سلسلہ تا دیر قائم رہا۔ اس چیز نے اُس کے دماغ میں رعونت پیدا کر دی اور وہ متکبر و مغرور ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۱) لکھنؤ اہل اللہ کینیت ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر اصل وطن اہلیم مصر ہے۔ امام ملک کے شاگرد تھے۔ آپ کا شمار تقویٰ میں علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ توحید و تجرید میں یکتائے روزگار، ماری کمال اور صاحبِ لطف و کرامت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے: راہِ راست پر وہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ جب خدا کا نور اٹھ گیا تو راہِ راست سے جَنک گیا۔ فرمایا: خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدا کے حبیب کے اخلاق و افعال اور امر و نہی سب میں پوری اتباع کی جائے۔ فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔ ۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ مرقہ معربین

رفتہ رفتہ یہ خبر شیخ جنید کے کانوں تک پہنچی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ مغرورانہ بیٹھا ہوا ہے شیخ نے تمام احوال پوچھے۔ اس نے سب کچھ اسی طرت بتایا۔ شیخ نے کہا آج رات جب تو وہاں جانے تو تین بار لاجول پڑنا۔ رات کو سب معمول اتے انہی مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اس نے براہ امتحان کلہ لاجول پڑھا۔ شیاطین جو اس کام کے موکل تھے فرار ہو گئے۔ وہ تمہارہ گیا اور اپنے آپ کو ایسی گندگی کے ڈھیر پر پایا جس کی عفویت سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ اس پاس مردار جانوروں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر بے حد پشیمان ہوا تو بہ کی اور دوبارہ خدمت شیخ میں رہنے لگا۔ ایک بار شیخ کے ایک مرید سے کوئی بے ادبی سرزد ہو گئی۔ وہ مارے مذمت کے باہر چلا گیا۔ اتفاقاً راستے میں شیخ سے دوچار ہو گیا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ بیٹ سے ایسا گرا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ چند قطرے خون کے زمین پر گرے جن سے لفظ اللہ لکھا گیا۔ شیخ نے جب یہ دیکھا تو کہا: اچھا میرے سامنے جلوہ گری کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ بچے جو میرے سامنے ٹھیل رہتے ہیں اس مقام میں تیرے برابر ہیں۔ شیخ کی یہ بات اس پر نہایت سخت گزری حتیٰ کہ جہاں بحق ہو گیا۔

بصرہ میں شیخ جنید کا ایک مرید رہتا تھا۔ ایک روز اس کے دل میں خطرہ گناہ گزرا جس سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ آئینہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر چہرے کی سیاہی دور نہ ہوئی۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ پھر سیاہی آہستہ آہستہ دور ہوئی شروع ہوئی اور چند روز میں چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔ شیخ کا ایک خط اس کے نام پہنچا کہ بارگاہ رب العزت میں باادب کیوں نہیں رہتے۔ مجھے چند روزت دھوبی بنا پڑ گیا ہے تاکہ تیرے چہرے کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو جائے۔

شیخ جنید کے آٹھ مرید تھے جو سب کے سب ولایت میں کامل واکمل تھے۔ ایک روز انہوں نے خدمت شیخ میں عرض کی: اے شیخ شہادت ایک عجیب نعمت بانفزا ہے۔ اسے حاصل کرنا چاہئے۔ شیخ نے ان کی تائید کی اور ان کے ساتھ ملک روم کی طرف جہاد کے لئے چل پڑے۔ ایک جگہ نغار سے مقابلہ ہو گیا۔ ایک گہرا آتش پرست کے ہاتھوں شیخ کے آٹھوں مرید ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ شیخ فرماتے ہیں میں نے اس وقت ہوا میں

نو کجاوے معلق دیکھے۔ میرے ساتھیوں میں سے جو شہید ہوتا تھا اس کی روح ایک کجاوے میں رکھتے اور آسمان کی طرف لے جاتے۔ آخر ایک کجاوہ باقی بے کیا۔ میں نے یہ کہا یہ میرے لئے ہے۔ جنگ میں مشغول ہو گیا۔ دوران جنگ میں وہ گرجس نے میرے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، میرے پاس آیا اور کہا: اے ابوالقاسم! یہ آخری کجاوہ میرے لئے ہے تو بغداد واپس چلا جا۔ اپنی قوم کی قیادت و سیادت کر اور اپنا مذہب میرے سامنے پیش کریں نے اسے تلقین اسلام کی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر کفار سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس آخری کجاوے میں اس کی روت رکھ کر آسمان کی طرف لے گئے ہیں۔

ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا: "ول کس وقت خوش رہتا ہے؟"

فرمایا: جس وقت خدا دل میں جلوہ گر ہو۔"

فرمایا: "مرد کو مردانہ خصلت اختیار کرنی چاہئے اور شبہات و وہم میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔"

فرمایا: "جس نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی، وہ کبھی شاد نہیں رہ سکتا۔ وقت سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے تو پھر اسے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔"

فرمایا: جو انہرہ ہی یہ سہنے کر اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالا جائے اور جو کچھ پاس ہو اسے راہِ خدا میں دے دیا جائے۔"

فرمایا: "خلق چار چیزیں ہیں:

۱۔ سخاوت

۲۔ الفت

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت۔"

کسی نے پوچھا: "کس شخص کی صحبت اختیار کریں؟"

فرمایا: "جو تمہارے ساتھ نیک لوگوں کے علاوہ ہے۔"

marfat.com

Marfat.com

کسی نے بندہ کی تعریف پر بھی۔ فرمایا، جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔
 پرچھا گیا: خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟

فرمایا: ترک دنیا اختیار کر۔ نفس کے خلاف کر۔ خدا تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔
 بروز شنبہ ۲۷۔ رجب ۱۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔
 بیان کیا جاتا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی
 چار انگلیوں کو بازو سے جوڑے تھے۔ بڑی انکلی کھولے ہوئے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی
 آنکھیں بند کیں اور دواصل بحق ہو گئے۔

غسال نے چاہا کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالے۔ نہ اٹے ٹھہری آئی۔ ہمارے دوست کی
 آنکھوں سے اپنے ہاتھ کو الگ رکھو۔ جو آنکھ ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہے وہ ہمارے لئے ہی
 کھولی جاسکتی ہے۔

غسال نے چاہا کہ آپ کی انگلیوں کو کھول کر سیدھا کر دے۔ پھر نہ آئی۔ جو انگلیاں
 ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہیں وہ ہمارے حکم ہی سے کھل سکتی ہیں۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا
 تو ایک سفید کبوتر جنازہ پر آکر بیٹھ گیا۔ اسے ہر چند اڑانا چاہا مگر وہ نہ اڑا اور کہنے لگا اپنے آپ کو
 اور مجھے پریشان نہ کرو۔ میرے پنجے عشق کی میخوں سے اس جنازہ کے گوشوں پر جمے ہوئے ہیں
 آج جنت کا قالب فرشتوں کے دوٹپے پہ ہے۔ اگر تمہارا شور و غل نہ ہوتا تو جنت کا جسم سفید
 باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑتا۔ پھر وہ کبوتر جو دفن کے وقت جنازہ کے اوپر تھا،
 نائب ہو گیا۔

قطعہ تاریخ وفات:

سید الطائفہ ولیٰ زماں ! یعنی حضرت جنید عالیشان
 رفت چوں از جہاں باغِ جاناں ! نامور گشت سالِ رحلت آن

۲۶۔ حضرت شیخ ابو بکر شبلی قدس اللہ سرہ العزیز

نام جعفر بن یونس۔ کنیت ابو بکر۔ خراسانی الاصل تھے۔ موضع شبید کے رہنے والے تھے۔
گردلاوت بغداد میں ہوئی تھی اور یہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کے والد خلیفہ بغداد کے
حاجب (چوہدار) تھے اور خود شیخ شبلی حاکم بناؤند تھے۔ ایک روز خلیفہ نے انہیں
بغداد میں بلایا اور حسن خدمات کے عملے میں خلعت پہنایا۔ خلیفہ سے رخصت ہو کر دوبارہ سے
نکلے ہی تھے کہ اتفاقاً چھینک آئی اور آستین خلعت ہی سے ناک صاف کر لی۔ مخالفان
شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ یہ شخص کسی طرح بھی لائق خلعت نہیں ہے۔ حضور کے
عطا کردہ خلعت سے اس نے ناک صاف کی ہے اور یہ انتہائے بے ادبی ہے۔ خلیفہ
نے اس گستاخی پر شیخ کو معزول کر دیا۔ اس واقعہ نے شیخ کی زندگی کو بدل ڈالا۔ آپ نے کہا
اگر کوئی مخلوق کے عطیہ کو بطور دستمال (رومال) کے استعمال کرتا ہے تو اسے منصب سے
معزول کر دیا جاتا ہے اور جو شخص خلعت معرفت الہی کی قدر نہ کرے تو اس کا کیا حال ہوگا۔
تاریک الدنیا ہو گئے اور حضرت خیر نساج قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمات دنیوی سے
توبہ کی۔ حضرت خیر نساج نے انہیں شیخ جنید کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں
تھے۔ آپ نے خدمت شیخ میں رہ کر علم و عرفان کا بلند درجہ حاصل کیا اور خرقہ خلافت پایا۔
شیخ جنید آپ کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہر قوم کا مالک ایک تاج (سرور) ہوتا ہے

۱۔ نام محمد بن اسماعیل اور کنیت ابراہیم ہے۔ سکونت بغداد میں تھی۔ سامرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت
سری سقلی کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ نساجی دباوندگی، آپ کا پیشہ
نہیں تھا۔ صاحب نغمات الانس لکھتے ہیں: شام کی نماز کا وقت تھا کہ ملک الموت نے سایہ ڈالا۔ آپ نے سر
سے سڑٹایا اور کہا۔ صفاک اللہ تھوڑی دیر توقف کرو کہ میں بھی خدا کا بندہ ہوں اور تم بھی خدا کے بندے ہو۔ تم کو خدا نے
حکم دیا ہے کہ میری جان نکالو اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو سب کام چھوڑ دو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے وہ
قضا نہیں ہوگا اور جو مجھے حکم ملا ہے وہ فوت ہو جائے گا پھر آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور جان جان آفرین کے
سپرد کردی۔ ۳۲۱ھ میں وفات پائی۔ * محرم دل آپ کی تاریخ و ذات ہے۔

میراناچ ابو بکر شبلی ہے۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے۔ ایک روز شیخ شبلیؒ نے حضرت حنفیہؒ سے کہا: آپ کو ایزد تعالیٰ نے گوبر آشنائی عطا فرمایا ہے۔ آپ اسے یا تو بیچ دیجئے یا بخش دیجئے۔ شیخ حنفیہؒ نے فرمایا: نہ فروخت کروں گا نہ بخشوں گا۔ فروخت کروں تو تیرے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے اور اگر بخش دوں تو یہ موتی تیرے ہاتھ مفت میں آجائے گا۔ مروان بامبت کی طرح اپنے آپ کو دیہائے معرفت میں ڈال اور گوبر متصورہ حاصل کر شیخ شبلیؒ نے پوچھا: پھر کیا کروں؟ فرمایا: ایک سال تک کبریت فروش کر۔ (دیہ اسلامی بیچ، ایک سال گزرنے کے بعد شیخ شبلیؒ خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: اب ایک سال تک بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ مگر اس طرح پر کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا۔ شیخ شبلیؒ فرمودہ مرشد کے مطابق بغداد کے بازاروں میں گدائی کرتے رہے مگر کسی شخص نے آپ کو ایک جہ بھی نہ دیا۔ سال گزرنے پر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیوں شبلیؒ اپنی قدر و قیمت معلوم ہوئی؟ کوئی شخص تیری طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ اچھا اب نہاوند جا، جہاں تو حکومت کرتا رہا ہے۔ وہاں ایک سال در یوزو گری کر چنانچہ آپ وہاں پہنچے۔ کسی نے آپ کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا۔ سال گزار کر خدمتِ مرشد میں آئے۔ شیخ حنفیہؒ نے فرمایا: شبلیؒ ابھی ایک سال اور بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ چنانچہ حکم شیخ کے مطابق آپ بغداد کی گلیوں میں بیک کا ٹھیکرا لے بھک منگابن کر بھیک مانگتے رہے۔ شام کو خانقاہِ شیخ میں بھی حاضر ہوتے اور بھیک کے ٹکڑوں کو خدمتِ مرشد میں پیش کرتے۔

لے مالک نام کنیت ابو عبد اللہ۔ آپ ائمہ اربعہ میں سے اہل سنت کے دوسرے امام ہیں۔ تدبر و تفکر فی الدین۔ تفحص حدیث اور زبرد و دواع میں مقام بلند رکھتے تھے۔ صحیح احادیث کا ایک مجموعہ موطاء کے نام سے مروان کیا تھا جو کتب صحاح ستہ میں شامل ہے۔ اس کتاب کو خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اسے فقہی مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ محمد بن زکیہ بن عبد اللہ بن حسن ثانی نے جب ابو جعفر منصور عباسی کے عہد میں دعوائے خلافت کیا اور شکست کھائی۔ مدینہ میں حضرت امام صاحب نے ان کی حمایت کی تھی۔ اس کی پاداش میں منصور نے آپ کو کوڑوں سے پٹرایا۔ حضرت امام شافعیؒ آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ امام زینؒ آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اور شیخ انہیں درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک سال گزرنے کے بعد حضرت خبیبؓ نے پوچھا، کیوں شبلیؒ اب تیرے نفس کا حال تیرے نزدیک کیا ہے، عرض کیا: پروردگار نے آپ کو خلقِ خدا کی کترین مخلوق سمجھتا ہوں۔ فرمایا، اب تیرا ایمان درست ہوا۔

روایت ہے شیخ شبلیؒ ہمیشہ اللہ اللہ کہتے۔ ایک درویش نے پوچھا: لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا: ڈرنا ہوں اگر لفظِ اللہ سے پہلے نفی لایں مشغول رہا اور سانس منقطع ہو گئی تو مقامِ نفی میں رہ جاؤں گا۔ درویش نے کہا میں اس سے بہتر توجیہ چاہتا ہوں۔ کہا لا نفیٰ غیر اللہ کے لئے ہے اور میں غیر حق کو کسی صورت نہیں چاہتا۔ نوجوان نے کہا: میں اس سے اور زیادہ واضح جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا، اللہ کہنے میں میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتا ہوں جیسا کہ روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ حسبِ حیثیت راہِ خدا میں اپنا مال دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر خدمتِ رسولؐ میں حاضر کر دیا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے تمام مال لاکر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا: اسے اپنی بکراہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے، عرض کیا: اللہ۔ اس نوجوان نے کہا: اے شیخ میں اس سے بھی اعلیٰ وضاحت چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: اسے نوجوان میں نے بہتر سے بہتر صورتیں اور مثالیں تیرے سامنے پیش کیں لیکن تیری بہت اور حوصلہ بہت بلند ہے۔ سن اب اس سے بہتر کہتا ہوں۔ فرمایا: اس طریق کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا جو بوجوبِ حکمِ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا: "اے رسول فرما دیجئے تیرے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔ ان سب کو اپنے لہو و لہب میں مشغول رہنے دیجئے۔ ان سے کوئی سروکار نہ رکھئے۔ پس اللہ کہنے کے لئے امر الہی صادر ہو گیا۔ نوجوان نے عرض کی: جزاک اللہ بس اب میرے لئے یہی کافی ہے۔ ایک نعرہ مارا اور واصلِ بحق ہو گیا۔

اس نوجوان کے وارثوں نے خلیفہ کے پاس جا کر دعوائے خون کر دیا۔ خلیفہ نے شیخ کو بلایا اور حقیقتِ حال کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے فرمایا: اُس کی رُوح مشتاقِ دید ہوئی۔ رونے لگی۔ فریاد کی۔ اُس طرف سے دعوت آئی۔ اس نے بیکر کا اور جاں بحق ہو گیا

میرا اس میں کیا تصور ہے۔ خلیفہ نے کہا شیخ شبلی کو یہاں سے فوراً رخصت کر دو۔ اس کے کلام سے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ قریب ہے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ اس پر شیخ شبلی کو مدعیانِ خون سے رہائی حاصل ہوئی۔ ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا، اکرم الاکرہین کون ہے اور کب ہوتا ہے؛ فرمایا: جب کسی گناہ کو معاف کرے تو پھر اس گناہ پر اس کو سزا نہ دے بلکہ یہ کہنا ہی گناہ ہے کہ میں نے اپنے فلاں درست کو بخش دیا۔

روایت ہے شیخ شبلی کچھ عرصہ اپنے تمام سے غائب رہے۔ ہر چند تلاش کیا، پتہ نہ پایا۔ ایک روز محنتوں کے گردہ میں دیکھے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اسے شیخ یہ کیا بات فرمایا: یہ گردہ دنیا میں نہ مرد ہے نہ عورت۔ میں بھی اسی حالت میں گرفتار ہوں۔ نہ مرد ہوں نہ عورت۔ پس ناچار میری جگہ انہی میں ہے۔ روایت ہے شیخ ابھی مرض الموت ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر شہر میں اڑ گئی۔ لوگ انبوه در انبوه نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ شیخ نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو نہیں کر کہا: عجیب بات ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے اُڑے ہیں اس وقت ایک شخص نے کہا: اسے شیخ کلمہ لا الہ الا اللہ کہئے۔ فرمایا: لا نہیں کہوں گا۔ لوگوں نے کہا: اس وقت سوائے کلمہ کہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ شیخ نے فرمایا: سبحان اللہ مردہ زندہ کو تلقین شہادت کرتا ہے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے پوچھا، کئے آپ کیسے میں؛ فرمایا، ابھی محبوب سے لاچا ہتا ہوں۔ یہ کہا اور واصلِ بحق ہو گئے۔ ۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات:

شیخ دینِ شبلی است پیر بے نظیر	یافت چوں از دہر در جنت مقام
سیدِ دوراں ست سالِ وصلِ او	ہم محبِ اصغیا ہادی امام
۲۲۵ھ	۲۲۲ھ

۲۷۔ حضرت شیخ عبد الواحد قمی قدس سرہ

کنیت ابو الفضل، باپ کا نام عبد العزیز بن حرث بن اسد تھا۔ شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ خادمِ شریعت۔ سائبِ طریقت۔ واقفِ حقیقت اور امامِ اہل سنت والجماعت تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور شریعت و طریقت میں اپنے مرشد کے قدمِ قدم چلے ہیں۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ ۱۲۲۵ھ میں اللہ کو پیار سے ہوئے۔ مزار حضرت امام احمد بن حنبل کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔
قطعہ تاریخ وفات:

جناب عبد واحد شیخ اکبر
بر اوجِ شریعت عزا مہر انور
بشکل ماہِ چوں اندر حیاں شد
برصلش نورِ حقانی عیاں شد
۱۲۲۵ھ

۲۸۔ حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی قدس سرہ

آپ کی اصل طرطوس سے ہے۔ حضرت شیخ عبد الواحد قمی کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ اپنے زمانے کے قدوۃ اولیاء و زبدۃ مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ صاحبِ مقامات و کرامات تھے۔ توکل اور تجرید و تفرید پر تمام عمر ثابت قدم رہے۔ ۱۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

حضرت ابو الفرح طرطوسی ولی
شد چو از دنیا بفرودس بریں
شیخ و شہید پیر و جوان
بو شیر بے ریا سانش عیاں
۱۲۲۷ھ

۲۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی قدس سرہ

علی بن محمود بن جعفر ہنکاری نام ہے۔ حضرت ابوالفرح طرطوسی قدس سرہ کے اکابر خلفائے تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار سے تھے۔ صاحبِ خواتق و کرامت، معتدائے زمانہ، صائم الدبر اور قائم اللیل تھے۔ تین روز کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ بعد از نماز عشاء تا نماز تہجد و قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ ۴۸۴ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات:

چوں زد دنیا گشت را ہی در جہاں	بو الحسن آن رہبر دین رسول
سالِ وصلِ آن شبہ والا مکان	آفتاب آمد و گر تاج عطا
	۴۸۴ھ

۳۰۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہ

مبارک بن علی بن حسین مخزومی نام۔ حضرت شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری کے نامور مرید و خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے زمانے کے سلطان الاولیاء، برہان الانبیاء، قدوۃ عالمین، زبدۃ سالکان، پیر طریقت اور واقع رموز حقیقت تھے۔ نیز حضرت خضر کے رفیق و معاصب اور حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی کے پیرو تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ مذہباً حنبلی المذہب تھے۔ حضرت غوث الاعظم قدس سرہ نے حضرت امام احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام چہارم ہیں۔ حضرت امام شافعی کے شاگرد و رشید تھے۔ علوم قرآن و تفسیر و حدیث و فقہ میں امام وقت اور مجدد العصر تھے۔ زہد و تقویٰ میں بے نظیر اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے خون تھے۔ مسئلہ خلق قرآن کے اجداد پر منتہم باللہ مباحی نے آپ کو کوبوں سے کئی بار چڑھایا۔ کیونکہ آپ نے معتزلہ کے عقائد کے مطابق قرآن کو مخلوق اور خدا کی صفات اُس کی ذات سے الگ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور معتزلہ ان لوگوں کو مشرک اور کافر تصور کرتے تھے جو قرآن کو غیر مخلوق اور صفات الہی کو قائم بالذات سمجھتے تھے۔ معتزلہ عقائد کو فروغ دینے میں معتصم اپنے بھائی مامون الرشید (باقی صفحہ پر)

سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائے حال میں خدائے تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک وہ خود نہ کھلائیں پلائیں گے اور قہ میرے منہ میں نہ رکھیں گے۔ چالیس دن گزرنے پر ایک شیخ آیا اور کچھ کھانا میرے پاس رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ بھوک کی شدت سے کھانے پر آمادہ ہو جاتا مگر میں نے اپنے دل سے کہا بخدا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا ہے اس کے خلاف سرگرم نہیں کروں گا اچانک میں نے آواز سنی کہ کوئی زور زور سے الجوج الجوج (بھوک بھوک) پکار رہا ہے۔ اتنے میں حضرت شیخ ابوسعید اس طرف سے گزرے۔ یہ آواز سن کر آپ نے پوچھا: اسے عبدالعلاء یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت یہ میرے نفس کا اضطراب اور بے چینی ہے۔ مگر روح اپنی جگہ پر قائم ہے اور مشاہدہ انوار خداوندی میں محو ہے۔ فرمایا: میرے گھر چلو۔ عرض کی میں اس جگہ سے قدم باہر نہ رکھوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر آپ تشریف لے گئے۔ اتنے میں ابوالعباس خضر تشریف لے آئے۔ فرمایا: اٹھو اور ابوسعید کی خدمت میں جاؤ۔ میں اُن کی طرف چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے دروازے میں کھڑے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اسے عبدالعلاء چوکھ میں نے تجھے کہا تھا، کیا وہ کافی نہ تھا کہ تو نے خضر کو تکلیف دی۔ یہ فرمایا اور مجھے اپنے مکان کے اندر لے گئے اور جو کھانا تیار تھا وہ قہ قہ میرے منہ میں ڈالتے تھے یہاں تک کہ میں اچھی طرح سیر ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا۔ پھر میں ان کی صحبت میں رہنے لگا۔ مدرسہ باب الاندخ کی عمارت آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے جو آپ نے حضرت غوث الاعلیٰ کی زندگی ہی میں اُن کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم کا مزار اسی مدرسہ میں ہے۔ ۵۰۸ھ یا ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔ تعلقہ تاریخ وفات:

بوسعید اُن اسعدِ دورِ زمن ! جلوہ گر شد در جاناں چو ماہِ عید
شمسِ حق گو باز قلبِ عارفان سالِ وصلش طرفہ بے گفت و شنید

دقیقہ حاشیہ ص ۱۳۹ سے بھی آگے تھا۔ اس نے امام صاحب پر بڑی سختیاں کیں مگر ان اذیتوں کے باوجود آپ کے عزم و استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور برابر اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ۲۴۲ھ میں وفات پائی۔ "محبوب و مقبول" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

۲۱۔ حضرت حماد ویاس بن مسلم قدس سرف

ابو عبد اللہ کنیت۔ حماد بن مسلم ویاس نام۔ ویاس دو شتاب فروش کو کہتے ہیں اور دو شتاب انگور یا کھجور کے شیرہ کو کہتے ہیں جو باسی اور ترش ہو چکا ہو۔ اسی اعتبار سے اس کو روش آب یعنی باسی کہا جاتا ہے۔ (نیز اس کے معنی ٹھنڈا پانی بیچنے والے کے بھی ہیں) اپنے زمانے کے پیران کبار، عارف اسرار اور صاحبِ خوارق و کرامت میں سے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کے پیر بھائی تھے۔ حضرت غوثِ ثقلین اکثر آپ کی خدمت میں جاتے تھے اور فوائدِ عظیم حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ ان پڑھ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی عطا فرما کر دولتِ علم سے مالا مال کر دیا تھا۔ آپ کے کم و بیش بارہ ہزار مرید تھے۔ ایک روز فرما لگے میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور برات میں سب کو یاد کرتا ہوں اور ان کی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرتا ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی گناہ کے جرم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا مانگتا ہوں یا پھر اس کے لئے جہان سے اٹھالینے کی درخواست کرتا ہوں تاکہ ناویرگنا ہوں میں مبتلا نہ رہے۔

حضرت غوثِ الاعظم نے جب آپ کی زبان سے یہ سنا تو آپ کے دل میں یہ گزرا اگر حق تعالیٰ مجھے ایسی قربت و منزلت عطا فرمائے تو میں یہ درخواست کروں کہ میرے مریدوں میں سے کوئی بھی تا قیامِ قیامت بغیر توبہ کے نہ مرے اور میں اس امر میں ان کا ضامن ہوں شیخ حماد کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا کہ جو کچھ عبدالقادر نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا ہے۔ نقل ہے اوائل عمر میں حضرت غوثِ اعظم حماد کی مجلسِ وعظ میں حاضر ہوتے تھے ایک روز شیخ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ اس نوجوان عجمی کا قدم اپنے وقت کے تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے عبدالقادر! کہو "قدمی هذا على رقبۃ كل من ولي الله" جب آپ نے فرمایا تو تمام اولیاء نے وقت نے اپنی گردنیں جھکا لیں۔ ماہِ رمضان ۵۳۱ھ یا ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات :

شیخ حماد پیر روشن دل بود در حشر معرفت مستور
سال ترحیلِ اوست پیرِ طریق ہم رقم کن زبے مہرِ پُر نور

۲۲۔ حضرت شیخ بقا بن طوز قدس سرہ

تاج العارفین شیخ ابوالوفاء سے بیعت تھے۔ بڑے زاہد و عابد اور صاحبِ کرامت تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ صاحبِ انیس اتقادیہ رقم طراز ہیں کہ آپ نے ایک روز فرمایا، میں مجلس حضرت غوث الثقلین میں حاضر تھا اور حضرت منبر کے پہلے پسٹے پر وعظ فرما رہے تھے کہ دورانِ وعظ میں دفعۃً خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے اتر کر زمین پر آ گئے۔ ساعت بھر خاموش رہے۔ پھر منبر کے پایہ دوم پر رونق افروز ہو کر وعظ کہنا شروع کیا۔ اس دوران میں میں نے مشاہدہ کیا کہ منبر حد نظر تک کشادہ ہو گیا ہے اور اس پر سبز رنگ کی مسند بچاٹی گئی ہے اور حضرت رسالت مآب صل اللہ علیہ وسلم اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ نے حضرت غوثِ اعظم کے وصال پر تجلی فرمائی ہے اور حضرت غوث انوار تجلی کی شدت سے گراہی چاہتے ہیں کہ حضورِ اقدس انہیں سنبھال لیتے ہیں۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا جسم چھڑنا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اصل نام فاکیش تھا۔ حضرت شیخ شبلی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار اور ادیبانے کالمین سے تھے۔ فضل و کمال میں آپ کی ذات آیت من آیات اللہ تھی۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال آپ کے حلقہ تہذیب فیض یاب ہو کر نکلے۔ حضرت غوثِ اعظم ایام جوانی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے ان کو اپنی تسبیح، کاسہ اور عصا عطا فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عمر زاذ فرماتے ہیں تسبیح کو اگر زمین پر رکھا جاتا تو دانہ دانہ ہو کر بکھر جاتی اور سردانہ گھونٹنے لگتا۔ پیادہ کو اگر کوئی ماتہ لگایا لینا چاہتا تو یہ پیادہ خود بخود اس کے ہاتھ میں آجاتا۔ ۵۳۰ھ میں وفات پائی۔ "عاشقِ مہندی" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

کہ وہ چڑیا کے مانند ہو گیا ہے مگر پھر ساتھ ہی بڑھنا شروع ہو گیا ہے اور اس قدر بڑھ گیا ہے کہ آپ کے چہرہ مبارک سے خون آنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ سب معاملہ چشم زدن میں میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے اور حضرت نے دوبارہ وعظ کتنا شروع کر دیا ہے جب اصحاب مجلس نے یہ واقعہ حضرت بقا کی زبانی سنا تو رویت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت پر چھی۔ آپ نے کہا ایزد تعالیٰ نے ارواح پاک کو صور و اجساد اور صفات ایمان میں متبدل ہونے کی صلاحیت و طاقت عطا فرمائی ہے مگر ان کو وہی دیکھ سکتے ہیں جن میں ایسی ہی صلاحیت قوت ہو۔ حاضرین مجلس نے حضرت غوث اعظم کے گرنے اور پہلے چھوٹا ہونے اور پھر بڑا ہونے کا سبب دریافت کیا۔ کہا، تجلی الہی اجداد میں حضرت غوث پر ایسی تھی کہ انسان اس کو بڑاشت نہیں کر سکتا تھا مگر تباہید جناب نبویؐ اسی لئے حضور نے انھیں پڑیا اور تجلی ثانی صفت جلال میں تھی کہ جسم مبارک گداز ہونا شروع ہو گیا اور چڑیا سے بھی چھوٹا نظر آنے لگا اور تجلی ثالث صفت جمال میں تھی جس کے ظہور سے پہلے آپ کا جسم بے حد و نہایت بڑھا اور پھر اپنی اصل حالت پر آ گیا۔ شیخ بقا نے ۵۵۳ھ میں وفات پائی۔ مزار باب توسل میں ہے جو نہر ملک کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔

قطعہ تاریخ وفات :

چوں بقا با صد ہزاراں خرمی ! رفت از دار فنا سوئے بقا
سال رحلت ز سرور شد رقم زبده آفاق قطب الحق بقا

۵۵۳ھ

۳۳۔ حضرت شیخ علی بن سہیتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار مشائخ کبار اور بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے۔ تاج العارفین شیخ ابوالوفاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوث اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات سے حقد وافر حاصل کرتے تھے۔ جس وقت حضرت غوث اعظم نے "قدمی هذا علی مراقبہ کل ولی اللہ" فرمایا تھا تو آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے منبر پر جا کر حضرت کا

تقدم مبارک اپنی گردن پر رکھتا تھا۔ ایک روز آپ حضرت غوثِ اعظم کی مجلس و عظ میں شریک تھے اور آپ کے نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر غلبہ خواب طاری ہونا شروع ہوا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت غوثِ اعظم نے فرمایا: اسے اہل مجلس خاموش ہو جاؤ اور آپ خود منبر سے نیچے تشریف لا کر ان کے پاس باادب کھڑے ہو گئے۔ جب شیخ علیؒ بیدار ہوئے تو حضرت نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: میں اسی لئے تو حضورِ اقدس کے احترام میں مودب کھڑا تھا۔ پوچھا کس بات کی وصیت فرمائی؟ کہا: آپ کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: تم جو خواب میں دیکھ رہے تھے میں حالتِ بیداری میں دیکھ رہا تھا۔

حضرت غوثِ اعظم ان کی بڑی توقیر فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد کیا کہ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی عالمِ غیب و شہود سے بغداد میں آئے گا وہ میرا مہمان ہے لیکن میں علی بن ہبیبی کا مہمان ہوں۔

ایک روز آپ قصبہ نرطک میں گئے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ وہاں کے باشندے ایک مقتول کے سرمانے کھڑے جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے سر پر قتل کا الزام رکھ رہے ہیں۔ آپ نے جب یہ نزاع دیکھی تو مردے سے مخاطب ہو کر کہا: بندۂ خدا خود ہی کیوں نہیں بتا دیتا کہ تیرا قاتل کون ہے؟ مردے نے فی الفور آنکھیں کھولیں اور کہا میرا قاتل فلاں ابن فلاں ہے اور پھر آنکھیں بند کر کے مر گیا۔ ۵۶۱ھ میں ایک سوہیں برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرقد زریبان میں ہے۔

قطعہ تاریخ وفات:

علی رہنمائے نختی و حبل علی رازدارِ غسل و نبی
 بگو کامل عشق ترحیل او دگر بود "مقبول دوراں علی"
 ۵۶۱ھ ۵۶۱ھ

۲۴۔ حضرت غوث الثقلین محی الدین سلطان شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (الحسنی الحسینی الخلیلی الشافعی)

سید عبد القادر نام، ابو محمد کنیت، امام الامام محی الدین لقب، محبوب سبحانی،
 قطب ربانی، غوث صدیقی خطاب۔ غوث الثقلین، غوث الاعظم عرف، سلسلہ نسب
 سید محمد معروف بہ حسن منی بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک
 اس طرح قطبی ہوتا ہے۔ سید عبد القادر بن ابی صالح بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید
 عمر زابد بن سید محمد روحی بن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن عبد اللہ ثانی بن موسیٰ ثالث بن
 سید عبد اللہ محسن بن سید محسن بن سید محمد معروف بہ حسن منی بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایت ہے آپ نے فرمایا جمعہ کے روز میں باہر سے شہر بغداد میں داخل ہوا۔ میں
 ایسے بیمار کے پاس سے گزرا جو نہایت زار و نزار کمزور و ضعیف تھا۔ اس ضعف و نقاہت
 کے باعث اس کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کہا۔
 میں نے جواب دیا: پھر کہا میرے پاس آئیے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس نے کہا: کیا
 آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا: میں آپ کے جدِ امجد کا دین
 ہوں مجھے بیٹھائیے۔ میں نے اسے سہارا دے کر بیٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیٹھتے ہی
 اس کا جسم تازہ اور اس کا چہرہ روشن ہو گیا ہے۔ رنگ نکھر گیا ہے اور وہ تندرست معلوم ہونے
 لگا ہے۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور
 آپ محی الدین (دین کو زندہ کرنے والے) ہیں۔ میں اس سے خدمت ہو کر جامع مسجد گیا
 جب نماز سے فارغ ہوا تو لوگ ہر طرف سے آ کر مجھے محی الدین کہنے لگے۔ فرمایا: میرا تصرف
 جن و انس پر ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل
 کرتے تھے اسی طرح جنات بھی صفت بہ صفت حاضر خدمت ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔
 فرمایا، جس طرح انسان میں مشائخ ہوتے ہیں اسی طرح جنات و ملائکہ میں بھی مشائخ ہوتے ہیں۔

میں جن انسان اور طائفہ سب کا شیخ ہوں۔

شیخ ابو سعید عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری ایک سولہ سالہ لڑکی تھی۔ ایک روز وہ چھت پر گئی اور گم ہو گئی۔ ہر چند تلاش کیا نہ ملی۔ حضرت فوت الثقلین کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: تم آج رات بغداد کے محلہ خرابہ کرج میں جا کر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور اس میں بیٹھ کر بسم اللہ علی بنت عبدالقادر پڑھتے رہو۔ رات کی تاریکی میں جنات کی ایک جماعت کا اُس طرف سے گزر ہوگا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ تم ان سے خوف نہ کھانا۔ صبح کے وقت جنات کا بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزرے گا۔ وہ تجھ سے کہے گا، بتاؤ کیا کام ہے؟ تم کہنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے ہمیں تمہاری خدمت میں بھیجا ہے اور اپنی لڑکی کے گم ہونے کا واقعہ بتانا۔

پس اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ جنات گروہ درگروہ مختلف شکلوں میں اس طرف سے گزرتے لیکن اس دائرہ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور دائرہ کے سامنے ہلکھڑا ہوا اور کہا، تیرا کیا کام ہے۔ میں نے کہا، شیخ سید عبدالقادر جیلانی نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ زمین چومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کس لئے بھیجا ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے غائب ہوجانے کا واقعہ سنایا۔ اُس نے حکم دیا: اس کی لڑکی کو جوچین اٹھا کر لے گیا ہے وہ فوراً حاضر کیا جائے۔ ٹھوڑی ہی دیر میں وہ جن مع لڑکی کے حاضر کیا گیا۔ یہ جن چین کے جنات سے تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تو نے اس لڑکی کو حضرت فوت الثقلین کے حلقے سے اٹھالیا۔ اُس نے کہا: مجھے اچھی لگی تھی، میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ جنات نے حکم دیا کہ اس کا سرا ڈا دیا جائے۔ اور لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔ میں نے بادشاہ جنات سے پوچھا: تجھ سے زیادہ میں نے فرماں بردار شیخ کا کسی اور کو نہیں پایا۔ کیا وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا، ہم ان کے فرماں بردار کس طرح سے نہ ہوں جب وہ گھر میں تمام دنیا کے جنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی ہدایت سے جنات ٹھہرا اٹھتے ہیں۔

آپ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔ یہی آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔
یہ قصبہ طبرستان کے مضافات سے ہے۔ اس قصبہ کو جیل یا گیل بھی کہتے ہیں اور اسی نسبت
سے آپ کو جیلانی و گیلانی کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے
انا الجیلی ومعنی الدین اسمی۔ و اعلامی علی ما من الجبال۔

بعض مورخین کی رائے میں جیل و ریائے و جلہ کے کنارے ایک قصبہ کا نام ہے
نیز ایک اور روایت کے مطابق مدائن کے قریب جیل ایک موضع کا نام ہے۔ ان دونوں
کی نسبت سے آپ کو جیلانی یا گیلانی کہتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے ان دونوں مقامات
پر سکونت فرمائی ہو جیسا کہ برج عجمی میں آپ کچھ عرصہ قیام پذیر رہے اور یہ برج آپ کے
ساتھ منسوب ہو گیا حالانکہ یہ بغداد میں واقع ہے مگر درحقیقت آپ کا مولد گیلان ہی ہے
جو طبرستان کے مضافات میں سے ہے۔

آپ رسالتناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے اور خرقہ ارادت حضرت شیخ ابوسعید
مبارک مخزومی قدس سرہ سے حاصل کیا ہے جن کا سلسلہ بیعت حضرت معروف کرخی تک
پہنچ کر حضرت امام علی رضا تک منتهی ہوتا ہے اور پھر ان کے آبا کے واسطے سے حضرت
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیر صحبت حضرت شیخ حماد دیاس
قدس سرہ تھے نیز آپ کی اکثر صحبت حضرت خضر سے رہی ہے۔ فقہی مسائل میں آپ
امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر،

ابن محمد بن ادریس نام، ابو عبد اللہ کنیت، لقب شافعی تھا۔ قریشی ہاشمی تھے۔ ائمہ اربعہ کے تیسرے امام ہیں
پہلے مدینہ میں حضرت امام مالک سے القاب علم کیا۔ ان سے موطاء پڑھی۔ پھر عراق آئے اور حضرت امام
محمد شیبانی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ سے تھے ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر تکمیل علوم کی۔
اور مرتبہ اجتہاد حاصل کیا۔ علوم قرآن و حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ اس تجربہ علم کے ساتھ بڑے زاہد و عابد و
امین تھے۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ تمام علم و علوم دنیویہ کی نشرو اشاعت میں
گزاری۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس قرآن مصر میں واقع ہے۔ حبیب اصفیاء آپ کی
تاریخ وفات ہے۔

لقب امت الجبار اور نام فاطمہ بنت شیخ عبداللہ صومعی ہے۔ جو گیلان کے اکابر اور یار میں سے تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی نے نغمات الانس میں فرماتے ہیں: حضرت شیخ عبداللہ صومعی گیلان کے اکابر مشائخ۔ سرداران زہاد اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے۔ عرفان و سلوک اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ اگر آپ کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ فوراً آپ کی طرف سے اتمام لے لیتا تھا اور جیسی آپ کی خواہش ہوتی تھی ویسا ہی ظہور پذیر ہوتا تھا۔ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بغرض تجارت سمرقند روانہ ہوئی۔ راستے میں ریزنوں نے حملہ کر کے ان کے مال و متاع کو لوٹنا چاہا۔ چنانچہ آپ کے دوستوں نے اس اذراقتری میں آپ کو استمداد کے لئے پکارا۔ آپ فی الفور گھوڑے پر سوار و ہاں پہنچے اور باواز بلند سبح و قدوس بنا اور رب الملائکۃ والروح کہا۔ یہ سنتے ہی تمام ریزنوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب امن و اطمینان ہوا تو آپ کی اوحد ادر تلاش کی گئی مگر آپ کو نہ پا کر یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی یہ امداد باطنی تھی۔

حضرت غوث الاعظم کی ولادت جیلان میں ماہ رمضان کی پہلی شب ۷۱۰ھ۔۔۔ ۷۲۷ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور اس عمر میں اولاد کی توقع منقطع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی آپ کے کرامات سے ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی عارفہ و صالحہ تھیں۔ لقب عماد الدین اور خطاب نور الدین تھا۔ والد کا نام نظام الدین تھا۔ پہلے اصفہان میں سکونت رکھتے تھے پھر نقل مکان کر کے جام اکریہم پیر ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت امام محمد شیبانی الترمذی ۱۰۹ھ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ارشد کماندہ ہیں سے منسی ہوتا ہے۔ ظاہری علوم ہرات میں مولانا خواجہ علی سمرقندی جو اپنے عہد کے اکابر علماء ہیں تھے ان کے حلقہ دوس میں شامل ہو کر تحصیل کئے۔ پھر حضرت خواجہ سعد الدین کاشغری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تکمیل سلوک کی۔ اپنے زمانے کے جنید عالم، بے مثال ناضل اور عارف کامل تھے۔ آپ کی ذات جامع علوم شریعت و طریقت ہے۔ شاعری میں بھی درجہ بلند رکھتے تھے۔ تمام کلام مازنازہ اور حقائق و معارف سے پر ہے۔ حنفی الذہب تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند الترمذی ۸۹۵ھ سے آپ کو الہامہ عقیدت تھی۔ نغمات الانس، شواہد النبوت، سلسلہ الذہب، ثنوی یوسف زینا، دیوان جامی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۸۹۵ھ میں وفات پائی۔ خواجہ علی آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

آپ فرماتی ہیں: جب میرا لڑکا عبدالقادر پیدا ہوا۔ رمضان بھرون میں کبھی دودھ منہ میں نہیں لیا۔ فرماتی ہیں: ایک روز مطلع ابراؤ کو دتھا، چاند نظر نہ آسکا۔ لوگوں نے آکر مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا آج دن بھر میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں جیلان سے بغداد تحصیل علم کے لئے تشریف لائے۔ پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں قماز شہر آفاق ہو گئے اور اسی پہلے سفر میں ساٹھ رہزनों نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

۵۲۱ھ میں بہ اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؑ منبر پر وعظ لکنا اور دعوت و تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ آپ تمام علوم متداولہ میں مہارتِ کامل رکھتے تھے اور ہر علم سے متعلق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اُن جناب اکثر حالتِ وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ "اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات سُنو کہ میں نائِب و وارثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔"

آپ کی ہر مجلس میں شہر بزرگ حاضرین کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چار سو شخص آپ کے کلام کو لگتے۔ تاثر کلام کا یہ حال تھا کہ سامعین میں سے اکثر لذتِ ذوق و شوق و غلبہ حال میں جہاں بحق ہو جاتے۔ بعض پر بیخودی و وجد طاری رہتا اور وہ کئی کئی دن تک ہوش میں نہ آتے۔

شیخ ابوشعبہ قیلوی فرماتے ہیں: آپ کی مجلس وعظ میں میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و دیگر پیغمبروں علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز ملائکہ اور جنات کو صاف بہ صاف دیکھا ہے۔
تصانیف میں فتوح الغیب، جلاذ الخواطر، غیۃ الطالبین، فتح الربانی اور قصائد وغیرہ

لے حسنی سادات اور عراق کے مشائخ کبار سے تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل اور کرامات و مقامات میں درجہ بلند کے

حامل تھے۔ خرقہ ارادتِ حضرت غوث الاعظم سے حاصل کیا تھا۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قیلویہ میں ہے۔

یہ کتاب آپ نے اپنے فرزند شیخ شرف الدین عیسیٰ الترقی ۵۵۰ھ کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی توالینت و تصانیف سے ہیں۔ کتابوں میں آپ کا حلیہ مبارک و خلقت و صورت آرائش و صفت اس طرح تحریر کی گئی ہے۔ نحیف الجسم، قد میانہ، کشادہ سینہ، بلند پیشانی، گندم گوں رنگ، دونوں ابرو باجم پیوستہ، آواز بلند، لباس عالمانہ زیب تن فرماتے تھے۔ کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کبھی ایسے کپڑے ہوتے تھے کہ ایک گز ایک دینار قیمت کا ہوتا تھا۔ فرماتے ہیں، میں اس وقت تک نہیں پہنتا جب تک پہننے کا حکم نہ فرمائیں۔ میں اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک وہ نہ کھلائیں۔ میں اس وقت تک بات نہیں کرتا جب تک کہ نہ بولائیں۔

سلاطین و امراء کے علاوہ اگر کوئی شخص خدمتِ اقدس میں ہدیہ و نذرانہ پیش کرتا تو اُسے قبول فرمایتے اور حاضرین میں تقسیم فرمادیتے۔ اگر کوئی صدقہ لاتا، اُسے بھی قبول کرتے مگر خود اُس میں سے تناول نہ کرتے۔ تمام کا تمام حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ سے زیادہ خوش اخلاق، باجیا، شریف، مہربان اور نرم دل کوئی دوسرا نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے ہر مصاحب کو یہی گمان ہوتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں چاہتے۔

ایک روز ایک چور آپ کے گھر آیا۔ اندھا ہو گیا اور کچھ نہ لے جاسکا۔ اسی آثار میں جناب خضر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یا ولی اللہ ایک ابدال فوت ہو گیا ہے جس کے لئے

(بقیہ حاشیہ ۱۵) حضرت کے یہ صاحبزادے آپ ہی کے خلیفہ و شاگرد تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ بغداد

میں حدیث و فقہ کا درس دیتے تھے۔ علم تصوف کے حقائق و معانی میں آپ کی مشہور تصنیف جو اہل الاسراء ہے۔

تھے یہ کتاب حضرت طوٹ الاعظم کے ملفوظات ہیں۔ انہیں آپ کے فرزند شیخ تاج الدین عبدالہزاق المتوفی ۱۰۹۵ھ

نے جمع کیا تھا۔ آپ بھی اپنے والد ماجد ہی کے خلیفہ و شاگرد تھے۔ ولایت و امامت میں دارِ حج بلند پر فائز تھے۔

کے علوم فقہ حدیث و تصوف میں آپ کی بلندی پر تصنیف ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ علامہ عبدالحکیم سیاح کوٹی رحمت اللہ علیہ

المتوفی ۱۰۹۸ھ نے حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہ المتوفی ۱۰۲۹ھ کے ایما سے کیا تھا۔

لئے ابدال، اوتاد، رجال الغیب، اہل تصوف میں اقبلی درجہ رکھتے ہیں۔ ابدال کی تعداد شریبان کی جاتی ہے۔

جب ان میں سے کوئی وصال پا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اوتاد اہل تصوف میں سے اُن

اویاد کا خطاب ہے جو اپنے مقام سے کہیں نہیں جاتے ان کی تعداد چار ہوتی ہے۔ رجال الغیب یا (باقی اگلے صفحہ پر)

حکم ہو اُسے اُس ابدال کی جگہ پر مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا: ہمارے گھر میں ایک شخص امیدوار آیا جو اسے اور ہمارے گھر کے ایک کونے میں چھپا ہوا ہے۔ جاؤ اسے باہر لاکر مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دو۔ حضرت خضر سے باہر لے آئے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا وہ گمراہ ایک ہی نظر کیمیا اثر سے پیدا ہو کر مرتبہ ولایت کو پہنچ گیا۔

رجال الغیب میں سے ایک اڑتا ہوا شہر بغداد کی جانب سے گزرا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ شاید بغداد میں اس وقت کوئی مرد با خدا نہیں ہے۔ حضرت طوٹ الاعظم کو نورِ باطن سے اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے اُس کے کمالات و احوال کو اسی وقت سلب کر لیا۔ پس وہ مردِ غیب جو اسے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے قصور کی معافی چاہی اور تائب ہوا۔ حضرت نے اُس کے کمالات و احوال اُسے واپس فرما دیئے اور وہ پھر اسی طرح اڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت غوثِ اعظم منبر پر رونق افروز ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔

دقیقہ ما شہدۃ (پہلے تانا۔ اہل تصوف میں وہ چالیس ابدال جن کے وجود سے عالمِ ایجاد کا انتظام بحکم ملکِ اعلام قائم ہے۔ غوثِ قطب، رئیسِ ادویا، ابوالوقت، عارفِ کامل، شیوائے طریقت، صاحبِ معرفت و خوارقِ کرامت اور واصلِ حق ہوتا ہے۔ نیز علماء و صوفیہ کی ایک جماعت کثیر حضرت خضر کی نبوت اور ان کی حیاتِ جاوید پر متفق ہے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ جمہورِ اہل علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ خضر زندہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں مرے گئے جب تک قرآن مجید اٹھا نہیں لیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے شرح البخاری میں اور امام سخاوی نے بھی یہی کہا ہے مگر محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں امام بخاری، ابن مبارک، ابن حزم اور ابن جرزی شامل ہیں۔ صوفیہ سے حضرت خضر کی ملاقات تو اتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ غوثِ قطب کی صحبت میں وقت گزارتے ہیں۔ صلحائے زمانہ کو تسلیم دیتے ہیں اور اشرافِ تبرک مقامات پر تشریف لائے ہیں۔ بعض صوفیہ اپنے مرشد سے فیض یاب ہونے کے علاوہ حضرت خضر اور دیگر بزرگوں کے بھی ایسی تھے۔ ایسی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی سے باطنی فیض پہنچا ہو۔

دوسرے قریب اولیاء اللہ حاضر مجلس تھے، جن میں شیخ حماد دیاں بن مسلم، شیخ بقا بن طور، شیخ علی ہسینی، خواجہ یوسف ہمدانی، شیخ بنیاد الدین ابوالنجیب عبدالقادر سہروردی، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ قصبہ البان، شیخ احمد بن مبارک، شیخ صدوق، شیخ جائزہ لہ یوسف بن ایوب نام، ابویقوب کنیت، ہمدان کے رہنے والے تھے۔ شیخ بوعلی فارسی سے بیعت تھے۔

شیخ ابواسحاق شیرازی سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ جب تحصیلِ علوم کے لئے بغداد تشریف لائے تو حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ ذریعہ حنفی تھے۔ سلسلہ خواجگانِ چشت کے سردار ہیں۔ ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مرہ میں ہے۔ خواجہ حسن اذانی، خواجہ احمد سیوی، خواجہ عبدالغنی نجرانی آپ کے نامور مرید و خلفا ہیں۔ لہ نام عبدالقادر، لقب ضیاء الدین، سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق تک منتهی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ احمد غزالی المتوفی، ۵۵۱ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام علوم میں کامل و اکمل تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے ہم نشینی کی سعادت حاصل تھی۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی۔

لہ شہاب الدین نام، ابوخص کنیت، شیخ الشیوخ لقب، والد کا نام شیخ محمد تھا۔ عراقِ عجم کے مشہور قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقادر کے بزرگ ترین مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے متعدد تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے حوارن المعارف تصوف میں بڑے پایہ کی تصنیف ہے۔ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے عالم متبحر تھے۔ تمام احوال و مقامات کو شرمی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مرید بھی اپنے وقت کے فاضل و کامل ہوئے ہیں۔ خاص کر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی، سید نور الدین مبارک خرنوی، قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ نجیب الدین علی بخش شیرازی آپ کے نامور خلفا تھے۔

لہ کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے کامل مریدوں سے تھے۔ صاحب خوارق و کرامت تھے۔ کسی حضرت غوث اعظم سے شکایت کی کہ قصبہ البان نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا، اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ کے آستانہ پر سجدہ ریز رہتا ہے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

۵۷۰ھ مابذو زاید صاحب کشف و کرامت تھے۔ حضرت غوث اعظم کے خادم خاص تھے۔ آپ کو سب سے حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت جب و عطا کے لئے کرسی پر تشریف لاتے تو آپ کرسی پر اپنی چادر بچھایا کرتے تھے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے اکابر صوفیہ بھی شریکِ مجلس تھے۔ درمیانِ خطبہ میں آپ نے فرمایا: قد می هذا علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ شیخ علی بیہقی أٹھ کر منبر کے پاس آئے اور حضرت غوثِ اعظم کا پائے مبارک اٹھا کر اپنی گردن پر رکھا۔ اس پر تمام اویانے اپنی گردنیں جھکالیں۔ روایت ہے اکثر اولیاء جو حضرت غوثِ الاعظم کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے نورِ باطن سے ظہورِ نورِ غوثیہ کی پیشین گوئی کی تھی ان میں سے خاص کر شیخ ابوبکر بن مراد الطائفی قدس سرہ جو عراق کے متقدمین اکابر مشائخ سے ہیں اور خوارق و کرامت مقامِ بلند ہیں جنہوں نے عالمِ رویا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی اور خرقہ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ جو بھی میرے روضہ میں داخل ہو اس پر وزنِ کئی آگ حرام فرما اور یہ مشہور ہے کہ ان کے مزار کے قریب گوشت یا مچھلی پکانے سے کبھی نہیں کپتی تھی۔ مزار مبارک بطایح میں ہے۔ فرماتے ہیں: عراق کے اوتادِ سات بزرگ ہیں۔ معروف کرخی، امام حنبلی، بشیر عافی، منصور بن عمار، جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ تشرنی اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم۔ ان سے پوچھا گیا: شیخ عبدالقادر کون ہے؟ فرمایا: ایک کریم النفس عجمی ہے۔ جو بغداد میں پیدا ہوگا اور اس کا ظہور پانچویں صدی ہجری میں ہوگا۔

دقیقہ حاشیہ ص ۱۶۱) کنیت ابوالفرج ہے۔ باپ کا نام حسین تھا، سکونت بغداد میں تھی حضرت غوثِ الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر فیوضِ برکات حاصل کرتے تھے۔ زہد و روح اور عبادت و ریاضت میں بالکمال تھے۔ ۵۷۲ھ میں وفات پائی۔

۱۷۱) کنیت ابوالفرج ہے۔ نواحِ سامراء ان کا وطن تھا۔ تاج العارفین ابوالوفاء کے مرید تھے۔ عالم و فاضل اور صاحبِ کراماتِ عالیہ تھے۔ حضرت غوثِ الاعظم سے شرفِ ہم نشینی حاصل تھا۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

۱۷۲) کنیت ابونصر ہے۔ والد کا نام حادث بن عبدالرحمن ہے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ عراق کے مشائخ متقدمین میں مرتباً بند رکھتے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ بغداد میں سکونت رکھتے تھے۔ اپنے ماموں علی بن خیرم کے مرید تھے۔ امام احمد حنبلی اور فضیل عیاض کی صحبت میں رہے تھے۔ ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

۱۷۳) کنیت ابو محمد ہے۔ ذہبا حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ عراق کے علمائے کبار اور مشائخِ عظام سے تھے۔ طریقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہیلہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہدہ نفس پر ہے۔ ۲۸۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت غوث الثقلین فرماتے ہیں: میں نے مکمل پچیس سال جنگوں میں تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں گزارے ہیں۔ چالیس سال تک مشاء کے وضو سے صبح کی نماز اور اکیس پندرہ سال تک نماز عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر طلوع صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے آرزوئے خواب کی۔ مگر میں نے اُس کی اس خواہش پر کان نہ دھرا اُس وقت میں چالیس دن کا روزہ رکھتا تھا اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں اور اشیائے مباحہ بیابانی سے روزہ افطار کرتا تھا۔

فرمایا: حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ میں نے اپنی حد نظر تک دیکھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی میرے اصحاب اور مریدوں کے نام لکھے ہوئے تھے جو قیامت تک اپنی نسبتوں کو میری طرف منسوب کر کے اصلاح چاہیں گے۔ حکم ہوا میں نے ان سب کو تیری وجہ سے بخش دیا۔

فرمایا: خدا کی قسم میں اُس وقت تک جدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

فرمایا: اگر میرا کوئی مرید مشرق میں رہتا ہو جائے تو میں مغرب میں ہونے کے باوجود اُس کو اپنے دامن میں چھپا لوں گا۔

دریافت کیا گیا، حضرت اگر کوئی شخص اپنے آپ کو حضور کا مرید کہے۔ مگر درحقیقت اس نے آپ سے بیعت کی ہو نہ خرقہ پہنا ہو۔ کیا ہم اُس کو حضرت کے مریدوں میں شمار کریں۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں جو اپنی نسبت میری طرف کرے گا حق تعالیٰ اُس کو قبول فرمائے گا، اُس کے گناہ بخش دے گا اور وہ میرے مریدوں ہی سے سمجھا جائے گا۔

فرمایا: ہر مسلمان جو میرے مدرسے کی طرف سے گزرا یا اس نے میرا منہ دیکھا یا میرا نام سنا اور خوش ہوا۔ اُس پر سے تار و زیقاقت عذاب دور کر دیا جائے گا۔

آپ کی وفات شریف پر روایات صحیح شب شنبہ ۸ یا ۹ ربیع الثانی بعد از نماز عشاء ۵۹۱ یا ۵۹۰ھ میں واقع ہوئی۔ بعض اہل تاریخ گیارہ یا تیرہ یا سترہ ماہ مذکور بیان کرتے ہیں مگر صحیح ۹۔ ربیع الثانی ہی کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند میں آپ کا سالانہ عرس اکو اور بغداد میں

ہا کہ ہوتا ہے۔

مزارِ اقدس بغداد میں مدرسہ باب الانبیا میں زیارت کا وِخْلِق ہے۔

[آخر میں مولف خزانہ الاصفیاء حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ حضرت غوث الاعظم سے جتنی کرامات سرزد ہوئی ہیں اتنی کسی اور ولی اللہ سے نہیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کتب ہجرت الاسرار، مخدق قادریہ، امیس القادریہ، مناقب غوثیہ وغیرہ میں مفصل و مشروح مذکور ہے۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے کتاب خزانہ الاصفیاء سے پہلے ایک کتاب گلدستہ کرامات حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ و مطالعہ کی جائے۔ مولف غلام نے تین کتابیں حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کی منقبت میں تالیف و تصنیف کی ہیں :

۱۔ گلدستہ کرامات، یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نوکشتور کھنؤ سے چار بار دہلی سے دوبار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ اس میں کل ایمانوں سے مناقب ہیں کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی ایسا نوے سال کی تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ بانگ محی الدین گیلانی اس کی تاریخ تالیف ہے۔

۲۔ مناقب غوثیہ، حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب آج کل کم یاب ہے۔

۳۔ دیوان سروری، اردو نظم میں ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔ لکھنؤ، دہلی اور لاہور میں کئی مرتبہ چھپا۔ یہ پورا دیوان حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ دُغْزِزِیْن لکھی جاتی ہیں جن سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مفسور کو غوث الاعظم قدس سرہ سے کس قدر والہانہ ارادت و عقیدت تھی۔

(۱)

توئی درد جہاں والی اغثنی شاہ محی الدین

توئی شاہنشہ عالی اغثنی شاہ محی الدین

marfat.com

Marfat.com

منم یک خادم کتر بحالِ غیش بس مضطر
 مدد کن اسے شہِ اکبرِ اغثنی شاہِ محی الدین
 من این حالت کرا گویم مدد من از کجا جویم!
 سیاہ رویم کجا پویم اغثنی شاہِ محی الدین
 منم بیکس نہ کس دارم نہ کس فریاد رس دارم!
 فقط از تو بوس دارم اغثنی شاہِ محی الدین
 بہ میں چشم پڑ آبِ من بہ ہیں حالِ خرابِ من
 بہ ہیں ایں پیچ و تابِ من اغثنی شاہِ محی الدین
 حکومت را تونی شلبے ولایت را تونی ماسے
 تونی پیروں آگاہے اغثنی شاہِ محی الدین
 تونی سردارِ کل عالم بہر بیکس تونی ہدم
 بسردور کن نظر بہر دم اغثنی شاہِ محی الدین

(۲)

افسر اہل صفا حضرت غوث الثقلین!
 جلوہ گر نورِ بخش گشت بعالم چون ماہ
 مخزنِ لطف و کرم مطہر انوارِ قدم
 مرشدِ اہل صفا ہادیِ اقلیمِ ہدا!
 گشت محبوبِ خدا حضرت غوث الثقلین
 ماہِ دو ماہِ لقا حضرت غوث الثقلین
 معدنِ جود و سخا حضرت غوث الثقلین
 مظہرِ نورِ خدا حضرت غوث الثقلین
 گر تو خواہی کہ شوی ز اہل صفا لے سرور
 پس بگو صبح و مساحرت غوث الثقلین (مترجم)

قطعات تاریخ ولادت و وفات:
 عز آلِ حیدری و خیر اولادِ حسن!
 عبد قادر شاہِ محی الدین ولی پیرانِ پیر

دوست فرما عشق گو عاشقِ باری ملتِ بخوان
 باز اول گشت محی الدین نورانی رستم
 ارتحالِ پاکِ او سلطانِ عبدالقادرِ راست
 گفت مسکینِ عبدالقادر ہم فقیر نیک نام
 ماری محبوب محی الدین شدہ تاریخِ او
 سالِ تولیدش وگر محبوبِ سلطانِ اکبر
 نیز محی الدین بحرِ حقِ تولیدش بگمیر
 عاشقِ کاملِ وگر مہدیِ ولی اللہ فقیر
 خانہ ام از بہر وصلِ آن شہِ روشن ضمیر
 باز محی الدین رکنِ الحقِ خبر شد از خیر

ثنوی

محی دین غوثِ معلیٰ قطبِ دین
 پیرِ پیراں نیرِ میراں دستگیر
 قرۃ چشمِ جنابِ مصطفیٰ
 سالِ تولیدش بگوئے مع خواں
 بالیقین تولیدِ آنِ والیٰ حق
 سالِ تولیدش بعد صدق و صفا
 ذاتِ او محبوبِ ربِّ العالمین
 شاہِ والا پیرِ برتا و پیرِ!
 نورِ حقِ نحتِ دلِ خیر النساء
 پیرِ محی الدینِ والیٰ جہاں
 خواں امامِ المسلمینِ ہادیٰ حق
 شد رقمِ محبوبِ قطبِ اصفیاء

گفت دلِ سالِ وصالِ او چنین

اہلِ دلِ محبوبِ ربِّ العالمین

۳۵۔ حضرت شیخ ابو عمر قرشی قدس سرہ

عثمان نام، مرزوق بن حمید بن سلامہ باپ کا نام تھا۔ حبیبی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت
 غوثِ اعظم کے مرید و شاگرد تھے۔ علمِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ صاحبِ کشف و
 کرامت اور مصر کے مشائخِ عظام سے تھے۔ ایک سال دریا نے نیل میں جید طغیانی آگئی،
 مصر کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طغیانی کے کم ہو جانے کی درخواست کی۔
 آپ دریا کے کنارے پر آئے۔ بیٹھ کر وضو کیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا۔ اگلے سال

marfat.com

Marfat.com

پانی کم آیا۔ معصری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی زیادتی کی التماس کی۔ آپ
 دریا پر آئے اور اپنے ساتھ اپنا کوزہ لائے۔ وہاں بیٹھ کر وضو فرمایا۔ دریا کا پانی بڑھنا شروع ہوا
 اور آپ کی دعا کی برکت سے زراعت میں ترقی ہوئی۔ ۵۱۴ھ میں دنات پانی۔ مزار حضرت امام شافعی
 کے مزار کے قریب ہے۔ قطعہ تاریخ وفات،

چو عمر شیخ مقتدا بنے جہاں پیر والا گمروںی مقبول
 زلفش بست بو عسر معصوم ہم زبوعسروںی مقبول

۳۶۔ شیخ قصب البان موصلی قدس سرہ

کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔
 آپ کی ذات سے بے حد عوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ قاضی موصل کو آپ سے سخت اختلاف تھا۔
 ایک روز موصل کے کسی بازار سے گزرتے ہوئے قاضی سے دوچار ہو گئے۔ قاضی نے دل
 میں کہا، آج موقع ہے گرفتار کر کے حاکم کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ اچھی طرح مزا ملے۔ قاضی
 نے اچانک دُور سے دیکھا کہ گروا ڈرہی ہے۔ جب دُور قریب آئی تو معلوم ہوا کوئی قوی بیل
 معزور پہوان ہے اور قریب ہوا تو ایک اعرابی کی صورت میں متشکل ہو گیا۔ پھر عالم و نقیبی کی
 شکل میں ظہور ہوا اور قاضی کے قریب آ کر کہنے لگا۔ کہوان تینوں شکلوں میں سے کون سی
 شکل حاکم کے سامنے لے جا کر سزا دلانا چاہتے ہو۔ قاضی اسی تبدیلی بیعت سے خوف زدہ
 ہو گیا۔ تائب ہو کر شیخ کے تعلقہ ارادت میں داخل ہوا۔

کسی نے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں شکایت کی کہ شیخ قصب البان نماز
 نہیں پڑھتے۔ فرمایا: اُن کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کی دیبلیز پر پڑا رہتا ہے۔۔۔ ۵۱۵ھ میں وفات پائی۔
 مزار مبارک موصل میں ہے۔ قطعہ تاریخ وفات:

رہنائے جہاں قصب البان شیخ ذی جاہ رہبر معصوم
 جلتش کاشف القلوب بگو خواں وگر بار پیریں مرحوم

۲۷۔ شیخ احمد بن مبارک قدس سرہ

زاہد و مابد، صاحب کشف و کرامت اور حضرت غوث الاعظم کے خادم خاص تھے۔ ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب حضرت غوث الثقلین وغض کے لئے کرسی پر تشریف رکھتے تھے تو آپ اپنی چادر مبارک کرسی پر بچھایا کرتے تھے۔ ۶، ۷ دھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شیخ احمد بن مبارک چوں بفتل ایزدی یافت از دنیا سے دوں در جنت اعلیٰ مقام
 زلمش آمد قدس بن مبارک شد رستم نیز احمد نور ربانی شد از سرور عیاں
 ۶۰۲ ۵۰۲

۲۸۔ حضرت شیخ سید احمد فاعلی بن سید ابی الحسن قدس سرہ

اپنے زمانے کے شیخ الوقت اور امام الاولیاء تھے۔ بڑے عابد و زاہد، عالم و فاضل اور صاحب کشف و کرامت تھے۔ آباؤی نسبت امام علی بن موسیٰ کاظم سے ہے۔ نسبت خرقہ پانچ واسطوں سے حضرت شیخ شبلی تک منتہی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین نے ان کی ہمیشہ کو اپنی بہن کہا تھا اس لئے آپ انہیں اپنا خواہر زادہ سمجھتے تھے۔ ایک روز شیخ احمد فاعلی کے بھائی شیخ ابو الحسن ابن کے حجرے کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر نظر کی تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ حیران رہ گئے کہ یہ کس راستے سے اندر آیا ہے۔ چند ساعت تک وہ شیخ سے مخاطب رہا۔ جب فارغ ہوا تو جو روزن دیوار خلوت شیخ میں تھا اُس میں سے برقی غاطف کی طرح نکل گیا۔ شیخ ابو الحسن کہتے ہیں میں یہ حال دیکھ کر خدمت شیخ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یہ کون شخص تھا۔ فرمایا: تو نے اسے دیکھا ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا: یہ شخص رجال الغیب سے تھا۔ تین روز ہوئے بارگاہ کبریائی سے مہجور (یعنی معزول) ہو گیا ہے۔ میں نے

سبب پوچھا۔ فرمایا ایک روز جزائر بحر محیط میں جہاں یہ مقیم ہے۔ دو تین روز بارش ہوتی رہی اس کے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بارش آباد زمین پہ ہوتی اور خلق خدا کو اسے پورا نفع ہوتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے بارگاہ رب العزت سے مجبور ہو گیا ہے۔ میں نے کہا: آپ نے اسے اس حال سے خبر کیوں نہ دی۔ فرمایا: شرم آئی کہ اس کے سامنے اُس کی معزولی کا حال بیان کروں۔ میں نے کہا: اگر آپ فرمائیں تو اسے اس حال سے مطلع کروں۔ فرمایا: کر سکتا ہے۔ کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: اپنا سر گریبان میں ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک لمحہ کے بعد آواز آئی۔ ابے ابوالحسن! سر اٹھا اور آنکھیں کھول۔ جب سر اٹھایا اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں بحر محیط کے جزائر میں سے ایک جزیرے میں ہوں۔ حیران رہ گیا۔ بہت کر کے اٹھا۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک جگہ پر اُس مرد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پاس گیا۔ سلام کیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے مجھے قسم دی کہ جس طرح میں کہوں تم نے اسی طرح کرنا ہے۔ میں نے کہا بے چشم۔ اس نے کہا: میرا خرقہ میری گردن میں ڈال اور مجھے زمین پر گھسیٹ ادا دے کہ یہ اس شخص کی نزا ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے۔ پس میں نے اس کا خرقہ اس کی گردن میں ڈالا اور زمین پر گھسیٹنا ہی چاہتا تھا کہ نڈائے غیب آئی، اسے ابوالحسن اسے چھوڑ دے۔ ملائکہ زمین و آسمان پر گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہے۔ میں نے جب یہ آواز سنی تو بے خود ہو گیا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو دیکھا سید احمد رفاعی کے سامنے حاضر ہوں۔ میں اپنے آنے جانے پر مطلق آگاہ نہ ہوا۔ صاحب مناقب غوثیہ حضرت شیخ محمد صادق ثیبانی فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے اپنے ایک خادم سے کہا: سید احمد رفاعی کے پاس جا اور پوچھ کہ عشق کیا ہے؟ اور اس کا جواب مجھے لاکر دے۔ خادم ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آؤ جانکاہ اپنے سینہ پر سوز سے کھینچی اور کہا کہ عشق ایک ایسی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا ڈالتی ہے۔ اُن کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہوئے تھے وہ جل اٹھا اور سید احمد رفاعی بھی اس کے ساتھ جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر وہی راکھ پانی ہو کر

برف کی مانند جم گئی۔ خادم خوف زدہ ہو کر خدمتِ حضرت غوث الاعظم میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ فرمایا، پھر اسی جگہ پر جا اور اس جگہ کو بخور و عطر سے معطر کر، جسم سید احمد رفاعی اس عالمِ عنقریب کی طرف رجوع کرے گا۔ چنانچہ خادم اسی جگہ پر واپس آیا اور حضرت کے فرمودہ کے مطابق اُس جگہ کو معطر کیا۔ ابھی ایک ساعت بھی نہ گزری تھی کہ جو پانی سید احمد رفاعی کی جگہ پر جما ہوا تھا اس نے جسم کی صورت اختیار کر لی اور سید احمد رفاعی دوبارہ زندہ ہو گئے۔ روایت ہے جو شخص حاجت کے لئے آپ سے تعویذ طلب کرتا آپ اسے تعویذ کر دیتے۔ اگر قلم و سیاہی نہ ہوتی تو سفید کاغذ پر ہی اپنی انگلی سے بغیر قلم و سیاہی لکھ دیتے۔ ایک روز ایک شخص بغرض امتحان تعویذ کھول کر خدمتِ شیخ میں لایا اور استدعا کی کہ تعویذ لکھ دیجئے۔ جب انہوں نے کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا تو فرمایا، اسے فرزند تعویذ تو اس پر لکھا ہوا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو سادہ کاغذ پر دوبارہ سیاہی سے لکھ دوں۔ اس کاغذ پر حروف بالکل خود موجود ہیں۔

ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے واسطے سے آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جاؤں اور مجھے اسی وقت خطِ آزادی آسمان سے آجائے۔ اسی وقت ایک سفید کاغذ برقِ خاطر کی طرح آسمان سے آپ کے سامنے آگرا۔ شیخ نے وہ کاغذ اٹھا کر سائل کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا، لے آتشِ دوزخ سے یہ تیرا خطِ آزادی ہے۔ اس لے دیکھا تو وہ محض سفید کاغذ تھا۔ عرض کیا، اس پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا۔ فرمایا، یہ کاغذ نور سے لکھا ہوا ہے جو دل ہی کی آنکھ سے پڑھا جاسکتا ہے۔ ۵۵، ۲ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات :

شد چو از دنیاے فانی را ہیِ خلدِ بریں
ہم بگوہ احمد رفاعی سیدِ ہادی دیں!

سید احمد رفاعی خسرو دورِ زماں
قطبِ کامل شاہِ دین شد سالِ رحلتِ رقم

۲۹۔ حضرت شیخ سید شرف الدین عیسیٰ قدس اللہ سرہ العزیز

سید شرف الدین عیسیٰ نام، کنیت ابو عبد الرحمن۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادوں سے میں تحصیلِ علوم اپنے والد گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی تھی۔ حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ کتاب جواب الاسرار علم تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب فتوح الغیب حضرت غوث الاعظم نے آپ ہی کے لئے تصنیف کی تھی۔ ۵۳، ۵۴ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات :

شیخ شرف الدین چورفت اندر جناں سالِ وصلِ آں شہِ اہل کمال!
 کن رقم ۵ مسعود سید پیشوا !!! "مستی پاک" ہم سالِ وصال
 ۵۳، ۵۴

۳۰۔ حضرت شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہ

شیخ صدقہ نام، ابو الفرج کنیت، باپ کا نام یسین تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر اخذ فیض کرتے تھے۔ ایک روز حالتِ جذب و سکریں کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکل گئے جو ظاہر میں خلافِ شریعت تھے۔ علمائے وقت نے ان کلمات پر مواخذہ کیا۔ خلیفہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ جس وقت جلاد نے آپ کے کپڑے اتار کر کوڑے لگانے چاہے تو شیخ صدقہ کے ایک خادم نے اسے شیخ اسے شیخ کی فریاد بلند کی۔ اسی وقت خارب کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اسی واقعہ نے ناظرین پر ہیبت طاری کر دی۔ خلیفہ نے خائف ہو کر انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وہاں سے آپ حضرت غوث الاعظم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا: اے صدقہ جس وقت تیرے خادم نے فریاد بلند کی میں نے سنا اور مدد میں مشغول ہوا۔ ۵۳، ۵۴ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

امام جہاں صدقہ پیر کبیر فدا کردہ عشقِ حق جان و تن

توسروا برحق سال و صلش بگو دگر صدق صادق امام زمن
 ۵ ۴ ۳

۴۱۔ حضرت شیخ ابو عمر حریفی قدس سرہ

عثمان نام تھا۔ حضرت غوث الاعظم کے بزرگ تریں مریدوں سے تھے۔ فتر اور
 تجرید و تفرید میں یگانہ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ مجھے اپنی
 طرف کھینچے تو اس کی ابتداء اس طرح پر ہوئی کہ ایک رات میں اپنے گھر میں آسمان کی طرف
 منہ کئے لیٹا ہوا تھا، دیکھا کہ پانچ کبوتر اڑتے ہوئے جا رہے ہیں۔ پہلا پڑھتا تھا سبحان
 من عندہ خزائن کل شیئ وما نزلہ الا بقدر معلوم۔ پاک ہے وہ ذات
 جس کے پاس تمام چیزوں کے خزائن ہیں۔ وہ نازل کرنے والا ہے مگر ایک انمازہ معلوم میں۔
 دو سرا پڑھتا تھا: سبحان من اعطی کل شیئ خلقہ ثم ہدی۔ پاک ہے
 وہ ذات جو ہر چیز کو عطا کرتا ہے۔ پیدا کرتا ہے اور پھر اسے ہدایت دیتا ہے۔

تیسرا پڑھتا تھا: سبحان من بعثت الانبیاء حجۃ علی خلقہ و فصل
 علیہم محمد۔ پاک ہے وہ جس نے انبیاء کو اپنی مخلوق پر حجت پیدا کیا اور محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی۔

چوتھا پڑھتا تھا: کل ما فی الدنیا باطل الا ما کان للہ و رسولہ۔ دنیا میں
 جو کچھ سچی ہے سب باطل ہے سوائے اس کے جو خدا اور رسول کے واسطے ہو۔

پانچواں پڑھتا جاتا تھا: یا اهل الغفلة من مولکم قوموا الی ربکم رب کبیر یعطی العطاء الجزیل
 ویغفر الذنوب رب العظیم۔ اے اہل غفلت اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو جاؤ
 جو بڑا ہی عطاء و کرم کرنے والا اور گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔

میں یہ سن کر بے خود ہو گیا۔ جب بوش میں آیا تو دنیا و مافیہا کی محبت میرے دل
 سے محو ہو چکی تھی۔ وہ رات بڑی بیقاری اور اختر شامی میں گزار دی۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا
 کہ اپنے آپ کو کسی ایسے مرشدِ کامل کے سپرد کروں گا جو مجھے واسلِ بحق کرے۔ تلاشِ مرشد
 میں چل نکلا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف جاؤں۔ اچانک ایک پیر روشن ضمیر راستے میں ملا۔

اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا، آپ کون ہیں؟ میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا: میں خضر ہوں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا، کل صریحین میں ایک آدمی جذب حق کو پہنچا ہے اور بارگاہِ حق میں قبول ہوا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرشدِ کامل کے پیرو کر دے گا جو اسے خدا تک پہنچائے گا۔ پس تم اس کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ۔ پس فوراً حضرت غوث الاعظم عبدالقادر سید العارفین کی خدمت میں جاؤ۔ میں یہ سن کر فرطِ خوشی سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو بغداد میں پایا۔ بڑی مسرت و فرحت کے ساتھ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، مرچا اسے مجذوبِ خدا ابو عمر جلدی ہی اللہ تعالیٰ تجھے ایک مرید عبدالغنی بن تقفہ عطا کرے گا۔ اولیاد میں اس کا بلند مرتبہ ہو گا۔ بڑے بڑے ولی اللہ اس کی ارادت پر فخر کریں گے۔ پھر میرے سر پر طاہرہ رکھا جس کی ٹھنڈک اور فرحت میرے دماغ تک پہنچ گئی اور عالمِ ملکوت مجھ پر منکشف ہو گیا۔ میں نے سنا کہ تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اپنی اپنی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے۔ حضرت شیخ کے ہاتھ میں ایک پارہ پنہ تھا، مجھ پر پھینکا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھا میری عقل درست ہو گئی۔ پھر کچھ عرصہ تک مجھے خلوت نشین رکھا اور میری تکمیل کی۔ تیس سال کے بعد عبدالغنی ابن تقفہ میرے پاس آیا اور حلقہٴ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ پایا اور میرے خلفا میں سے ہوا۔ ابن تقفہ کی بابت حضرت غوث الاعظم نے جیسا فرمایا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ ۵۰۵ء میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات،

بو عمر آن محزن نورِ حندا ! شد چو در خلدِ بریں منزل گزین
سالِ وصلش بو عمر انورِ بخواں نیز فرما "مطلع نورِ یعتیں"

۴۲۔ حضرت شیخ محمد الاوانی المعروف بابن القايد قدس سره

حضرت غوث الاعظم کے کامل واکمل خلفائے تھے۔ فتوحاتِ مکہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظم نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ محمد ابن القايد اپنے زمانے میں منفرد ہیں اور منفردین وہ جماعت ہے جو دائرہ قطب سے خارج ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے انہی سے تھے۔ ابن القايد فرماتے ہیں کہ میں نے ماسوا اللہ سے روگردانی کر لی اور ترکِ علاق کے بعد میں حضرت کی خدمت میں آ گیا۔ اچانک میں نے اپنے سامنے ایک پاؤں کا نشان دیکھا۔ مجھے غیرت آئی اور سوچنے لگا کہ یہ کس کے پاؤں کا نشان ہے کیونکہ میں اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے کوئی سبقت نہیں کر سکتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشان ہیں جس سے مجھے اطمینان ہو گیا۔ ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات

چوں محمد از جہاں بالطفِ حق	گشت در فردوسِ والا بہر باب
حلقش سوارِ عالی شد عیاں	نیز شد روشن محمد آفتاب
۵۷۶ھ	۵۷۶ھ

۴۳۔ حضرت شیخ ابوالسعود بن شبلی قدس سره

حضرت غوث الاعظم کے بزرگ ترین خلفائے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں منفرد تھے۔ آپ کا شمار مشائخِ کبار سے ہوتا ہے۔ فتوحاتِ مکہ میں مذکور ہے کہ ایک روز ابوالسعود دریائے دجلہ کے کنارے جا رہے تھے کہ اُن کے دل میں خیال گزرا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی عبادت پانی میں کرتے ہیں۔ یہ خیال اُن کے دل میں آیا ہی تھا کہ ایک شخص نے پانی سے سر نکالا اور کہا ہاں کیوں نہیں اور میں انہی میں سے ہوں۔ میں بکریت کے مقام کار بننے والا تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا

marfat.com

Marfat.com

کہ شہر چھوڑ کر پانی میں عبادت کروں کیونکہ تقدیر الہی اسی طرح پر ہے۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پندرہ روز کے بعد کبریت پر ایک حادثہ عظیم نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آفت سے محفوظ رکھا۔ یہ کہہ کر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا۔

شیخ ابوالسعود کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ملا ہوتا تھا اس سے روگردانی نہ کرتے تھے۔ مکلف طعام کھاتے اور لباسِ فاخرہ پہنتے۔ ایک روز ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا دیکھا کہ آپ نے ایک قیمتی پگڑی سر پر باندھ رکھی ہے جس کی قیمت کم از کم دوسو دینار سے کم نہیں ہے۔ اس کے دل میں خیال گزرا کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے جو حکم قرآن کے خلاف ہے۔ جس پگڑی کی قیمت سے دوسو رویشوں کا لباس تیار ہو سکتا ہو دو ایک درویش سر پر کیوں باندھے۔ شیخ نور باطن سے اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔

فرمایا، اے درویش! میں نے یہ پگڑی اپنے آپ نہیں باندھی۔ اگر چاہتا ہے تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈال اور درویشوں کے لئے طعام فراہم کر۔ درویش نے وہ پگڑی بازار میں لے جا کر فروخت کر ڈالی اور درویشوں کے لئے مکلف دسترخوان آراستہ کیا۔ جب خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ شیخ کے سر پر وہی پگڑی ہے۔ شیخ نے فرمایا: اے درویش حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس شخص سے پوچھو کہ یہ پگڑی کہاں سے لایا ہے۔ درویش نے اس شخص سے پگڑی لانے کا حال پوچھا۔ اس نے کہا پچھلے سال میں کشتی میں سوار تھا کہ باوجود مخالفت چلتی شروع ہوئی اور اتنی شدت اختیار کر گئی کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی مگر میں ایک تختہ پر بیٹھا رہا۔ میں نے عہد کیا کہ اگر میں صحیح و سلامت کنارے پہنچ گیا تو خدمتِ شیخ میں ایک قیمتی دستار نذر گزاراؤں گا۔ چھ مہینے گزرنے پر بھی مجھے قیمتی دستار نہیں ملی تھی۔ آج یہ دستار فلاں دکان پر دیکھی جسے خرید کر بدیہ شیخ کیا۔ شیخ نے فرمایا: سنا میں نے یہ پگڑی خود نہیں باندھی ہے بلکہ کسی اور نے بندھوائی ہے۔

دارالاشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ کتابِ فصوص الحکم میں تحریر ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پندرہ سال ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مملکت میں قوتِ تصرف عطا فرمائی ہے لیکن میں نے اس سے کبھی کام نہیں لیا۔ ابن العابد

نے ایک روز دریافت کیا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: میں نے تصرف صرف حق تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ جس ملت چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور جو اس کی منشاء ہوگی اس کے مطابق اختیار فرمائے گا۔ ۹-۵ میں وفات پائی۔
 قطعہ تاریخ و وفات:

شیخ ذی رتبہ پیر مالسگیر بوسعود آنکہ بود زبدہ حق
 عاشق حق گو بہ رست او ہم شہر بوسعود زبدہ حق

۴۴ حضرت شیخ حیات خیرانی قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے کامل ترین اور بزرگ ترین خلفائے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند اور مقام ارحم بند رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ کبار تھے۔ حضرت شیخ ابوالحسن قرشی سیرالاجاب میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں چار شخص میں جو قبور میں بھی مثل احواء تصرف کرتے ہیں۔ اول معروف کرخی۔ دوم شیخ سید عبدالقادر جیلانی۔ سوم شیخ عقیل منینی۔ چہارم شیخ حیات خیرانی۔ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ خیران کے علماء میں سے ایک نے بیان کیا کہ میں یمن سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب بحر ہند میں پہنچا تو سمندر میں طوفان عظیم برپا ہو گیا جس نے جہاز کو توڑ ڈالا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا انہروں کے تھپیڑے کھانا بٹوا ایک بیابان جزیرے میں پہنچ گیا۔ جہاں دو روز تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد اس ویرانے میں مجھے ایک مسجد نظر آئی۔ اندر جا کر دیکھا کہ چار حسین و بیل شخص بارعب و بیت وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے قریب جا کر سلام کہا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ دن بھر ان کے پاس رہا۔ جب رات ہوئی، شیخ حیات خیرانی وہاں آئے۔ ان چار اصحاب نے ان کا استقبال کیا۔ سلام کہا۔ وہ مسجد میں تشریف لائے۔ سب نے مل کر نماز عشاء ادا کی۔ پھر انگ انگ صبح تک نماز نوافل میں مشغول رہے۔

جب صبح طلوع ہوئی تو شیخ نے مناجات شروع کی۔ یا حبیب التائبین، یا انیس العابدین، یا قریب المتصدقین، یا محب العاشقین۔ اس کے بعد گریہ و زاری شروع کی۔ یہاں تک کہ انوار تجلیات الہی کا ظہور ہونا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمام جگہ بقیعہ نور ہو گئی۔ پھر سب نے نماز صبح ادا کی۔ پھر شیخ حیات مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ان چار شخصوں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے پیچھے پیچھے جاؤ اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ میں ان کے پیچھے قدم قدم چل پڑا۔ دیکھا کہ کوہ، دریا اور بیابان و صحرا شیخ کے قدموں کے نیچے سے گزر رہے ہیں۔ سچی کہ تھوڑے ہی عرصے میں خیران پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ابھی لوگ نماز صبح پڑھنے میں مشغول ہیں۔

۵۸۱ء میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات

ہوں سفر کرو از جہان فنا در جہاں مہدی زمانہ حیات
رہلتش منبج حیات بگو ہم بخوان "مہدی زمانہ حیات"

۴۵ حضرت شیخ ابو عبد الرحمن عبد اللہ قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار ہی سے کی تھی۔ اپنے وقت کے عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے۔ ۵۸۷ء میں وفات پائی۔ مرقد بغداد میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات :

چو از دنیا مجنت گشت راہی شہ اہل اہتیں مقبول رحمان
وسالش والی تسلیم پیدا ست دوبارہ "مرجیں مقبول رحمان"

۴۹۔ حضرت شیخ شمس الدین عبد العزیز قدس سرہ

کنیت ابو بکر ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادہ ہیں۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے زیر سایہ پائی تھی اور اُسنی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے سنجار چلے گئے تھے۔ وہیں ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔
قطعہ تاریخ وفات:

سید ذمی جاہ و عالی مرتبت مرشدِ حق، حق نما، حق ہیں عزیز
زہلتش متاب عالم گفتہ ام نیز شد روشن ز شمس الدین عزیز
۵۸۹ھ ۵۸۹ھ

۴۰۔ حضرت شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ

شعیب نام، لقب ابو مدین بن حسن یا حسین۔ حضرت شیخ ابو بقرائی مغربی کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے مرشد تھے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔ صاحب کشف و کرامت اور سرزمین مغرب کے مشائخ کبار سے تھے۔ ایک روز آپ نے دیار مغرب کے کسی مقام پر گرون جھکا کر کہا۔ اللہم انی اشہدک واشہد ملائکتک انی سمعت و اطعت۔ حاضرین نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے بغداد میں یہ فرمایا قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ اس کے بعد بغداد کے بعض اکابر حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی اطلاع دی کہ حضرت غوث الاعظم نے اسی وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو مدین مغربی ایک روز دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے کہ کنارے کی ایک جماعت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور اپنی کشتی میں لے گئے۔ آپ سے پہلے بھی مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کشتی میں مجبوس تھی۔ کفار نے شیخ کو ایک جگہ پر بٹھا کر کشتی کا

بادبان کھولا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ بڑی کوشش کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ اسی درویش کی بدولت ہے۔ انہوں نے شیخ کو باکر دیا مگر شیخ نے کشتی سے اترنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تمام مسلمان رہا نہ کئے جائیں گے میں کشتی سے نہیں اتروں گا۔ کفار کو چاروں طرف تمام مسلمانوں کو آزاد کرنا پڑا۔ جو نبی مسلمان کشتی سے اترے وہ روانہ ہو پڑی۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات:

شیخ ابو مدین شعیب مغربی
 آں امام ویں مشہ دورِ زمن
 بست تاریخ وصال آں جناب
 "زابد ہادی شعیب بن حسن"
 ۵۹۰

۴۸ حضرت شیخ تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہ

عبدالرزاق نام، کنیت عبدالرحمان، ابو الفرج، لقب تاج الدین، حضرت غوث الاعظم کے فرزند رشید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے سایہ ماطفت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ ملک عراق کے مفتی تھے۔ رسالہ جلاء الخواطر لغوثات حضرت غوث الاعظم آپ ہی کا تالیف کردہ ہے۔

فرماتے ہیں، ایک روز میرے والد ماجد نماز جمعہ کے لئے باہر تشریف لائے۔ میں اور میرے دو بھائی آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے دیکھا تین ٹکے شراب کے گاڑی پر رکھے ہوئے تھیلے بغداد کے لئے جا رہے ہیں۔ محافظ سپاہی تھے۔ شراب کی بوتلیں اس کی نماز ہوتی ہے حضرت والد گرامی کو معلوم ہو گیا۔ سپاہیوں کو آواز دی کہ ٹھہر جاؤ مگر وہ نہ ٹھہرے بلکہ گاڑی کو اور زیادہ دوڑایا۔ آپ نے گاڑی سے مخاطب ہو کر فرمایا، حکم خداوندی ٹھہر جا۔ وہ اسی وقت رُک گئی۔ سپاہیوں نے ہر چند جانوروں کو مارا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ حضرت غوث الاعظم نے نگاہ غضب سے ان کی طرف دیکھا۔ انہیں اسی وقت درود قویج شروع ہو گیا۔ زمین پر گر کر مابئی بے آب کی طرح تڑپنے اور لوٹنے لگے۔ نالہ و فریاد بلند کیا۔ حضرت ہم نے توبہ کی

پھر ایسی نافرمانی نہیں کریں گے۔ انہیں درود فوج سے فوراً شفا حاصل ہوگئی اور شراب سرکہ میں تبدیل ہوگئی۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر جب خلیفہ بغداد نے سنی، جانہ خدمت ہو تمام منہیات سے تائب ہوا۔

ایک روز سید عبدالرزاق اپنے والد ماجد کی محفل میں حاضر تھے۔ آسمان پر مردانِ غیب کو جاتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے۔ آپ نے فرمایا: ڈرو نہیں یہ رجال الغیب ہیں اور تو بھی انہی سے ہے۔

کتاب انیس القادریہ میں بروایت شیخ ابوالعالی صاحب تحفۃ القادریہ مندرج ہے کہ سید عبدالرزاق کے پانچ فرزند تھے۔ اول شیخ ابوسالم، دوم شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم، سوم شیخ ابو محمد اسماعیل، چارم شیخ ابوالحسن فضل اللہ اور پنجم جمال اللہ سرہم العزیز۔ حضرت غوث الاعظم نے شیخ جمال اللہ کے لئے عمر جاوید کے لئے دعا فرمائی تھی اور وہ آج تک زندہ ہیں اور باہم حیات امیر مشہور ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے ہیں۔ سکونت دیار سم قند وغیرہ کی طرف ہے۔ سید محمد تقی صاحب حجرہ اور کنی اور اولیاد آپ کے مرید ہیں۔ سید عبدالرزاق نے ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں عارف حق مجیب تاج الدین
کاشف صدق سال و سانش گو نیز سید حبیب تاج الدین

۴۹ حضرت شیخ سید ابوالفضل محمد قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ کی اور درجہ کمال کو پہنچے۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

سید ابوالفضل قسنبل اہل فضل شد چو از فضل خدا اندر جہناں
بر فردوس است سال وصل او ہم محب متقی کر دم بیاں

۵۰۔ حضرت شیخ ابو زکریا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادوں سے ہیں۔ علوم فقہ و حدیث اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے۔ اپنے وقت کے فاضل اور مقتدائے زمانہ تزرے ہیں۔ ولادت ۶۔ ربیع الاول ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۶۰۰ھ میں پائی۔ مزار بغداد میں اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب کے مزار کے متصل ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

شیخ زکریا ابو یحییٰ کہ بود	شاہ عالی قرۃ چشم علی
قبلہ حاجات و عارف حق نما	سال تولیدش نوشتہ اے اخئی
عصمت آمد سال ترحیلش دگر	عارف حق سید طیب ولی

۵۱۔ حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کے زیر سایہ حاصل کئے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ تمام علوم متداولہ میں پوری مہارت اور عبور کامل رکھتے تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ مدرسہ معنی میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر بہرہ یاب ہوئی۔

ایک دفعہ بلا و عجم کے سفر سے واپس آئے۔ تمام اقسام علوم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ اپنے والد گرامی سے ان کی موجودگی میں وعظ کہنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ منبر پر تشریف لائے۔ علوم و فنون کی روشنی میں عالمانہ تقریر کی مگر حاضرین کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کے بعد اہل مجلس نے حضرت غوث الاعظم سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ آپ منبر پر تشریف لائے۔ فرمایا: شجاعت صبر کی ایک گھڑی ہے۔ ابھی اتنا ہی کاتا

کہ اہل مجلس نے آہ و بکا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ شیخ سیف الدین نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا تو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور میں غیر نفس سے مخاطب تھا۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ شیخ ابو منصور عبدالسلام اور شیخ ابراہیم سیف الدین۔ دونوں عالم ہل تھے۔ قطعہ تاریخ ولادت و وفات :

شاہ سیف الدین شہر دوسرا	قاتل کفار با شمشیر دیں
سال تولیدش بشیر آمد عیاں	تاج حق فرما و ہم مہتاب دیں
گفت سیف الدین میر حق خود	ارتحال آں شہر روئے زمیں

۶۰۳

۵۲۔ حضرت شیخ ابو نصر موسیٰ قدس سرہ

حضرت غوث الاعظم کے آخری فرزند تھے۔ تحصیل علوم اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ کی تھی۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہ و محدث، عالم و فاضل اور عارف کامل تھے۔ بغداد سے نقل مکان کر کے دمشق جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ قطعہ تاریخ ولادت و وفات :

حضرت ابو نصر پیر با کمال	دہر عالم شہر روئے زمیں
شہ زول مفتح تولیدش عیاں	صاحب توجید و ہم سر و اریں
رحلتش ابو نصر مقبول امام	نیز شد پیدا ز مہتاب یقین

۶۱۸

۵۳۔ حضرت شیخ موفق الدین المقدسی قدس سرہ

نام عبداللہ بن محمد بن احمد بن قدامہ الجبلی ہے۔ صاحب تصنیف ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی میں بڑا پیر رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم کے شاگرد و مرید تھے۔ ۶۲۲ھ میں وفات پائی۔

چو آن شیخ موفق بن محمد ز دنیا گشت سوئے خلد مامور
رقم کن لفظ برکت با تبرک بتائیش دگر نورِ علی نور

۵۴۔ حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم قدس سرہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے فرزندِ رشید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے تھے۔ اپنے زمانے کے اولیاء و اقیاء کے سروار تھے۔ زہد و تقویٰ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ آپ پر مالِ فکر اور سکوت کا طبع رہتا تھا۔ غایتِ جفا و شرم کے باعث تیس سال تک اپنے سر کو بلند نہیں کیا۔ ۵۵۲۰ھ میں ولادت اور ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔ مرقد والد بزرگوار کے مزار کے قریب ہے۔

میر ابراہیم پیر رہنا
حاشیہ دین نبی تولید اوست
حاشیہ دین نبی تولید اوست
حاشیہ دین نبی تولید اوست

۵۵۔ حضرت شیخ صدر الدین قونیوی قدس سرہ

نام صدر الدین اور کنیت ابوالمعالی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے بہترین مریدوں سے تھے و صاحبِ سفینۃ الاولیاء شیخ محی الدین ابن العربی کے ارشد مریدوں سے لکھتے ہیں، علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں یکساں زمانہ تھے۔ زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند پر فائز تھے۔ مولانا قطب الدین علامہ علم حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ کتاب جامع الاحوال خود لکھ کر ان کے سامنے پڑھی تھی

لہ جامع منقول و معقول۔ علامہ عمر اور وجید الدہر تھے۔ بڑے بڑے علمائے آپ سے اکتسابِ فیض کیا تھا کتاب شرح شمیرہ جو قطب کے نام سے مشہور ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔

اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ اُس وقت کے اولیائے کرام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ فیض کیا ہے۔ شیخ سعد الدین حموی اور مولانا جلال الدین رومی سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

صدر دین صدر اولیائے کرام
وہل اوہست آفتاب علوم
شد دنیا چہ در بہشت بریں
نیزہ والی صدق صدر الدین
۶۳۰ھ

۵۶۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز

نام محمد بن علی بن محمد عربی ہے۔ اپنے عہد کے قطبِ زمانہ، موجدِ گمانہ، ہادیِ طریقت اور مقتدائے حقیقت تھے۔ علم و عرفان میں درجاتِ بلند و مقاماتِ ارجند پر فائز تھے۔ اکابر صوفیا میں امام موحداں مشہور ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کا کلام بڑا بلند واقع ہوا ہے آپ کو خرقہ کی نسبت ابو محمد یونس قصار ہاشمی کے ذریعے سے بیریگ واسطہ حضرت غوث الاعظم سے حاصل ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپکی حضرت غوثیہ سے ارادت بلا واسطہ حاصل ہے۔

ابو محمد بن یونس بن ابی بکر نام۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ التوفیٰ ۶۱۸ھ کے کابل واکل خلفا سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے صاحب تصانیف ہیں۔ سہل الارواح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

ابو محمد نام، جلال الدین لقب تھا۔ سلطان العلماء حضرت مولانا باباؤ الدین التوفیٰ ۶۲۸ھ کے نامور فرزند تھے۔ سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اصل وطن بخارا تھا۔ خطہ روم (ایشیائے کوچک) میں نشوونما پائی تھی اس لئے رومی مشہور ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ حضرت محمد شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہ التوفیٰ ۶۳۵ھ سے بھی اخذ فیض کیا۔ آپ کی ثنوی جو ثنوی مولانا روم کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا کی مقبول ترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔ اس ثنوی میں جس قدر حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں۔ کسی شاعر و فلسفی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مولانا اپنے زمانے کے بے نظیر عالم اور بے مثال صوفی و متکلم تھے۔ زہد و تعدد سن ریاضت و مجاہدہ، علم و عمل اور فہم و شوق میں یگانہ روزگار تھے۔ ۶۶۰ھ میں وفات پائی۔ مزار تونیر میں زیارت گاہ خلقِ عالم اقبال مرحوم آپ کے کلام و فلسفہ سے بے حد متاثر تھے اور مرشدِ رومی کہا کرتے تھے۔

خزقہ خلافت میں دوسری نسبت انہیں بلا واسطہ حضرت خضرؑ سے حاصل ہے۔ اصطلاحات کاشی میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتاب الملبس میں لکھا ہے کہ میں نے خزقہ تصوف ابوالحسن بن عبداللہ بن جامع سے پناہ ہے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ کتاب مناقب غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادی بکتھے ہیں کہ علی بن محمد پدر شیخ محی الدین ابن عربی محض لا ولد تھے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہو گئی۔ ان کے والد حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت غوثیہ نے حضور حق میں دعا فرمائی۔ اِنْفِ نَيْبٍ نے آواز دی کہ اس شخص کی قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا اپنی اولاد کا حصہ اسے عطا کر دے۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی پشت علی بن محمد کی پشت کے ساتھ مس کی اور فرمایا ابھی میرے صلب میں ایک فرزند باقی تھا۔ وہ ہم نے تمہیں دیا۔ وہ تیرے گھر پیدا ہوگا۔ ہم نے اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھا ہے۔ یہ بچہ اولیاء میں درجہ عظیم اور رتبہ عالی پائے گا۔ چنانچہ حضرت غوثیہ کی بشارت کے مطابق نوماہ کے بعد علی بن محمد کے گھر لڑکا پیدا ہوا وہ اسے حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے نگاہ لطف و کرم سے بچہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، یہ میرا بیٹا ہے اِنَّ شَاءَ اللّٰهُ قَطْبِ زَمَانٍ ہوگا۔ اسرار توحید جو آج تک کسی موجد نے بیان نہیں کئے۔ یہ لڑکا ان اسرار و رموز کو واشگاف طور پر بیان کرے گا۔ صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں: آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے لیکن ان کی مشہور ترین تصنیف فتوحاتِ مکہ ہے۔

روایت ہے شیخ محی الدین ابن العربی کو ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ ہر ایک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کلام کئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ خدام نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا، محی الدین ابن العربی حقایق و دقائق کے دریا ہیں اُن سے بات آنکھ سے ہوتی نہ کہ زبان سے۔ اُن سے بات دل سے ہوتی ہے نہ کہ بیان سے۔ ولادت ۱۷۔ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس کے ایک شہر سبیرہ میں ہوئی اور وفات جمعہ کی رات ۲۳۔ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں واقع ہوئی۔ مزار جبل قاسون میں ہے جو آج کل

صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

ہادی سالکانِ روئے زمین
صاحبِ کشفِ مہدی است بہین
سالِ ترحیلِ او بصدِ تزئین

محی دین پیرِ زندہ دل والا
ہست سالِ ولادتش نعمت
عقل فرمود صاحبِ الارشاد
۶۳۸ھ

۵۷۔ حضرت شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینی قدس سرہ

شیخ عبد اللہ بطائمی کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت غوث الاعظم کے بزرگ ترین خلفاء سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ شجاعت و مروت اور خلق میں بے نظیر تھے۔ صاحبِ بجزّ الاسرار کہتے ہیں کہ آپ نہایت خوش رو، خوش خواہ اور خوش گو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مستجاب الدعوات کیا تھا۔ ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد چو از عنایتِ حق کرد رحلت ازین جہاں بہ وطن
رحلتش ماہتابِ صاحبِ حق کن رقم نیزہ ماہِ نو روشن
۶۵۸ھ

۵۸۔ حضرت امام عبد اللہ یافعی قدس سرہ

کنیت ابو السعادت، لقب عنیف الدین، باپ کا نام سعد یافعی ہے۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ آپ کا قیام زیادہ تر صدر میں الشریفین میں رہا ہے۔ شافعی مذہب تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں اپنے زمانے کے علماء و فضلاء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو نسبتِ ارادت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظم سے حاصل ہے۔ تاریخ یافعی کتاب روضۃ الریاحین، نشر المجالس باحوال خوارق و کرامت حضرت غوث الثقلین آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ جب حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت سہروردی اوجی المتوفی ،، ،، مکر معظمہ گئے تو امام صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دونوں حضرات

ہیں اس درجہ اتحاد و محبت کا تعلق بڑھا کہ اس کی نظیر دیکھی نہیں گئی۔ امام صاحب نے سلسلہ چشتیہ سے اخذ فیض کے لئے حضرت مخدوم جہانیاں کو حضرت شیخ سید نصیر الدین محمود چسپراغ دہلی المتوفی ۵۷۵ھ کی خدمت میں جانے کو کہا۔ چنانچہ حضرت مخدوم جب ہندوستان لوٹے تو دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چسپراغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ چشت حاصل کیا۔ امام صاحب نے ۶۱۔ جمادی الآخرہ ۹۰۔ ۵۵۷ھ میں وفات پائی۔ مرقد مکہ معظمہ میں حضرت فضیل عیاض کے مزار کے متصل ہے۔

اے امامِ یافعی نور الہ!	بود اندر مکتہ یک قطب الولی
ہاتھم فرمود سالِ رحلتش!	کاشفِ نامی "امامِ یافعی"
ہم رقم کن زاہدِ اہلِ بہشت	ہم 'ولی' بوسعدتِ یافعی

۵۹۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہ

مشائخ سلسلہ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے ہیں۔ صاحب کشف و کرامت تھے۔ سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم تک منتهی ہوتا ہے۔ صاحب تاریخ فرشتہ کہتے ہیں جب فیروز شاہ بہمنی نے اتم خانخانان کے حق میں ارادہ بد کا قصد کیا اور اس کی آنکھیں نکال دینی چاہیں۔ مگر وہ کسی طرح بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہو گیا۔ بادشاہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ لیکن معاملہ اس کے حسب وخواہ نہ ہوا۔ ایک روز عین جنگ کے موقع میں خواب میں دیکھا کہ کوئی نیک صورت اور نیک میرت بزرگ آیا ہے اور اس نے بارہ گوشے والا ترکی تاج میرے سر پر رکھا ہے اور دکن کی بادشاہی کی مجھے بشارت دی ہے۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ بادشاہ ہوا۔ جب اس نے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کی بزرگی کی شہرت سنی تو شیخ حبیب اللہ حبیڈی کو تحائف کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور طالبِ دعا ہوا اور التجا کی کہ اپنے فرزند کو ہدایت کے لیے روانہ فرمائیں۔ شیخ نے بادشاہ کے ہدایا قبول فرمائے اور ایک تاج سبز و ازودہ گوشہ ترکی شیخ قطب الدین خلیفہ اور شاہ نور اللہ بن خلیل اللہ اپنے پوتے کے ہاتھ بادشاہ کو بھیجا۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے اور وہ تاج احمد شاہ کے سر پر رکھا اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ اور وہی تاج ہے۔ شاہ نواز اللہ کا بے حد ادب و احترام بجالایا اور اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی۔
بقول صاحب تائید فرشتہ ۱۰۳۳ء میں وفات پائی۔

ز دنیا نعمتِ حق یافت و در حلد
چو آں سید شہ عالی نعمت
کسرو رسال و عیش جلوہ گر شد
ز سلطان الولی والی نعمت

۶۰۔ حضرت شیخ بہاء الدین جنیدی قدس سرہ

شیخ احمد تقی ملی کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحب کمالات و برکات اور جامع کشف و کرامات تھے۔
مضافات سرہند میں جنید ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ سلسلہ نقادریہ شطاریہ کے
صاحب اجازت بزرگ تھے۔ ذوق و شوق میں ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔ اسی استغراق
میں وفات پائی۔ سال وفات ۹۲۱ھ ہے۔

شیخ روسے زہیں بہاء الدین
رفت چوں از جہاں بختِ حلد
ماو فرروس و بدر چہ رخِ کمال
مارفِ شرع و ذاکر آمد سال
۹۲۱ھ ۹۲۱ھ

۶۱۔ حضرت سید محمد غوث گیلانی حبلی و جلی قدس سرہ

مشاہیر و اکابر مساواتِ حسنی سے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے نسبت آبائی ہے۔ صاحب
عظمت و کرامت۔ واقف منقول و معقول تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں
یکتا رائے روزگار تھے۔ سید اسعقلی گیلانی صاحب شجرۃ الانوار رقم طراز ہیں کہ سید محمد کے بزرگوں
میں سے اول سید ابوالعباس احمد بن سید نعمی الدین المعروف بہ سید صوفی بن سید سیف الدین عبد الوہاب
بن حضرت محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنے چھوٹے بھائی سید ابوسلیمان کے ساتھ
۶۵۶ھ میں ہلاکو خان تاتاری کے حملہ بغداد اور قتل و غارت کے وقت بغداد سے نکل کر روم میں

آگے پھر جب کچھ امن و امان ہوا تو طلب میں آکر اقامت گزریں ہو گئے۔ سید محمد غوثؒ یہیں پیدا ہوئے۔
 تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ عنقریب شباب میں پدر بزرگوار کی اجازت سے مختلف
 ممالک اسلامیہ کی سیرو سیاحت کو نکلے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عراق،
 عرب، ایران، خراسان، ترکستان اور سندھ و ہند کی طویل سیاحت کی۔ یہاں کے اکابر علماء
 و فضلا اور مشائخ و صوفیاء سے ملاقات کی۔ لاہور بھی تشریف لائے۔ چندے یہاں قیام کیا۔ پھر
 ناگور چلے گئے۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ غرض اسی طرح سیرو سیاحت کرتے ہوئے طلب پہنچے۔
 اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک روز دوران گفتگو میں عرض کی کہ فقیر کا دل
 پر چاہتا ہے کہ اعلیٰ میں کسی جگہ سکونت اختیار کروں۔ حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے
 فرمایا: میں چراغِ سحری ہوں کچھ توقف کرو۔ میری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہے جہاں جی چاہے
 رہنا۔ پس آپ اپنے والد ماجد سید شمس الدین بن سید شاہ میر بندادی گیلانی کی وفات کے بعد
 براستہ خراسان طمان آئے اور اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ صاحب شجرۃ الانوار نے
 آپ کا درو اوچ ۷۰۰ھ لکھا ہے۔ اس وقت شاہ حسین لنگاہی المتوفی ۹۰۸ھ حاکم طمان و
 سندھ اور سلطان سکندر لودھی المتوفی ۹۱۳ھ بادشاہ ہند تھا۔ دونوں آپ کے حلقہ ارادت
 میں داخل تھے۔ آپ کے وجود سے سلسلہ قادریہ ہندوستان میں پھیلا۔ آپ شاعر بھی تھے۔
 قادری تخلص کرتے تھے اور اکثر اشعار حضرت غوث الاعظمؒ کے مناقب میں کہا کرتے تھے۔ ایک
 دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ مولانا عبدالرحمان جامی صاحب نفحات الانس نے آپ کے فضائل
 کی خبر پا کر اپنے تصنیف کردہ اشعار آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔

صاحب کتاب شجرۃ الانوار لکھتے ہیں، حضرت سید محمد کے عروج کے زمانے میں شاہ حسین
 لنگاہی حاکم طمان نے حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث فرماتے ہیں کہ اپنی
 دختر کا نکاح میرے فرزند سید محمد سے کر دو۔ تمہاری سعادت اسی میں ہے۔ اس نے حسب ارشاد
 حضرت ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سید ابو القاسم حسین
 جن کی آبائی نسبت چار واسطوں سے سید صفی الدین بانی اوچ جو حضرت سید ابو اسحاقؒ
 گانڈوئی المعروف برمیراں بادشاہ لاہوری کے بشیر زاد تھے تک پہنچتی ہے ان کی دختر سے
 لہا اپنے وقت کے شیخ اشباح اور طلب الادیان تھے حضرت شیخ احمد الدین عثمانی المتوفی ۷۰۷ھ ہمد کے بیٹا کمال د بانی اگلے صفحہ

شاہی کی جن کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن میں بزرگ ترین سید عبدالقادر ثانی، دوم عبداللہ ربانی، سوم مبارک حقانی، چہارم سید محمد نورانی تھے۔ مورخ الذکر لاولد فوت ہوئے۔ سید ابوالفتح جو بانی اوچ کی اولاد سے تھے انہوں نے اوچ کی متعلقہ زمین اپنی چار لڑکیوں میں تقسیم کر دی تھی۔ نیز آبادی اوچ گیلانیوں اوچ بخاریوں سے آگے ہے۔ یہ وہ حصہ زمین ہے جو بی بی فاطمہ زوجہ محترمہ حضرت سید محمد غوث کے حصے میں آئی تھی۔

قصبہ اوچ کی آبادی کا حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جب سید ابواسحاق گازرونی لاہوری نے اپنے ہم شیر زادہ صفی الدین کو خرقہ خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو جائیے اور جس جگہ اونٹ بیٹھ جائے اسی جگہ سکونت اختیار کیجئے۔ چنانچہ سید صفی الدین نے اسی طرح عمل کیا اور جب اونٹ سابقہ مقام اوچہ کی آبادی کے متصل پہنچا تو بیٹھ گیا۔ پس شیخ صفی الدین نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور ایک آگ آبادی کی بنا ڈالی شیخ ابوالفتح بھی اپنے زمانے کے بزرگ و متبرک شخص تھے اور دعوت اسمائے الہی میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ حضرت سید محمد غوث کی وفات بقول صاحب شجرۃ الانوار و تشریح الشرفا ۹۲۳ ھ میں واقع ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعہ تاریخ وفات :

چوں شد از جہاں در بہشت بریں	جناب محمد امامِ زمان
شود سالِ ترحیلِ آں شاہِ دین	ز محندوم عالمِ محمد عیاں
	۹۲۳ ھ

دقیقہ ماشیہ ۱۹۱) عالم و فاضل اور شہابے جل تھے ان کے مرید و خلیفہ تھے۔ اصل وطن گازرون تھا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ تمام طرہ برایتِ خلق میں معروف تھے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر مستفیض ہوئی۔ ۹۰۹ ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور دہلی دروازہ کے اندر ہے۔ شاہ جہان کے عہد میں جب نواب ذیرخاں نے یہاں جامع مسجد تعمیر کی تو مزار کو مسجد کے صحن کے اندر ایک ترخانہ میں محسوس کر دیا جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

۶۲۔ حضرت شاہ فیروز قادری لاہوری قدس سرہ

نام فیروز شاہ تھا۔ آپ کے دادا شاہ عالم نے بغداد سے نقل مکان کر کے لاہور آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ صاحب علم و فضل تھے۔ سیادت و نجابت اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ اپنے دادا کے مرید و خلیفہ تھے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں گزار دی۔ طلبہ کو فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک اربابِ معنی کو توجہ اور تلقین فرمانے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے روز نماز کے بعد عصر تک وعظ و نصائح میں صرف کرتے۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک خلقِ کثیر علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کا سلسلہٴ بیعت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۳۳ھ میں وفات پائی۔ ہزار کیلئے ڈنڈی گراں لاہور میں ہے۔

ڈنڈی گریا خراوی۔ صناعتوں کی یہ جماعت آپ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ یہ علامتِ ڈنڈی گراں کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں خراوی محلہ آباد تھا۔ ڈنڈی ترازو کی کڑی کو بھی کہتے ہیں اور خراوی کڑی کو چرخ پر چڑھا کر ہموار کرنے والے کو کہتے ہیں۔
قطعہ تاریخ وفات :

چو از دنیا بہ فردوس بریں رفت جناب شاہِ حق آگاہ فیروز
چو از دل سالِ ترحیلش بستم عیاں شد میر سید شاہ فیروز
۹۳۳ھ

۶۳۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث حسنی علیی اوجی قدس سرہ

اپنے وقت کے امام شریعت، مقتدائے طریقت اور مارفِ حقیقت تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ نیز علوم منقولات و معقولات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ہندوستان کے مشائخ کبار سے تھے۔ بیکڑوں، مشرکین اور فاسق و فاجر

آپ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تائب ہو کر راہِ ہدایت پر آئے۔ حضرت
 غوث الاعظمؒ کے ساتھ نسبت خاص تھی حضرت خوشیہ ہی سے بعد القادر ثانی کا خطاب بعالمِ باطن
 پایا تھا۔ صاحبِ اختیار الاخیر رکھتے ہیں آپ عنفوانِ شباب میں بڑی پُر تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔
 سماع کی طرف بڑا لطف تھا۔ سفر میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ساز و سامان کے کئی اونٹ ہمراہ لے جاتے تھے۔
 مگر سجادہ نشین ہونے ہی ان تمام تکلفات سے کلی اجتناب اختیار کر لیا۔ طالبانِ سماع کو زبردستی
 کرتے تھے۔ اگر کسی موقع پر بطریق شاذ سماع سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس قدر گریہ و زاری کرتے تھے
 کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی ذوق و شوق میں روحِ ابھی پروا نہ کر جائے گی۔

ایک روز بیابانِ اوچ میں شکار کر رہے تھے کہ ایک تیز عجیب و غریب آواز سے نالہ و
 فریاد کر رہا تھا، اس وقت ایک درویش اس طرف سے گزرا۔ کئے لگا سجان اللہ ایک دن ایسا
 آئے گا کہ یہ نوجوان بھی محبتِ حق میں اس تیز کی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ اس درویش کی یہ بات
 آپ کے دل میں تیر کی طرح اتر گئی۔ اسی وقت ترکِ علائق کر کے دنیا و اہل دنیا سے فارغ ہو گئے
 اور یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ایک روز آپ کے پدربزرگوار نے محل کے کچھ کڑے آپ کے پاس
 بھیجے کہ انھیں خرقہ و پوشین کے ابرہ کے لیے استعمال کیجئے۔ فرمایا کہ محل کے ان ٹکڑوں سے شکاری
 کتوں کے لیے جل بنانے جائیں۔ آپ کے والد ماجد نے جب یہ سنا تو اپنے پاس بلا کر
 اظہارِ ناراضی فرمایا۔ اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ عبد القادرؒ
 میرا فرزند ہے۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت میرے ذمے ہے۔ آپ کو اس کے ساتھ کوئی کام
 نہیں۔ دوسرے فرزندوں کی تربیت کیجئے۔ روایت ہے جب والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین
 ہوئے تو سلاطین و امرا کی صحبت کو کلی طور پر ترک کر دیا حالانکہ آپ کے دوسرے بھائی شاہی
 دربار سے وابستہ تھے۔ انہوں نے کبھی تعلقات منقطع نہیں کئے تھے۔ آپ کے اس استغنا پر
 سکندر لودھی سے کچھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس نے چاہا کہ ان کی بجائے سجادہ نشین ان کے
 کسی دوسرے بھائی کو کر دیا جائے۔ آپ کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اور ابھی یہ تجویز عمل میں نہیں
 آئی تھی کہ آپ نے نام فرامین جاگیر جو متعلق بہ خانقاہ تھے بادشاہ کو دہلی بھیج دیئے اور لکھ بھیجا کہ
 ہم کو نہ بادشاہی جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ سجادہ نشین کی۔ آپ جس کو چاہیں سجادہ نشین بنا دیں۔

بادشاہ نے بہ نظر مصالحت کئی مرتبہ آپ کو تشریح لانے کی دعوت دی مگر آپ نہیں گئے۔ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

بہ بیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست

برآنچہ بوسرِ مامی رود مبارک باد

کیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدہ است

بہ طہ ہائے بہشتی کجا شود دل شاد

اس کے بعد تمام اخراجات توکل اور خزانہ غیبی سے چلتے رہے۔

روایت ہے: ایک دفعہ نماز صبح ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئے، وضو کیا اور اہل خانہ کو

آواز دی بیدار ہو جاؤ اور اگر سعادت کو مین حاصل کرو لیکن اہل خانہ کے پہنچتے پہنچتے یہ دولت

ختم ہو گئی۔ جب بعض افراد خانہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابھی ابھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نے بحالت بیداری اپنے جمال کمال سے مشرف فرمایا ہے۔ میں نے چاہا تمہیں بھی یہ دولت دیدار

نصیب ہو مگر افسوس تم لوگوں نے آتے آتے دیر کر دی اور اس متاع بے ہما سے محروم رہ گئے۔

روایت ہے: ایک خوش آواز قوال حاضر خدمت ہوا کہ قوالی کرے۔ فرمایا، مجھے اس چیز کی

حاجت نہیں ہے۔ میں تمہارا تزکیہ قلب اور تصفیہ باطن چاہتا ہوں۔ اٹھو، توبہ کرو۔ اپنا ساز توڑ ڈالو۔

سرمنڈواؤ اور ودیش بن جاؤ مگر قوال کو یہ نعمت حاصل کرنے کی توفیق نہ ہوئی، محروم رہا۔ ایک

اور شخص جو اس وقت حاضر خدمت تھا، آپ کی اس نصیحت سے بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت مجلس سے

تائب ہو کر اٹھا، سرمنڈوا یا، مال و دولت کو راہِ خدا میں لٹا دیا اور حاضر ہو کر حضور کے روبرو بیٹھ گیا۔ ابھی

نٹوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گریہ زاری کرنی شروع کر دی۔ پوچھا کیا ہوا۔ عرض کیا، حضرت دیکھتا ہوں

کہ کجرات میں میرا بھائی وفات پا گیا ہے اور اس کا جنازہ گورستان لے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے

آپ ہی کی ذات کے فیض سے یہ کشف اسے عطا فرمایا تھا۔

روایت ہے، ایک دفعہ طمان میں وہاں سے بیٹھ پھوٹ پڑی۔ آپ جہاں وضو فرمایا کرتے

وہاں سبزہ اُگ آجاتا۔ لوگ وہ سبزہ طامون ولے کو کھلاتے، اسے بکلم ایزوی سنا ہو جاتی۔ جب

وہ سبزہ ختم ہو گیا تو لوگوں نے اس جگہ کی مٹی پیاروں کو دینی شروع کی۔ حق تعالیٰ نے اس مٹی میں بھی

وہ خاصیت پیدا کر دی کہ اس سے ہر مرض واسلے کو شفا ہو جاتی۔
 روایت ہے، ایک مرتبہ طمان اور اوچ میں لوگوں کو درو پہلو کا مرض لاحق ہو گیا۔ اٹبنا اس
 مرض کے علاج سے عاجز آ گئے۔ ایک رات آپ کے ایک مرید غیاث الدین نے حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس نے اسے لکڑی کا ایک ٹکڑا عطا کر کے فرمایا
 کہ لکڑی کے اس ٹکڑے کو میرے فرزند عبدالعزیز کو دے دو اور کہو کہ ہر مرض پر لکڑی کا یہ ٹکڑا کہہ کر
 دس بار سورہ اخلاص پڑھ کر دم کر دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر مرض سے شفا دے گا۔
 آپ کی ولادت ۸۶۲ھ میں اور وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہ
 خلق ہے۔

عبد قادر ولی لاثانی	شیخ ذی جاہ سید معصوم
طرف مشکل کشاے عالم شد	سال تولید آن ولی مرقوم
میر مخدوم گوہر جہانش	ہم نجواں ماو علم دین مخدوم
۹۴۰ھ	۹۴۰ھ

۶۴۳ حضرت سید محمود حضوری قدس سرہ

سید محمود نام، حضوری لقب، باپ کا نام خواجہ شمس الدین المشہور شمس العارین تھا۔
 سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ تک منتهی ہوتا ہے۔ غور کے رہنے والے تھے۔
 سید محمود اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے پہلے اوچ اور وہاں سے لاہور

لے اسم گرامی موسیٰ بن جعفر اسحاق رضی اللہ عنہ ہے۔ کنیت ابو الحسن اور ابو ابراہیم، لقب کاظم، ائمہ اثنا عشریہ کے ساتویں
 امام ہیں۔ ولادت، صفر ۱۲۰۱ھ بمقام اہما میں ہوئی جو کہ مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ کی والدہ عیدہ بربریہ ام ولد تھیں۔
 تعلیم و تربیت اپنے پر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ ۳۰ برس کی عمر میں بحالت اسیری ۸۶-۱۸۳ھ میں وفات پائی۔
 خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے امیر یحییٰ بن خالد کے ذریعے رطب میں زہر دلوادی تھی۔

۳۰ غور، معجم اول اور واو مجمل عم کے ایک طاقے کا نام ہے۔

اگر عملہ حاجی سرائے میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے زمانے کے عارف کامل اور استاد گرامی تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذ فیض کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا وہ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے خواب میں نعمت حاصل کرتا اسی لئے آپ حضوری کے تقب سے مشہور زمانہ ہوئے۔ دوسری روایت یہ کہ آپ کامریدِ جلدی ہی اوج طریقت پر پہنچ کر درجہ حضوری حاصل کر لیا۔ آپ کا سلسلہ ارادت حضرت غوث الاعظم تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔ آپ مرید اپنے والد شمس الدین کے اور مرید سید یعقوب کے اور مرید عبدالقادر کے اور مرید سید علی کے اور مرید مسعود کے اور مرید احمد کے اور مرید اصغر کے اور مرید ابو الفرج کے اور مرید عبدالویاب بن سید شیخ عبدالقادر کے۔ قدس سرہ۔

۹۴۲ھ میں بعد نصیر الدین ہمایوں وفات پائی۔

رفت از دنیا چو بر اوجِ جہاں سید محمود پیر با کمال
 صاحبِ مشاق تائیش بگو نیز شمس العارفین اہل جمال
 مزار موضع گڑھی شاہو لاہور کے مغرب کی طرف شرک میاں میر پر واقع ہے۔

۶۵۔ سید عبدالقادر گیلانی قدس سرہ

سید جمال الدین باپ کا نام تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد و مرید تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل مرجعِ خلائق اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر گیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۴۲ھ میں اللہ کو پیار سے ہوئے۔

لے یا محلہ سید سبز برون لاہور کے قدیم محلوں سے تھا۔ اور ملک زیب مالکیر کے عبد میں خیر زاد کے نام سے مشہور ہوا۔ سکھوں کے عہد میں یہی مقام گڑھی شاہو ہی گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

عبد قادر سید نوزانی است قطبِ دورانِ سالکِ ربانی است
 میرِ اسلام آمدہ تر حسیلِ او بارِ دیگر عبدِ قادرِ ثانی است
 ۹۲۲ء ۹۲۲ء

۶۶۔ سید عبد الرزاق گیلانی اوچیِ قدس سرہ

سید عبد القادر ثانی اوچی کے فرزند ارشد ہیں۔ عالی ہمت اور صاحبِ فضل و کمال تھے۔ والد ماجد کی وفات کے وقت ناگور میں تھے۔ ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا، مجھے پدر بزرگوار نے بلایا ہے اور میں نے ان کی آواز بگوشِ ظاہری سنی ہے۔ اسی وقت اوچ کو روانہ ہو گئے۔ گوہین وفات کے وقت تو نہ پینچ سکے، چند روز کے بعد پینچے، اور والد ماجد کے حکم کے مطابق لباسِ خرقہ و اجازتِ خلافت و نعمتِ سجادہ نشینی سے مشرف ہوئے۔ بقول صاحب اخبار الاخبار ۹۲۲ء میں وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

سید رزاق شاہ والا جاد رفت چوں در جہاں ز دورِ زماں
 میرِ حقِ آفتابِ گور سائش باز مخدومِ قطبِ عالمِ خواں
 ۹۲۲ء ۹۲۲ء

۶۷۔ میر سید مبارک حقانی گیلانی اوچیِ قدس سرہ

مشائخِ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، ترکِ علاقہ اور تجرید و تفرید میں وحید العصر تھے۔ جذب و استغراقِ طبع عالیہ پر بہت غالب تھا۔ حالتِ جذب و سکرم میں دُور دراز غیر آباد مقامات میں چلے جاتے اور مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول رہتے۔ جلالت و بیعت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص پاس نہ آجاسکتا تھا۔ شیخ معروفِ چشتی جو حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ صرف انہوں نے ہی حاضر خدمت رہ کر اخذِ فیض کیا ہے اور نعمتِ خلافت پائی ہے۔ آپ نے انہیں بشارت دی تھی کہ تمہاری ذات سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف چشتی لوٹا رہی سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

۹۵۶ء میں وفات پائی۔ پہلے لاہور مدفون ہوئے۔ پھر نیش کو اوج لے جا کر والد ماجد کے
روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔

مبارک شد چو فردوسِ معنی ہاں سید مبارک پر یکتا
ز فیض اللہ بسرورِ رحلتش یافت در فضل الہی گشت گویا

۹۵۶ء ۹۵۶ء

۶۸۔ حضرت سید محمد غوث بالاپیر قدس سرہ

سید محمد غوث نام، بالاپیر لقب، سید زین العابدین بن سید عبدالقادر ثمانی گیلانی
اوجی کے فرزند رشید تھے۔ آپ کے والد ماجد راہِ ناگور میں قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔
اس لئے اپنے جدِ امجد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ انہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ مشائخ
قادریہ میں صاحب ارشادِ بزرگ جوئے ہیں۔ علم و فضل اور عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔
جدِ امجد کی وفات کے بعد اپنے چچا زاد بھائی سید حامد گنج بخش سے سجادہ نشینی و دستار بندی
کے امور میں ناراض ہو کر اوج سے نقل مکان کر کے پنجاب کے ایک معروف قصبہ سنگروہ میں
آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اسی مقام پر ۵۔ شوال ۹۵۵ھ میں بعہدِ اسلام شاہ بن
شیر شاہ سوری وفات پائی۔ ساداتِ گیلانی سنگروہ آپ کی اولاد سے ہیں۔

شد چو در غلد بری منزل گزین اں محمد غوث پیر دستگیر
داں وصالش میر مہدی مستقیم نیز صادق شاہ بالا پیر پیر

۹۵۶ء ۹۵۶ء

۶۹۔ حضرت سید بہاء الدین گیلانی المشہور بہاول شیر قلندر

بہاء الدین نام، بہاول شیر لقب، والد کا نام سید محمود بن سید علاء الدین تھا۔ سلسلہ
نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوثِ الاعظم قدس سرہ تک منہی ہوتا ہے۔ بہداد
میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور پچھو پھی نقل مکان کر کے ہندوستان آکر شہرِ بدایون میں

سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار سے پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد بھوپتی نے جو اپنے وقت کی زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ علم و فضل، زہد و تقدس، عبادت و مجاہدہ اور خوارق و کرامت میں مشائخ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ جذب و سکر اور ذوق و شوق کا طبیعت پر بے حد غلبہ تھا۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی تھی۔ کہا جاتا ہے مشائخ قادریہ میں سے آج تک کسی نے اتنی بڑی عمر نہیں پائی۔ روایت ہے ایک سو برس کی عمر میں آپ کو ڈاڑھی نکلی تھی۔ تین مرتبہ بارہ بارہ سال کی خلوت میں بیٹھے تھے۔ ایک دفعہ حالت استغراق و جذب و سکر میں اتنا طویل عرصہ ایک ماہ میں بیٹھے کہ جس پتھر کے ساتھ پشت تکیہ گاہ تھی جب وہاں سے لٹھے تو پشت کا کچھ تیزو اس پتھر کے ساتھ لگا رہ گیا۔ روایت ہے: ایک دفعہ آپ خلوت سے اٹھ کر اس مقام پر آ بیٹھے جہاں اب قصبہ حجرہ آباد ہے۔ اُس وقت یہاں دریا بہتا تھا۔ دریا کے کنارے پر آپ نے حجرہ و صومو تعمیر کیا اور سکونت پذیر ہو گئے۔ زمینداران قوم و سمول جن کی ملکیت میں وہ زمین تھی آپ کو وہاں سے اٹھ جانے کے لئے کہا۔ حضرت نے وہاں سے کچھ دُور جا کر قیام کر لیا۔ وہاں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اس دفعہ آپ جلال میں آ گئے اور دریا کو حکم دیا کہ یہاں سے ہٹ جائے اور مجھے رہنے کے لئے جگہ خالی کر دے۔ دریا فی الفور وہاں سے دُور تک ہٹ گیا اور ایک بلند ٹیلہ دریا سے نکل آیا جس پر آپ نے قیام فرمایا۔ آپ کا یہ تعریف دیکھ کر وہاں کے تمام زمیندار حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ روایت ہے ایک دفعہ آپ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کی ملاقات کے لئے آئے۔ مگر شیخ داؤد آپ کے رعب و بعیت سے اتنے مرعوب ہوئے کہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ آپ نے کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد فرمایا۔ مرغی انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ باہر نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آپ ہی کے ارشاد کا اثر تھا کہ شیخ داؤد بڑے کثیر اولاد ہوئے۔ جس بیٹ میں آپ شیخ داؤد سے ملنے آئے تھے وہ یہ تھی کہ شیر پر سوار تھے اور ہاتھ میں کوزے کی بجائے سانپ تھا۔ ۱۸ شوال ۹۷۳ ھ میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ وفات پائی۔ مزار حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ بعض روایات کے مطابق دو صدیاں اس سے کچھ کم و بیش سال کی عمر پائی۔

چو بہاد الدین ز دنیا رخت لبست رفت در فردوس چوں سروسی
 شیر عرفان نبی گو رحلتش!! نیز پر دل شیر سلطان اللہ
 ۹۰۳ء ۹۰۳ء

۱۰۔ حضرت مخدوم جی قاضی قدس سرہ

صاحب اخبار الاخبار رقمطراز ہیں، آپ سلسلہ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرنے ہیں۔ زہد و تقدس، عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ عالی ہمتی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے کوئی کام نہ تھا۔ متوکل اور مستغنی المزاج تھے۔ شہر بدر جو دیارِ دکن ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اٹھنے اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود جواں ہمتی کا یہ عالم تھا کہ اسی رات کو زناغل کے لیے اٹھے، نماز تہجد ادا کرنے کے بعد فجر تک اینٹ بست میں قرآن شریف ختم کرتے۔ ۹۰۳ء میں وفات پائی۔

شد چو مخدوم از جہان یونا گشت در فردوس ڈالا جائے گیر
 رحلتش مخدوم قطب العالم است ہم بخوان ہادی مخدوم اکبر
 ۹۰۳ء ۹۰۳ء

۱۱۔ حضرت سید عبداللہ ربانی قدس سرہ

سید محمد غوث گیلانی حلبی ادچی کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی ہی کے سایہِ مہر میں پائی تھی۔ علم منقول و معقول اور اصول و فروع کے جامع تھے۔ اس جلالتِ علمی کے ساتھ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز اپنے عہد کے مشائخ میں ممتاز و ذوی الاحترام تھے۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے کمالاتِ صوری و معنوی سے اخذ فیض کیا۔ ۹۰۸ء میں یہ عہدِ اکبر وفات پائی۔ مزار آوچ میں ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

ز دنیا رفت در حسدِ معلیٰ! چر شیخِ پاک عبد اللہ معصوم
وصالِ پاکِ او از دلِ عیاں شد امامِ دین عبد اللہ محمّد دوم

۷۲۔ حضرت سید اسماعیل گیلانی قدس سرہ

سید عبد اللہ ربانی گیلانی اوچی کے فرزند ارجمند تھے۔ بڑے عابد و زاہد۔ مستغنی المزاج اور جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کو لاہور بلایا اور یہاں رہنے کی درخواست کی اور ایک ہزار بیگمہ زمین ضلع فیروز پور میں برائے وجہ کفایت عطا کی۔ مگر آپ کے کمال فقر و استغنائے اسے قبول نہ کیا۔ البتہ لاہور میں محلہ کھی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۹۷۸ھ میں بعد ابروفات پائی۔ مرقد حضرت موج دریا بخاری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت چوں از جہاں بحسدِ بریں پیرِ روشنِ نسیمِ اسماعیل
گشت تاریخِ رحلتش روشن نیرِ نورِ مہدِ اسماعیل

۷۳۔ حضرت سید حامد گنج بخش قدس سرہ

سید حامد نام۔ گنج بخش لقب۔ سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر ثانی گیلانی اوچی کے فرزند رشید تھے۔ اپنے والد گرامی ہی کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت میں وحید العصر تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ شاہانِ وقت بھی آپ کی عقیدت مندی کو باعثِ فخر و مباہات جانتے تھے۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں گزار دی۔ اپنی زندگی ہی میں خلافت و سجادہ نشینی اپنے فرزند جمال الدین ابوالحسن موسیٰ کو تفویض کر دی تھی۔ آپ کے خلفاء میں سے شیخ سید شیر علی شاہ طمانی اور شیخ داؤد کرمانی زیادہ

مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔ ۹۰۰ء میں بعد اکبر وفات پائی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔
 شیخ حامد گنج بخش دو جہاں شد بکب خلد نہیں فانی سرا
 شیخ محبوبی است سالِ وصلِ او نیز حامد شاہ سید مقتدا

۴۔ حضرت شیخ داؤد چونی والی گڑھی قادری قدس سرہ

داؤد نام، سید فتح اللہ بن سید مبارک باب کا نام تھا۔ سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظمؑ تک فتنی ہوتا ہے۔ آپ کے والد عرب سے اگر ہندوستان میں پہلے ہیبت پور (پٹی) میں پھر قصبہ چونی والی (چونیاں) سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ اسی مقام پر اپنے والد کی وفات کے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ سن رشد کو پہنچے تو حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے شاگرد مولانا اسماعیل لاہوری کی خدمت میں اگر علوم ظاہری کی تکمیل کی پھر حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی اوچی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سلسلہ قادریہ کی تکمیل کے بعد خرقہ و خلافت سے ممتاز ہوئے اپنے ننانے کے صاحبِ حال و قال اور جامع شریعت و طریقت بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مقامات پر فائز تھے۔ تمام رات کبھی قیام، کبھی سجود، کبھی رکوع اور کبھی قعدہ میں گزر جاتی تھی۔ کثرتِ ریاضت و مجاہدہ سے آپ کو نسبتِ خاص حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ ثوبتِ الاعظم سے پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ حضرت خوشیہ کی روح سے آپ کو ایسی کا زبیر عالی حاصل تھا۔

صاحبِ اخبار الاخبار کہتے ہیں کہ آپ مجلس میں اس طرح مضطرب و بے چین بیٹھے کہ جیسے کسی نئے کوئی چیز گم کر دی ہو یا کسی کو اپنے محبوب کے آنے کا انتظار ہو۔ پھر ذوق و شوق کی حالت طاری ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے شروع کرتے۔ اس مقام پر آپ کا کلام بڑا دقیق و بلند ہوتا۔ فرماتے، عراق کی جانب سے جو ہوا آرہی ہے اس میں خوشبوئے محبوب ہے اور میرا دل اس کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ نیز اخبار الاخبار میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت شیخ قطب عالم فرماتے ہیں کہ جب شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

لے حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ مراد میں جی سے صاحبِ اخبار الاخبار ہیبت تھے اور خلافت پائی۔

آپ کے طریق و عمل و نسبت سے میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید شیخ داؤد طریقہ مجددیہ رکھتے ہیں۔

ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: مجددیہ طریقہ خلافت و گزراہی کا ہے۔ بطریق مشائخ اور بسند صحیح سید عالم علی اللہ علیہ وسلم تک ثابت نہیں ہے۔ اسی زمانے

لے اس طریقہ کے بانی سید محمد مدنی جو چوری تھے۔ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجددیہ

دانیال کے مدیہ تھے۔ حالت استغراق و جذب و سکرم میں انام مدنی کا نعرہ لگایا۔ جب موش میں آنے تو توبرہ کر لی۔ بسکریں

مستعد میں اور جلا نے انہیں مدنی موعود ہی بنا دیا اور ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے آپ کو

مدنی کہا ہے مگر اس سے مدنی موعود مراد نہیں تھا بلکہ اداوی و رہنما اور مبلغ مراد تھا۔ انہوں نے اصلاحی تحریک بھی شروع

کی کیونکہ اس وقت ہندوستان میں سنت پر امنی اور طوائف الملوک کی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی حکومت احکام شرع کے اجرا و قیام

کی ذمہ داری نہ لیتی تھی۔ علمائے حق کم اور علمائے دنیا اور جاہل سرفیاد زیادہ تھے۔ آپ نے ایسا نئے شریعت کا غنجد

بلند کیا۔ ان کے شدید مخالف بھی تھے وہ ہیں زطلوم و سب کے ساتھ زہد و درویشی اور عبادت و تقویٰ میں بھی درجواب تھے۔

اصلاحی سلسلے میں ارباب اقتدار سے لڑ بھی لی۔ جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو گجرات چلے گئے لیکن علمائے یہاں بھی

مخالفت کی۔ یہاں سے مجاز کا رخ کیا وہاں سے ایران پہنچے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا اس نے بھی وہاں سے

نکل جانے کا حکم دیا۔ دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا۔ راستے ہی میں تھے کہ فوج کے مقام پر ۱۸۹۰ء میں وفات پا گئے۔

ان کے متقین شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علانی نے طریقہ مجددیت کو فروغ دینا چاہا اور مجددوم۔ نے نے دہانا چاہا۔ سلیم شاہ

نے مجددوم الملک کے کئے پر شیخ علانی کو دربار میں بلایا اور مظلوم کو جمع کیا جس میں سید رفیع الدین محدث اور میاں ابوالفتح تھانوی

بھی شریک ہوئے۔ مجددیت پر بڑا جہاد ہوا۔ بادشاہ نے مباحثہ کو ماننا چاہا مگر شیخ علانی اس ادعا سے باز نہ آئے۔ اس

پادشاہ میں کوڑوں سے پھرانے گئے۔ بیچارے تیسرے کوڑے ہی میں روت پر واز کر گئی۔ ہاش کو ہاشی کے پاؤں نے ساق

بانہ کو فوج میں تشریف لے گئی اور حکم دیا گیا کہ دفن نہ کی جائے۔ ان کے بعد شیخ عبداللہ نیازی کی باری آئی۔ دربار میں بلانے گئے شیخ

نہایت آزادی و بیباکی سے آئے۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ سلیم شاہ نے مجددوم الملک سے پوچھا علانی کا مرشد یہی ہے۔

انہوں نے کہا، ہاں۔ انہیں بھی کوڑوں سے پھرایا گیا۔ سنت جان تھے بچ گئے۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۰ء میں وفات پائی۔

اس زمانے کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی سید محمد جو چوری کے دعوائے مجددیت کے رد و قبول میں بہت کچھ لکھا۔ مگر یہ تحریک

کسی نہ کسی صورت میں چلتی رہی۔ مولانا شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ ہلول جو اصحاب سلوک و طریقت سے تھے اور

شیخ داؤد چونی دال شیر گرامی کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اور علوم متداولہ میں سید رفیع الدین محدث شیرازی کے شاگرد تھے

باقی اگلے صفحہ پر

سبب مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اپنے زمانہ اقتدار میں بعض مسائل کے اختلاف کی بنا پر بعض اکابر علماء و صلحاء کے درپے آزار تھے۔ آپ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور سلیم شاہ کافرمان بھیجا کر طلب کرایا۔ چنانچہ آپ دو خادموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گوالیار سے باہر ملاقات ہوئی مخدوم الملک شیخ کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئے اور عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ دورانِ گفتگو شیخ نے مخدوم الملک سے اپنی طلبی کا سبب پوچھا۔ مخدوم الملک نے جواب دیا: ہم نے سنا ہے کہ وقتِ ذکر آپ کے مرید یا داؤد یا داؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: یہ اشتباہِ سامع ہے وہ یا وود یا وود کہتے ہوں گے۔ مخدوم الملک یہ جواب سن کر خاموش رہا۔ ۹۸۲ء میں وفات پائی۔ مزار بمقام شیرگڑھ زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

حضرتِ داؤد شیخِ باکمال
کن رقم فیاضِ کاملِ رحلتش!
شد چو از دنیا بخت یافت جا
باز فرما "اہل عرفان مقتدا"

۵۔ حضرت شیخ بہلول ریالی قدس سرہ

سلسلہ قادریہ کے مشائخِ عظام اور اولیائے ذوی الاحترام سے ہیں۔ حضرت شاہ لطیف بڑی قادری سہروردی قدس سرہ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ صاحبِ علم و فضل و زہد و تقویٰ تھے (بقیہ صفحہ ۲۱) سید محمد مدنی جرنپوری کے عوائضِ مدویت کے قائل نہ تھے مگر ان کی ولایت کے زور و معرفت تھے۔ بعض علماء نے ان کے عوائضِ مدویت کے رد و قبول میں بین میں طریقہ اختیار کیا اور ان کے احوال و مقامات کو جذب و سکر قرار دے کر خاموش ہو گئے مگر صاحبزادوں کا توں رہا۔ شیخ مبارک ناگوری بھی آزاد خیال اور آزاد شہرہ ہونے کے باعث طریقہ مدویت کے موید تھے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسندِ مدویت موقوف علیہ ایمانِ اسلام نہیں ہے تبیینِ علامتِ مدی میں سنتِ اختلافِ واقع ہوا ہے۔ امری و عباسی خانہ جنگی سے لے کر آج تک یہ عقیدہ سیاسی و جماعتی تغلب کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہوتا ہے۔ اپنے حصولِ مقاصد کے لیے کئی فرقوں نے تبیینِ ذاتِ مدی کے لیے حدیثیں بھی وضع کیں۔ لہٰذا بزرگانِ پنجاب میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ صاحبِ فضل و کمال اور خوارقِ وکرات تھے۔ بڑے عابد و زاہد و گوشہ نشین تھے۔ اکثر حالتِ استغراق و جذب و سکر میں رہا کرتے تھے۔ نعمتِ بانی حضرت جمال اللہ حیات المیر (باقی صفحہ ۲۱)

ایسے معاصرین میں ممتاز تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد عراق و عجم کی سیاحت کونکے۔ پہلے نجف اشرف پہنچے۔ دو سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر اعتکاف کیا۔ وہاں سے کربلا آئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر تین ماہ حاضری دیتے رہے وہاں سے مکہ منورہ آئے۔ مناسک حج ادا کیے۔ یہاں سے مدینہ منورہ آئے۔ روزِ نحر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر مشہد مقدس آئے۔ حضرت علی رضا امام ہشتم اشعری کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں سے بشارت پائی کہ ایک مرد حق فلاں پہاڑ کی غار میں بیٹھا ہوا ہے جو سلسلہ قادریہ ہی سے منسلک ہے اس کے پاس جاؤ اور اپنا حصہ لوجو اگرچہ وہ مرد مجذوب ہے مگر پرورشِ خمیر ہے۔ چنانچہ یہ اشارہ نبی پاتے ہی آپ وہاں پہنچے دیکھا کہ غار میں ایک مرد دیرینہ سال مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی غار میں نہیں۔ اس کے چند خادم باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ نے اس بزرگ کا حال ان سے پوچھا۔ انوں نے کہا کہ شیخ ہر روز ایک مرتبہ مراقبہ سے سرائٹا ہے اور حاضرین پر نظر ڈالتا ہے لیکن ایک روز اس کی نظر میں تاثیرِ جلالی ہوتی ہے اور دوسرے روز تاثیرِ جمالی۔ آج نظرِ جلالی کا دن ہے۔ اس نظر کی کوئی شخص تاب نہیں لاسکتا۔ چنانچہ آپ نے اس روز توقف کیا۔ دوسرے روز علی الصبح غار میں پہنچے اور مجذوب کی نظر فیض اثر سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ ۹۸۳ء میں وفات پائی۔ روضہ پاک چھوٹ کے ملاقہ میں ہے۔

رفت روحش باوج حسرت بریں کرد رحلت چو از زمین بسلول
 بست شیخِ جلیل تارِ نخشس ہم بخواں "خیر ابل دیں بسلول"

دقبیہ ماشیہ مست (۲) فرزندِ پنجم سید عبدالرزاق خلع حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی غوث الاعظم سے پائی تھی۔ حضرت جمال اللہ کو حیات المیزندہ پر کھنکے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت غوث کو یہ پوتے بڑے محبوب تھے اور اپنے ان کے لئے عہدِ جاوید کی دعا مانگی تھی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ وہ آج تک زندہ ہیں اور دیا رتہ قند کی کسی جانب سکونت رکھتے ہیں۔ انرا دیانے کرام نے آپ سے اخذ فیض کیا ہے۔ حضرت شاہ لطیف بڑی نے ان کے علاوہ شیخ نصیر الدین قریشی طہانی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اسی لئے بعض تذکرہ نویسوں نے انہیں اور شیخ بسلول دریاؤ کو مشائخ سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ ۹۶۲ء میں وفات پائی۔

۷۶۔ حضرت شیخ ابوالسحاق قادری لاہوری قدس سرہ

حضرت شیخ داؤد چونی وال شیرازہ سی کے بزرگ ترین مرید اور خلیفہ اعظم تھے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ ۶۰ نان و ایتامیں درجہ طیار کئے تھے۔ حضرت شاہ ابوالمعالی جو شیخ داؤد کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے ان سے بڑی الفت و محبت تھی۔ دونوں حضرات ایک ہی جگہ پر عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں بیٹھا کرتے تھے۔ جب شیخ داؤد نے شاہ ابوالمعالیؒ کو لاہور جا کر قیام کرنے کا حکم دیا تو آپ بھی اپنے مرشد سے اجازت لے کر لاہور آگئے اور محلہ منگل پیر میں سکونت اختیار کر لی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ اپنی خانقاہ میں طومر فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ آپ کے بزرگ قوم منگل غوری سے ہیں۔ ۹۰۵ھ میں بعد ابروفات پائی اور اپنی قیام گاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تین صاحبزادوں محمد حسین، مک حسین اور یار حسین کے مزارات بھی آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک گنبد کے اندر ہیں۔

شیخ ابوالسحاق پیر رہنما! شہچرا از دنیا شے دوں اندر جناں
حلتش گفتم فقیہ معرفت ہم ابوالسحاق سماج عارفان

۷۷۔ حضرت سید میراں گیلانی اچھی قدس سرہ

حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اچھی کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے سایہ ماطفت میں پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ عابد و زاہد، متقی و صاحب الشاہ تھے۔ اچھ سے نقل مکان کر کے لاہور آگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولِ عام عطا فرمایا تھا۔ تمام عمر درس و تلقین میں گزار دی۔ ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔ مرقہ گورستان میانہ میں ہے۔

بجنت رفت زین دنیا سے غانی! چوں آں مقبل مبارک میر میراں
ومالش مخزن الاسرار فرما بخوان مقبل مبارک میر میراں

۸۔ حضرت شیخ معروف چشتی قادری قدس سرہ

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر کی اولاد امجاد سے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے نیز حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی سے بھی اخذ فیض کیا تھا اور خرقہ و خلافت پایا تھا۔

روایت ہے: جب آپ حضرت سید مبارک حقانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو وہ اس انتہائے استغراق اور جذب و سکر میں صحرائے لکھی میں مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول تھے۔ اس حالت میں کسی کو ان کے سامنے جانے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ جب شیخ چشتی وہاں پہنچے تو خدام نے انہیں حضرت کے سامنے جانے سے روکا۔ مگر انہوں نے فرمایا: ہرچہ بادا باد۔ جو کچھ بھی ہو میں ان کے سامنے ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ جرات و ہمت مروانہ کر کے ان کے سامنے پہنچے۔ آپ اس وقت گوراقبہ میں مستغرق تھے مگر نورِ باطن سے آگاہ ہو کر سداٹھایا اور متبسم ہو کر شیخ معروف کی طرف دیکھا۔ نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ تین دن تک بیہوش رہے۔ جب بیہوش میں آئے تو طلقہ ارادت میں داخل ہو کر سلسلہ قادریہ کے مطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور کچھ عرصہ حاضر خدمت رہ کر کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مقاماتِ بلند حاصل کئے۔ رخصت کے وقت حضرت حقانی نے فرمایا: تم سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف طریقتہ لوشاہیہ کے مورثِ اعلیٰ میں۔ ۹۰۷ھ میں وفات پائی۔

زویا گشت سوسے حسلہ راہی چہ شیخ دین والا شاہ معروف

وصال او بہ سرور گشت پیدا زہ اقدس شاہ عالی جاہ معروف

۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

۹۔ حضرت سید محمد نور قادری قدس سرہ

سید بہاول شیر گیلانی جردی کے فرزند ارشد تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی ہی سے پائی تھی۔ تمام بھائیوں میں علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ ان کے خیر

marfat.com

Marfat.com

شاہ کمال بخاری بھی جن کا مزار قصبہ چوئیاں میں ہے اور پیر جہانیاں کے خطاب سے مشہور زمانہ ہیں۔ اپنے مہد کے کمال و اکل بزرگ گزرے ہیں۔ جب آپ کے پدر بزرگوار نے رحلت فرمائی تو اتفاق سے آپ اس وقت حجرہ میں نہیں تھے۔ آپ کی غیر حاضری ہی میں انھیں دفن کر دیا گیا۔ جب آپ سفر سے واپس آئے تو دیدار پدر کے لئے نہایت مضطرب و بیقرار تھے۔ آپ نے چاہا کہ قبر کھول کر والد بزرگوار کا دیدار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے دیگر مقتدین و لواحقین پر یہ قدم لگا دی کہ کوئی قبر شریعت کے پاس نہ آئے پائے۔ قبر پر خیمہ لگا کر اسے کھولا گیا۔ ایک مہمار کسی طرح چھپ کر خیمہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تا کہ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہو سکے۔ خود حضرت سید محمد نور نے لحد کھولی اور والد ماجد کے دیدار سے فیض یاب ہوئے۔ گروہ چھپا ہوا مہمار تاب و دیدار رکھتا تھا، اسی وقت اندھا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سید محمد نور نے آپ کی قبر پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا۔ جہاں اور مہمار تعمیر گنبد کے لئے آئے وہاں یہ اندھا مہمار بھی حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اگر میں بنیا ہوں تو حضرت کا مقبرہ خوب بناؤں۔ فرمایا: اچھا یونہی سی۔ دن بھر جب تو کام کرتا رہے گا، بنیا رہے گا۔ جب کام سے فارغ ہو گا تو اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مقبرہ بنا رہا اسی طرح ہوتا رہا۔ ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔

گشت در جنت چو روش مثل ماہ ، نوریں نور محمد شاہ نور
سال وصلش شفقت حق گو نیز ساکب اکبر محمد شاہ نیز

۸۰۔ حضرت شاہ قمیص الدین گیلانی ساوہوری قدس سرہ

والد کا نام سید ابی الحیات بن سید تاج الدین محمود تھا۔ سلسلہ نسب حضرت سید عبدالرزاق خلعت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہ تک منسب ہوتا ہے۔ آپ کے والد بچداد سے نقل مکان کر کے ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ بنگال میں رہے۔ پھر قصبہ ساوہورہ خضر آباد جو انبارہ کے علاقہ میں ہے وہاں آکر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اذہن و فنی باصفا تھے۔ آپ کی ذات سے سلسلہ قادریہ کو ہندوستان میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

آپ نے سادہ سوراہین شیخ نصر اللہ کی دختر سے نکاح کیا جن کے بطن سے سید قیس الدین پیدا ہوئے۔ شیخ نعم اللہ بھی اپنے زمانے کے صلحا ہیں سے عالم و فاضل شخص تھے۔ سید قیس الدین نے اپنے والد ماجد ہی کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور کمالاتِ صوری و معنوی میں یگانہ آفاق ہوئے۔ آپ کی ذات اپنے زمانے میں معنات سے تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ نے خلفائے میں سے سید عبدالرزاق المشہور شیخ بطلول جامع شریعت و طریقت و حقیقت گزرے ہیں۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

چوں قیس از جہان دنیا رفت گشت چوں گنج در زمین مستور
سال و ششس امام فضل آمد نیز شیخ امام کرد ظہور
۹۹۲ھ ۹۹۲ھ

۸۱۔ حضرت شیخ سید اسماعیل گیلانی قدس سرہ

باپ کا نام سید ابرار بن سید نصر تھا۔ سید عبدالرزاق فرزند حضرت سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک سلسلہ نسب منتہی ہوتا ہے۔ عالم و فاضل اور صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ قلعہ زہور میں سوت رکھتے تھے۔ صاحب اخبار الاخبار کہتے ہیں: سب سے پہلے سید اسماعیل کے بزرگ بندوستان میں تشریف لائے۔ ان سے پہلے حضرت غوثیہ کی اولاد ہیں سے کسی نے بندوستان کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔ اگر کیا بھی تھا تو تیاہم نہیں کیا تھا۔ آپ کی ذات بابرکات سے ایک خلقِ کثیر نے علم و ہدایت سے حصہ وافر حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ محمد حسن شیخ امان پانی پتی، شیخ عبدالرزاق ساکن عجبجانہ آپ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ یہ تینوں حضرات مجمع البحرین تھے اور سلسلہ قادریہ و چشتیہ کے مشاہیر اویا تھے۔ ان بزرگوں کا ذکر سلسلہ چشتیہ میں آئے گا۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔ مزار قلعہ زہور میں ہے۔

شد چو اسماعیل از دار البقا مسکن خود یافت در دار السلام
رحلتش آمد میاں ممتاز وقت نیز اسماعیل مندوم امام
۹۹۲ھ ۹۹۲ھ

۸۲۔ حضرت سیدالہ بخش گیلانی لاہوری قدس سرہ

قبول صاحب اخبار الاخبار سید محمد بن سید زین العابدین بن سید عبدالقادر ثانی اوتپی کے فرزند تھے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اپنے زمانے کے مقتدا سٹے عالم تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ ۹۹۴ء میں دیار بنگال میں وفات پائی۔

الہ بخش آں ولی دین احمد ز دنیا شد چو در خلد معلیٰ
بہستم از خرد سال و عاشق ز فیاض زمانہ گشت پیدا
۹۹۴ء

۸۳۔ حضرت شیخ خضر سیوستانی قدس سرہ

سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے ہیں۔ سیوستان وطن تھا۔ اپنے زمانے کے صاحب کمال و کتائے روزگار بزرگ گزرے ہیں۔ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور فقر و استغنا میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفریح کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر آبادی سے دور ایک ویرانہ میں یا وادی میں بسر کر دی۔ موت لایوت جھل کے درختوں اور پتوں سے حاصل کرتے۔ یا کبھی تنور میں اپنے لئے ایک آدھ روٹی پکالیتے تھے۔ لباس صرف ایک تہ بند اور چادر تھا جس سے سر اور جسم ڈھکایا جیتے تھے۔ جو تنور بنا رکھا تھا اسے بوقت ضرورت جھل کے ایندھن سے گرم کر لیتے تھے۔ شہر و آبادی کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ جھل کے پیور و وحوش آپ کے ہم نفس و بہدستان تھے۔ تنور کے سامنے ایک پتھر رکھا ہوا تھا اس پر بیٹھ کر عبادت الہی کیا کرتے تھے۔ اس پتھر پر گرمی آفتاب کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ موسم سرما میں بھی یہی تنور گرم کر لیتے تھے اور اس میں بیٹھ کر یا وادی کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حاکم سیوستان آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ دیکھا کہ شیخ گرم دھوپ میں پتھر پر بیٹھے ہوئے یا وادی میں مصروف ہیں۔ نزدیک جا کر اپنا سایہ شیخ پر ڈالا۔ شیخ نے مراقبہ سے

سراٹھایا اور پوچھا: کون ہے اور اس ویرانے میں کس لئے آیا ہے۔ کہا حاکم سیوستان ہوں اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے خدمت کا موقع دیکھتے تاکہ اس سے سعادت و اربین حاصل کروں۔ فرمایا: کوئی خدمت نہیں ہے۔ اس نے پھر عجز و انکسار سے درخواست کی۔ فرمایا، بہتر: پہلی خدمت یہ ہے کہ اپنے سایہ کو میرے سر سے دو کر و اور جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ۔ جس شخص کے سر پر سایہ الہی ہو اس کو دوسرے کے سایہ کی حاجت نہیں ہے۔ وہ دور جا کر کھڑا ہو گیا اور کہا، حضرت جس وقت یا وحی میں مشغول ہوں میرے لئے دعا فرمائیے۔ فرمایا، اللہ تعالیٰ وہ دن میرے نصیب نہ کرے کہ یا وحی کے وقت غیرِ حق کا خیال میرے دل میں گزرے۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار سیوستان میں ہے۔

شیخ خضر آں رہنمائے راہِ حق مقتدائے دین ولیٰ مستقی
ہادی دین شیخ شد از دل میاں سن و سال انتقالش لے اخی
۹۹۴ھ

۸۴۔ حضرت سید شاہ نور حضوری قدس سرہ

سید محمود حضوری موسوی غوری کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیر سایہ پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تکمیل سلوک کے بعد غٹائے خرفہ سے سرفراز ہوئے اور اجازتِ ارشاد ملی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ والد ماجد کے فیضانِ نظر سے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوتا وہ بہت جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبہٴ حضوری حاصل کر لیتا۔ ۹۹۷ھ میں وفات پائی۔

گشت روشن چوں بجلد جاوداں سید و سردار سردر شاہ نور
سال وصلش از خرد شد جلوہ گر ہادی احسن منور شاہ نور
مزار سید محمود حضوری کے گنبد کے اندر ہے۔
۹۹۷ھ

۸۵۔ حضرت سید موسیٰ پاک شہیدِ قدس سرہ

سید حامد بخش گیلانی اوچی کے فرزندِ شہید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ پندرہ گوار سے سلوک و معرفت میں مقاماتِ بلند اور مدارقِ اربعہ بند حاصل کر کے جمال الدین ابوالحسن کا خطاب پایا تھا۔ جہاد و ریاضت اور ارشاد و ہدایت میں یگانہ روزگار تھے۔ حضرت غوث الاعظم کے اویسی تھے۔ نیز حالتِ بیداری میں حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آراء سے بھی مشرف ہوئے تھے اور بطریق کشف قبور حضرت شیخ سید عبدالقادر ثمانی گیلانی اوچی سے اخذ فیض کیا اور سمیت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخبار آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ کتاب کے آخر میں اپنی بیعت کے حالات مفصل و مشروح درج کئے ہیں۔ آپ کی تمام عمر رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین میں گزری۔ ۱۰۰۱ھ میں قوم لشکراہ کی ایک غارتگری میں اتفاقاً گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ مزارِ عثمان میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو موسیٰ از جہاں رختِ سفر بست عیاں شد رحلتِ آلِ شامِ حق ہیں
ز قلبِ الاصفا موسیٰ ثمانی دگر، موسیٰ ثمانی نیرِ دین

۸۶۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہ

عبدالوہاب نام، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا۔ اصل وطن مالوہ تھا۔ ان کے والد بندوستان کے اکابر صوفیاء و علمائے تھے۔ جو اربابِ زمانہ نے ترکِ وطن پر مجبور کیا۔ برہان پور آگئے، یہیں فوت ہوئے۔ شیخ عبدالوہاب کو چھوٹی عمر ہی میں سلوک و معرفت اور سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بیس سال کی عمر میں وطن سے نکلے۔ گجرات، دکن، سرانڈیپ سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں حضرت شیخ علی متقی چشتی قادری شاذلی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ خدمتِ مرشد میں رہ کر علومِ ظاہری و باطنی سے بہرہ وافر حاصل کیا۔ اپنے خلوص و عقیدت کے باعث ملے شیخ علی نام، متقی لقب، والد کا نام جہاں کلام تھا۔ اصل وطن جو پور تھا مگر ولادت (باقی اگلے صفحہ پر)

مرشد سے بے اندازہ فیوض و برکات اکتساب کئے۔ اپنے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کی وجہ سے عین ذاتِ مرشد ہو گئے تھے۔ صاحبِ اخبار الاخبار لکھتے ہیں: شیخ عبدالوہاب ۱۱ سال مرشد کی زندگی میں اور ۱۲ سال مرشد کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں رہے۔ اس پچاس سال کے دوران میں ایک سال بھی حج فوت نہیں ہوا۔ وہاں تمام عمر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور ریاضت و مجاہدہ میں گزاری۔ مرشد کی وفات کے بعد اپنے خویش و اقارب سے ملنے کے لئے گجرات آئے مگر اسی سال واپس چلے گئے کہ حج سے محروم نہ رہ جائیں۔ پچاس سال کی عمر میں نکاح کیا۔ اس سے پہلے جو فتوح خانانہ میں آتی تھی وہ سب کی سب تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اب اس سال اپنے اہل و عیال کا حصہ بھی نکالنے لگے۔ صاحبِ اخبار الاخبار رقمطراز ہیں: شیخ عبدالوہاب فرمایا کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول کر ایک صحرا کے قریب وادی میں پہنچ گئے۔ آبادی تو کجا رہی اب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا۔ والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی طعام آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہو گئی۔ ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کش مکش میں رات کاٹی۔ علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت مرد پیر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم درخت سے نیچے اترے اس نے ہمیں اپنی بغل سے گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں۔ ہم نے کھائیں۔ اُس چشمے سے پانی پیا۔ اس مرد پیر نے کہا: یہاں قریب ہی ایک اقبیہ حاشیہ ص ۲۱۲ برہان پور میں ہوئی تھی پہلے سلسلہ چشتیہ میں شاہ باجن سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ حسام الدین متقی طحانی چشتی سہروردی سے علوم ظاہری و باطنی سے استفادہ کیا۔ حرمین الشریفین آئے۔ یہاں شیخ ابوالحسن بکری سے اجازت طلبیں طریقہ شاذ لیا جو حضرت شیخ ابودین مغربی الترمذی ۵۹۰ھ تک منتہی ہوتا ہے ماحصل کی اور حضرت شیخ محمد بن محمد بن محمد سنہادی سے سلسلہ قادریہ کا خرد حاصل کیا۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے تادم زیست، درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے جمع الجوامع، جامع صغیر، مجموعہ حکم کبیر، تبیین الطریق زیادہ مشہور ہیں۔ ۵، ۶ھ میں وفات پائی۔ علی سرخداں آپ کی تاریخِ وفات ہے۔ مزار مکہ معظمہ میں ہے۔

کاؤں سے وہاں چلے جاؤ۔ ہم اس گاؤں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا، اُس جگہ پر آیا، دیکھا کہ وہاں نہ چشمہ ہے نہ وہ مرد پیر۔ حیران رہ گیا۔ شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہوں گے۔ ہم پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

شیخ اپنے سفر کا ایک اور حال لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیارِ مالابار میں پہنچے۔ قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا اس شہر میں کوئی مرد درویش ہے۔ کہا: ہاں کیوں نہیں صاحب خوارق و کرامت درویش ہے۔ عوام بھی اس کے بڑے معتقد ہیں۔ مگر بظاہر از تکابِ نوابی کرتا ہے، خود شراب پیتا ہے دوسروں کو پلاتا ہے۔ اسی وجہ سے میں بھی اُس سے خوش نہیں ہوں۔ دوسرے روز میں قاضی کی نشان دہی کے مطابق اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ ارد گرد لوگوں کا جھوم ہے۔ میں جب اس کے نزدیک پہنچا تو مجھے مر جا کہا اور بڑا خوش ہوا۔ دو پیالے شراب کے آئے ایک اس نے خود پینا شروع کیا اور دوسرا مجھے پینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کیا۔ کہا یہ تو حرام مطلق ہے اسے نہیں پینا چاہئے۔ وہ اصرار کرتا رہا میں اتنا پر قائم رہا۔ تنگ آ کر کہنے لگا: اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کینا پیش آتا ہے۔ میں یہ سن کر بڑا مغموم ہوا اور اُس کی مجلس سے اٹھ کر آ گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ بڑا پُر لطف و پُر نظارہ اور عجیب و غریب باغ ہے۔ اگر اسے بہشت کا نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ چاہا کہ اندر جاؤں۔ دیکھا کہ دروازے پر وہی مرد شراب خوار کھڑا ہے۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے۔ کہا ہے پہلے یہ شراب پیو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہوگی۔ میں اس اتنا میں بیدار ہو گیا لاجول پڑھا، پھر سو گیا، پھر وہی کیفیت دیکھی، اٹھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی اور آپ کی مدد مانگی۔ پھر سو گیا۔ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ دستِ مبارک میں عصا ہے اور میں حضور کے روبرو حاضر ہوں۔ اسی وقت وہ مرد شراب خوار حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس کی طرف عصا پھینکا اور فرمایا "بٹ جانا مبارک گئے" اسی وقت اس کی صورت مسخ ہو کر گتے کی ہو گئی۔ وہ وہاں سے جاگا اور فرمایا "بٹ جانا مبارک گئے" اسی وقت میں نے اسے یہاں سے

نکال دیا ہے۔ اب یہ شہر میں نہیں رہے گا۔ میں بیدار ہو کر اس کی قیام گاہ پر گیا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وہ راتوں رات بھاگ گیا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔ مزار کٹر مندر میں ہے۔

ذوینا شد چو در حسلہ معلیٰ! جناب شیخ اکل عبد وہاب
رنا جو شیخ کامل گر بسالشی دگر برخواں ز افضل عبد وہاب
۱۰۰۱ھ ۱۰۰۱ھ

۸۷۔ حضرت سید صوفی گیلانی قدس سرہ

باپ کا نام سید بدر الدین بن سید اسماعیل ہے۔ کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ اور صاحب شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ تمام عمر لاہور میں ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی۔

شہ غلد صوفی نسانی نسیمیر شریفی ز اولاد پاکِ عسلی
شود سالِ ترحیلِ او جلوہ گر ز مخدوم صوفی سید ولی
۱۰۰۲ھ ۱۰۰۲ھ

۸۸۔ حضرت سید کامل شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

بعید اکبر بخارا سے لاہور آئے اور موضع بابوسابو میں سکونت اختیار کی۔ علوم ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ عبادت و مجاہدہ، زہد و ورع اور شجاعت و توکل میں راسخ القدم تھے۔ طریقہ قادریہ و مداریہ میں شیخ الحداد مداری کے مرید و خلیفہ تھے۔ لوگوں میں دیوان کامل مشہور تھے۔ ۱۰۰۵ھ میں وفات پائی۔ مزار متصل موضع بابوسابو ہے۔ آپ کے مرید عبدالرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے خواب میں آکر منع فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میرا مزار کچا رہے۔

جناب شیخِ کامل مصدر دیواں بعلمِ عشقِ کامل قطبِ عالم
نہا شد بہرِ سالِ انتعاش کوہِ شائبشاہِ کامل قطبِ عالم

۸۹۔ شیخِ حسین لاہوری قدس سرہ

حضرت شیخ بہلول دریانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا اور فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ حسین کا باپ عثمان نامی دین دار آدمی تھا۔ بافندیگی پیشہ تھا۔ شیخ حسین ۹۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے ہوئے تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابوبکر کے حلقہ درس میں شامل ہو کر قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ چھ سات پارے حفظ بھی کر لئے تھے اور کچھ دینیات میں بھی استعداد بہم پہنچالی تھی کہ اسی اثنا میں شیخ بہلول داروہ لاہور ہوئے۔ ایک روز شیخ ابوبکر کی مسجد میں تشریف لائے اور شیخ حسین کو دریا سے ایک گوزہ پانی کالانے کے لئے کہا اس وقت دریا سے رلوی مکسالی دروازے کے باہر بہتا تھا۔ شیخ حسین دریا پر گئے اور گوزہ میں پانی بھر لائے۔ شیخ بہلول نے وضو کیا، نماز پڑھی اور شیخ حسین کے حق میں دعا کی کہ اے الہی اس لڑکے کو عارف اور اپنا ماسخ بنا۔ شیخ حسین بھی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ انہی ایام میں ماہِ رمضان شروع ہو گیا۔ شیخ بہلول نے حسین کو نماز تیرہویں میں امام بنایا حسین نے مرشد کی توجہ سے تمام قرآن سنا دیا۔ صاحبِ حقیقتہ الفقرا نے اسے یوں نکتہ کیا ہے:

در زمانے کہ شیخ سوئے حسین آمد از بہر جستجوئے حسین

وقتِ خوش بود ساعتے مسعود!! سالِ پنجاہ و پنج و نہ صد بود

سالِ تاریخِ اوست بے تاخیر حق شدہ ہادی حسین فقیر

شیخ بہلول نے چند سال ہی میں حسین کو درجہ کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن قصبہ چندلوٹ دینیوٹ میں چلے گئے۔ اس کے بعد شیخ حسین نے چھبیس سال آبادی سے دور ویرا نے میں شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارے مگر رات کو حضرت شیخ علی ہجویری دانا گنج بخش کے

مزار پر اگر اعتکاف میں بیٹھتے۔ اس دوران میں آپ کو حضرت مخدوم کی زیارت بھی ہوتی اور تمام مزار پر نور ہو جاتا۔ اس طرح حسین حضرت کی توجہ سے کامل و اکمل ہو گئے اور نورِ باطن سے تمام اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ صاحب حقیقۃ الفقر لکھتے ہیں:

کہ بناگہ زمرتد پر نور کہ در دیدہ حسین ظہور
پیکر خوش بنور نورانی منظر نور پاکِ رحمانی
گشت از دیدش چوست حسین بے خود از جائے خویش جست حسین
از اداوت فنا در پائش !! سر خدمت نہاد در پائش

شیخ حسین چتیس بس کی عمر میں شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیرِ مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیہ وَمَا الْحَيٰوةُ اِلَّا نَيٰرًا لَّهُمْ وَلَعَبٌ مَّرْتَضٍ تَوَاتِلًا سے اس کے معنی دریافت کیے۔ انہوں نے اس کے جو معنی تھے، بیان کیے۔ شیخ نے کہا: مجھے حال مطلوب ہے قال نہیں۔ یہ کہا اور کتابوں کو اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ دوسرے طلبہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اُن کے مطالبہ پر کتابیں نکال کر اُن کے حوالے کر دیں جو ہنوز خشک تھیں اور رقص و سرود کرتے ہوئے مسجد سے باہر آگئے اور طریقہ طاعتیہ اختیار کر لیا۔ داراشکوہ نے بھی انہیں ملامیوں کے گروہ کا لئے اکابر مشائخِ طریقت اس طریقہ کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں حضرت مخدوم سید علی جویری نے اپنی کتاب

کشف الجوب میں اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔

اول ایک شخص سیدھی راہ چلتا ہے۔ نیک نیتی سے اپنا کام کرتا ہے۔ احکام خداوندی بجا لاتا ہے۔ دینی مساعیات میں دین پروری کی رعایت کرتا ہے۔ اس پر لوگ اس کی ملامت کرتے ہیں مگر وہ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ایسے ہی مومنوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ یہ خاصانِ خدا ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کا علم بڑا وسیع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحبِ عزت ہو۔ اُس کی طبیعت اس کی طرف مگ جائے مگر وہ اپنا دل اُس طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور تکلف سے ایسا طریق اختیار کرے کہ جس سے لوگ متنفر ہو کر اس سے الگ ہو جائیں اور اسے برا بھلا کہنے لگیں لیکن شریعت کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

سرور لکھا ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد گوچر و بازار میں اسی طرح پھرتے۔ چادر اور کاسنیا، ہاتھ میں شراب کا پیالہ، سرور اور نغمہ چنگ و بباب تمام قیودِ شرعی سے آزاد ہیں طرف چاہتے، نکل جاتے۔ صاحبِ حقیقتہ الفقراء لکھتے ہیں، ایک روز اپنے دوستوں کی خواہش پر حسین (بقیہ صفحہ ۲۱۹)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کفر اور کفر ہی دامن گیر ہو جائے۔ اس سبب سے وہ شریعت کی متابعت ترک کر کے کفریہ ملامتی طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔ ہر حال میں اپنی رائے پر عمل کرے اور لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ کسی نام سے اُسے کہیں، وہ پروا نہ کرے۔ اس قسم کی ملامت ریاکاری ہے اور تارکِ فرض و ائمہ اسلام سے خارج ہے۔

شیخ حسین ملامتی طریقہ اختیار کرنے کے بعد ملامتِ شراب پیتے، گانا سنتے۔ طوائفیں ان کی مجلس میں آتیں اور رقص و سرود سے ان کی عقل کو گماتیں۔ شیخ حسین خود بھی اپنے محبوب و منظورِ نظر مادمو کے ساتھ رقص کرتے تھے اور داڑھی مونچھ منڈاتے تھے۔ ان کے مقلدِ نفسی بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ نماز روزہ کے ساتھ انہیں سروکار نہ تھا۔ جب تک کوئی شخص داڑھی مونچھ کا صنایا نہ کر دیتا اس وقت تک مرید نہ سمجھا جاتا۔ وہ اپنے مرید کو اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ دیتے۔ اگر وہ پی لیتا تو مریدوں میں سمجھا جاتا نہیں تو مجلس سے باہر نکال دیا جاتا۔ ان ظاہری بدعتوں اور خلافِ شریعت باتوں کے باوجود صاحبِ کرامت دلی سمجھے جاتے تھے، حالانکہ استقامت فوقِ اکرامت کے مسئلہ اصول کے مطابق استقامتِ دینی ہی دلی کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ ان خلافِ شریعت امور کے باوجود صاحبِ کرامت سمجھے جاتے تھے۔ حالانکہ کراماتِ جزوِ ولایت نہیں ہیں۔ دارالعلوم نے حسنتِ العارفین میں ان کی بڑی تعریف کی اور ایک دو کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے نیز اپنی تصنیفِ شلیات میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ شہزادہ سلیم لوراکر کی اکثر بیگمات شیخ کی عقیدت مند تھیں۔ سلیم نے خام کر ایک درباری بہارخان نامی کو مقرر کر رکھا تھا کہ وہ ان کا روزنامہ لکھتا رہے۔ یہ روزنامہ رسالہ بہاریہ کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ حسین کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ بھی دو کتابیں ہیں۔ رسالہ بہاریہ اور حقیقت الفقراء، رسالہ بہاریہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا اس کا مصنف غشی بہارخان ہے جسے جہانگیر نے شیخ حسین کے روزنامہ لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب حقیقت الفقراء ہے۔ یہ کتاب شیخ مادمو کے ایک مرید پیر محمد نے شاہ جہاں کے (باقی اگلے صفحہ پر)

دریائے راوی کی طرف سیر کو نکل گئے اور موضع منڈیا نوالہ پہنچے۔ وہاں کے زمیندار سردار بہادر خاں نے شیخ کے دوستوں کو پکڑ کر ایک جگہ بند کر دیا اور حسین سے کہا، میں انہیں اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک آپ بارش کے لیے دعا نہیں کریں گے۔ آپ نے بہادر خاں سے کہا:

و بقیہ ما شہدہ (۲۱۸)

عہد میں نظم میں لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں آجکل نایاب ہیں۔ شاید کسی صاحب کے نجی کتب خانہ میں ہوں مگر ان کے اقتباسات جو تذکروں میں لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں محض تعلیمی اور اعتقادی رنگ کی ہیں۔ خزینۃ الامنیاء میں بھی ان دونوں کتابوں کا ذکر اور اقتباس درج ہیں۔ شاید حضرت مفتی صاحب منفور کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہوں۔ کتاب دستت کا مقصد تزکیہ ظاہر و باطن ہے۔ ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباع کتاب دستت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے مکسال باہر ہے۔ کتے ہیں جب شیخ حسین کے مرشد حضرت شیخ بھلول کو حسین کی ان حرکات کا علم ہوا تو وہ لاہور تشریف لائے اور حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نمازی میں سارا قرآن ختم کرو۔ چنانچہ شیخ حسین نے نماز شروع کی اور جب الم نشرح تک صدک پر پہنچے تو بے اختیار نہیں پڑے اور نماز ختم کر دی۔ دارا شکوہ اس کی یہ تاویل کرتا ہے کہ شیخ حسین نے شاید اس سورہ پاک کا یہ مفہوم سمجھا تھا کہ آیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا اور تجھ پر وہم اور انانیت کا بار نہیں ڈالا جو تیری پشت کو پست کرتا ہے اور کیا ہم نے تجھ کو ذکر سے مذکور تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے برقا کے بعد بقا ہے اور بیشک جس کو ہم نے فنا بخشی اسے بقا دے کر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا پس جب تو نے انانیت اور ہستی مہوہم سے فراغت حاصل کر لی ہے تو ہماری ہستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جو ظاہر و باطن کا رب ہے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین پھر کبھی اپنے مرشد سے نہیں ملے۔ اس قسم کی ریکٹ تاویلات دارا شکوہ کے مرشد جناب ملا شاہ بخشانی اور ان کے دادا پیر حضرت میاں میر نے بھی بعض قرآنی آیات کے تعلق کی ہیں مثلاً **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَوَى** کی تفسیر کرتے ہوئے ملا شاہ بخشانی نمازی سے معافی حاصل کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں اُسے کسائیدہ ایان حقیقی آدرہ ایڈر نزدیک نماز نشوید در حالت سکوتی۔ مقید سکر حالت بلند تراست از نماز گزاراں۔ اگر مستی مجازی مست قریب نماز ممنوع است۔ تا نماز طوط نہ شود۔ دریں صورت عزت نماز مست و اگر سکر حقیقی مست باز ہم قریب نماز ممنوع است۔ دریں طور حجت سکر است۔ ملا شاہ بخشانی فرماتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

بہتر اگر تم میرے دوستوں کے لیے نانِ مرغن اور شیر و شکر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ میں برسوں کا
کیوں کر سیر کے وعدہ ان میں آپ کے دوستوں نے ان چیزوں کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔
بہادر خاں نے یہ تمام چیزیں مہیا کر دیں۔ شیخ اور اس کے دوستوں نے کھانے کے بعد دعا کی اسی

(بقیہ ماضیہ ص ۱۱)

جناب ملا شاہ کے مرشد گرامی حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ قُوبِہِمُ وَ عَلٰی
سَمِعِہِمُ وَ عَلٰی اَبْصَارِہِمُ غِشَاوًا وَ لَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ در حق
خاصاں ست۔ ختم ست برہما نے ایشاں کہ درول ایشاں غیر نیاید و چشم ایشاں غیر نہ بیند۔ و گوش ایشاں
غیر نشنود و مرا ایشاں لذت و حلاوت بسیارست الا ان کفر حسنت العارفين ص ۳۲ بحوالہ مقدمہ ص ۴۰۳
از دارا شکوہ۔ جناب ملا شاہ بدخشان مرشد دارا شکوہ کا ایک مشہور شعر ہے:

چنچ در پنچہ حسدا وارم

من چہ پر واسے مصطفیٰ وارم

اس پر علمائے کثیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہجہان بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی (مذکورہ اصلاح و اصلاح
ص ۲۵) ذہنی اور معتقدات کے لحاظ سے دارا شکوہ اس قسم کے اہمال و افعال کا سرمد تھا اسی لیے اپنی کتاب
حسنت العارفين یا شیطیات میں ان اقوال کی تائید و حمایت کرتا ہے۔ طو حضرت میاں میر کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا
اسی کتاب میں لکھا ہے: چو ایشاں در کوہ ہائے نوحی قصبہ باری حلاوت گزیدہ بودند من ایشاں را حضرت باری
تعالیٰ می گفتم: حسنت العارفين ص ۱۱ اسی رسالہ میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تمہید و
سرفت کے منازل اور مدارق طے کرتے ہوئے ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں ساکب شریعت و طریقت،
کفر و ایمان، خیر و شر سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے بے خودی کی حالت میں بعض کلمات
ایسے نیشی نکل جاتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کلمات کو قابلِ مواخذہ قرار
نہیں دیا جاسکتا۔ اسی کتاب کی تمہید میں لکھا ہے: وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات
بند حقائق نکل جاتے ہیں۔ جن کو سن کر پست فطرت، دل بہت اور زاہد خشک اپنی کوتاہ بینی سے تکفیر کے
فترے دیتے ہیں۔ اس تکفیر سے بچنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ مؤرخ اس سہد کے حالات و واقعات کا
(باقی اگلے صفحہ پر)

وقت بادل نمودار ہوا۔ مینہ برسا اور بارش سے زمینیں میراب ہو گئیں۔ روایت ہے ایک شخص حاجی یعقوب نامی مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ہمیشہ شیخ حسین کو روضہ نبوی میں معتکف دیکھتا۔ اس طرح وہ ان کا شناسا ہو گیا۔ ایک دفعہ وہ ہندوستان آیا۔ لاہور بھی پہنچا۔ بازار میں دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور شیخ شراب کے نشہ میں چور رقص کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اطمینان کے لیے لوگوں سے نام و نشان پوچھا۔ پاس جا کر دریافت کیا۔ یہ کیا حال ہے۔ شیخ نے کہا، آنکھیں بند کرو۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہی اپنے آپ کو مدینہ منورہ میں اور حسین کو روضہ نبوی میں معتکف پایا۔

نقل ہے۔ شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں ایک شخص حسین نامی ہے۔ جو ڈھول بج رہا ہے۔ سُرخ لباس پہنتا ہے۔ کھلے بندوں خلاف شریعت امور کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک حسین لڑکے کا دھوکا اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈھول کی آواز پر رقص کرتا ہے۔ اس کے باوجود باطنی ولایت کا دعویٰ دار بھی ہے۔ اکبر نے ملک علی کو توڑاں شہر کو حکم بھیجا کہ حسین کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ کو توڑاں کی تلاش کے باوجود حسین گرفتار نہ ہو سکے۔ ایک دن اتفاقاً حسین اور کو توڑاں کا بازار میں آنا سامنا ہو گیا

(بقیہ صفحہ ۲۲۰)

اگر پوری طرح جائزہ لیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جہاں ابری الماعوذہ زندہ کے استیصال کے لیے اس کے ہانشین جہانگیر سے مکرلی اور اسلام کو اُس کی اصلی حالت پر قائم رکھا وہاں ان غیر اسلامی نظریات و معتقدات کی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا جس کے سبب اس قسم کے بے قیود بے شرع ماہل صول ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے کتبوں میں جگہ جگہ اتباع کتاب و سنت کی تاکید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں جو چیز سنت کے خلاف ہے وہ بدعت ہے اور بدعت شیطان کی پسندیدہ ہے فرمایا، ہر بدعت سنت کو اٹھا دیتی ہے اس میں کسی بدعت کی کوئی تخصیص نہیں۔ لہذا ہر بدعت سید ہے اور شریعت کا اور مدار اتباع شریعت پر ہے۔ معاملہ نجات اتباع رسول سے وابستہ ہے اور اتباع رسول کے بغیر ہر شے غیر مقبول ہے۔ حتیٰ کہ زہد و تقویٰ و توکل بھی آپ کے بعد آپ کے فرزندوں اور خلفائے آپ کی تعلیمات پر پوری پوری استقامت فرمائی۔

اس نے حسین کو گرفتار کر لیا۔ اُس وقت کو تو ال ایک راتہرن عبداللہ بھٹی نامی کو پھانسی دے کر فارغ ہوا تھا۔ کو تو ال حسین کو جو زنجیر ڈالتا تھا وہ خود بخود ٹوٹ جاتی تھی۔ کو تو ال نے کہا حسین تو اپنے شعبدہ سے جو جی چاہے کر میں تیرے پاؤں میں میخ ٹھونک کر بادشاہ کے حضور پیش کروں گا۔ حسین نے کہا: میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے تیرے جسم میں میخیں ٹھونکی جائیں اور تو اسی صدمے سے مرے۔ اکر نے کو تو ال کو حکم بھیجا تھا کہ عبداللہ بھٹی پھانسی پانے کے وقت جو کلمات زبان سے نکالے وہ بلا کم و کاست لکھ کر بھیجے جائیں۔ چنانچہ کو تو ال نے من و عن وہی الفاظ دربار اکبری میں بھیج دیئے۔ اکبر وہ الفاظ پڑھ کر سخت غضب ناک ہوا کہ کو تو ال شہر کو اس طرح بوبو نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ اس نے یہ کلمات لکھ کر میری دل آزاری کی ہے۔ اس پاداش میں کو تو ال کو بھی عبداللہ بھٹی کی طرح پھانسی دی جائے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین کو اکبر کے سامنے پیش کیا گیا۔ حسین اسی طرح مست و غمور جام و صراحی ہاتھ میں لئے حاضر دربار ہوئے۔ اکر نے کہا تو سلسلہ قادریہ کا پیرو ہو کر یہ سے نوشی و امر و پرستی کیوں کرتا ہے۔ حسین نے اپنی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر اکبر کے سامنے پیش کیا اکر نے دیکھا تو دوسرا پیالہ سے بھرا ہوا تھا۔ دوسرا پیالہ پیش کیا تو وہ شربت سے پُر تھا۔ اسی طرح تیسرا پیالہ دودھ سے۔ اکر نہایت متعجب ہوا۔ بادشاہ نے بغرض امتحان جیل میں بھجوا دیا کہ اگر صاحب کرامت ہے تو زنداں میں نہیں رو سکتا چنانچہ اکبر جب شیخ حسین کو جیل بھجوا کر زمان خانہ میں گیا تو شیخ حسین کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا دیکھا۔ پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو حسین کو وہاں بھی موجود پایا۔ یہ دیکھ کر اکر نے شیخ کو رہا کر دیا۔

نقل ہے: جب اکر نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں برائے استدعا حاضر ہوا۔ شیخ نے کہا میں نے پانچ سو روپے کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ میں فروخت کر دیا۔ جاؤ مظفر و منصور ہو گے۔ اب کسی اور ولی سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ عبدالرحیم ٹھٹھ جاتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا اور شیخ کبیر بالا پیر سجاد و نشین بارگاہ کی خدمت میں ایک سو روپہ بطور نذر گزارا شیخ نے قبول نہ کیا فرمایا ملک ٹھٹھ تو پہلے ہی تجھے شیخ حسین دے چکے ہیں۔ اب نذر لینے کی کیا حاجت ہے۔ صاحب معارج الولاہیت لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پور

قاضی لاہور نے شیخ حسین کی شراب میں مرست ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا، سنت
سزائش کی۔ شیخ نے مخدوم الملک کے گھوڑے کی باگ تمام کرکھا، اسے قاضی ارکانِ اسلام پانچ میں
اول کلمہ توحید اور اقرار رسالت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس میں ہم دونوں شریک ہیں
میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور توجہ و زکوٰۃ کا۔ تعزیر صرف مجھ پر ہی نہیں تجھ پر بھی ہے۔ مخدوم الملک
یہ سن کر بنسا اور چل دیا۔

صاحبِ حقیقتہ الفقراء بکھتے ہیں کہ شیخ حسین کے مریدوں ہزار کے قریب تھے جو ان کے ذریعے
سے کامل و اکمل ہوئے۔ بعض نے شیخ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار لکھی ہے۔ ان میں
سولہ خلفاء زیادہ مشہور ہوئے ہیں، جن کے مختلف خطابات تھے۔ ان میں سے چار کا خطاب
غریب ہے، چار کا دیوان، چار کا خانی اور چار کا بلاول۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا شاہ غریب: ان کا مزار موضع رتی ٹھٹھہ وزیر آباد کے قریب ہے۔
دوسرا شاہ غریب: موضع منگو والی تحصیل وزیر آباد۔
تیسرا شاہ غریب، مقام اچلا پور کن
چوتھا شاہ غریب، بزاروی۔ اس کا مزار آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان :-

پہلا دیوان مادھو
دوسرا دیوان گورکھ لاہور۔ اس کا مزار آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں ہے۔
تیسرا دیوان بخش مقام بیجا پور
چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مدفون ہے۔

چار خاکی :-

پہلا سولائش خاکی
دوم خاکی شاہ لاہور۔ ان کا مزار آپ کے مزار کے قرب و جوار میں ہے۔
سوم خاکی شاہ وزیر آباد
چہارم حیدر بخش خاکی۔ جن کا مزار کن میں ہے۔

چار بلاول؛

اول شاہ رنگ بلاول

دوم بدھو بلاول

سوم شاہ بلاول

ان تینوں کے مزار شیخ حسین کے مزار کے قرب و جوار میں ہیں۔

چارم شاہ بلاول دکن میں مدفون ہیں۔

شیخ حسینؒ ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بعد اکبروفات پائی۔ شیخ حسین پنجابی پراکت کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی کافیاں مشہور ہیں۔ ان کے ذکرہ بالا

لے عزیز القدر جناب محمد اقبال مجددی نے شاہ حسین کی ایک نامعلوم تصنیف رسالہ "تہنیت" سے متاثر کر لیا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کا ایک غیر معروف رسالہ "تہنیت" کے زیر عنوان مع مقدمہ مجددی صاحب مجلہ سارف انٹیم گڈ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجددی صاحب کے مقدمہ کی غلطیوں درج ذیل ہیں، جو شاہ حسین کے بارے میں ایک نیا انداز فکر دے گی:

• شاہ حسین کی زندگی کے قحطی تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کئے ہیں۔ لیکن شاہ حسین نے آخر عمر میں تمام خلاف شرع حرکات ترک کر دی تھیں اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے لگے تھے۔ سارح الاولایت میں ہے: "وگرنہ وقتے کہ وفات او نزدیک رسید ہر امور بنا مشرورہ راترک نمودہ وہ نماز و روزہ مشغول گشت" گشتند دیرین حکمت چہیت؛ فرمود بیٹے می روم کہ آن را در زیدہ و ساکنان آن موضع معرفت حاصل نہ گردانیدہ، فی وائم تا حال من چہ خوب شد، در ہیں حال بر حمت حق چوست رحمت اللہ علیہ" (سارح الاولایت خلی نسخہ و تجریدہ پر دفتر میراج الدین آذر کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، ورق ۵۱۹ ب) حقیقت القراء ج ۱، ۱۰۱ء کی تصنیف ہے کی روایت کے مطابق شاہ حسین کا انتقال مجاہدی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ مگر مفتاح الساریین (قلمی) مولانا عبدالقادر بن محمد نعمان (تصنیف بعد ۱۰۰۹ھ میں سال وفات ۱۰۱۳ھ لکھا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک صرف کافیاں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور کافیوں کے قدیم و جدید ایڈیشن تحریر سے خالی نہیں ہیں۔ خوش قسمتی سے شاہ حسین کا رسالہ "تہنیت" (فارسی) دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ سات فصلوں پر مشتمل ہے۔ مسائل علمی تصوف سے

(بال اگلے صفحہ پر)

خلفاء میں سے مادحو زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قوم کے برہمی تھے۔ شاہدہ میں رہتے تھے۔ حسین و جہیل تھے۔ شیخ حسین کے منظور نظر تھے اور انہی کی رغبت سے مسلمان ہوئے تھے۔ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔ ۹۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ء میں شاہ جہان کے عہد میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

طالب عشق و عاشق جانباز	ماہِ عالم حسین نور العین
گشت پیدا انیسویں شرمست	سالِ تولید او بہ زینت و زین
گفت سرور محقق شرمست	سالِ ترحیلِ آں مشہر کونین!

(بقیہ ماحشیہ ص ۱۲۴)

متعلق ہیں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین فی الواقع ذی علم اور راسخ عقیدہ مسلمان تھے لوگوں نے ان کی طرف فرضی حکایات منسوب کر رکھی تھیں اور بڑے بڑے علماء ان حکایات کو سن چکے تھے۔ چنانچہ عبداللہ خلیلی قصوری نے اخبار لاویا خلی (تصفیہ، ۱۰۰۰ھ) میں حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (متوفی ۱۰۴۰ھ) کا قول نقل کیا ہے:

”اگر بچے علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور شاہ حسین لاہوری کے مزار پر جاتا اور راستہ اور کربلا“ حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری کا شاہ حسین سے اظہارِ ارادت اور مزار پر حاضری و استمداد کی خواہش کا اظہار اس امر کا بین ثبوت ہے کہ ان کی طرف منسوب حکایات محض پاور ہوا ہیں۔ راقم الحروف کو رسالہ تنقیح کا خلی نسخہ مولانا سید خربین احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہ العالی (ساکن ساہن پال ضلع گجرات) کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔ اصل رسالہ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہر معارف انظم گڈھ بابت اگست ۱۹۶۰ء۔

۹۰۔ حضرت شیخ حسین قادری حقیقی قدس سرہ

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی کے بلند مرتبہ مرید تھے۔ صاحب اخبار والا خیار
مکنتے ہیں؛ عجیب و غریب حالت و ہمت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کشتی میں دریائے زبرد سے گزر رہے تھے
سنا کہ دریا کے ایک کنارے جنگل میں شیر رہتا ہے، کوئی شخص خون کے مارے اُس طرف سے
نہیں گزرتا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اس کنارے پر اترے۔ ایک چھری لی اور جنگل میں جا کر اُس
شیر کو ہلاک کر دیا۔

نقل ہے، ایک شخص بلند جگر پر جس کے نیچے پانی تھا ناز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ سو اس
کی وجہ سے نیتِ نماز کے الفاظ بار بار دُہراتا تھا۔ حاضرینِ مجلس پر یہ تکرار نہایت گراں گزری۔ آپ نے
اٹھ کر غصے سے اس کے سینے پر ہاتھ مارا وہ پانی میں گر پڑا جو اس بلندی کے نیچے بہ رہا تھا۔ اس کے
بعد اس کے دل میں کوئی وسوسا پیدا نہ ہوا۔ بقول صاحبِ شجرہ چشتیہ ۱۲-۱۱ میں بعد اکبر
وفات پائی۔

قطعہ تاریخ وفات؛

حسین آن محسن و احسن حسن پیرا ! ولی دو جہاں شیخ زمانہ !!
چراز دنیا بفرود کس بریں رفت و مالش شد عیاں شیخ زمانہ
۱۰۱۳ھ

۹۱۔ حضرت شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری قدس سرہ

حضرت شیخ محمد المعروف بریاں میر قدس سرہ کے بزرگ ترین خلفائے تھے۔ سب سے
پہلے آپ ہی نے حضرت میاں میر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ زہد و ورع، تقویٰ و عبادت میں مشہور
زمانہ اور صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ صاحبِ سکنۃ الاولیاء رقم طراز ہے
کہ ایک روز ایک تاجر شخص اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ
میں نے اپنے لڑکے کو زبردستی کے ساتھ بغرض تجارت باہر روانہ کیا تھا۔ اب یہ واپس آکر

marfat.com

Marfat.com

کہتا ہے کہ راستے میں رہنروں نے مجھے ٹوٹ لیا ہے۔ میں اس معاملے میں سخت حیران ہوں۔
 توجہ فرمائیے آپ نے لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے باپ سے جھوٹ کیوں کہتا ہے۔ کیا
 تو نے فلاں جگر روپیہ دفن نہیں کیا۔ جا اور وہ روپیہ لاکرا اپنے باپ کو دے۔ لاکا آپ کا یہ حکم سنتے ہی
 قدموں پر گر پڑا۔ معذرت خواہ ہوا اور روپیہ لاکرا اپنے باپ کے حوالے کیا۔
 نقل ہے، ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ایک بڑی خوبصورت
 کنیز تھی۔ چند روز ہونے وہ بھاگ گئی ہے۔ توجہ فرمائیے کہ لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا: تم آج ہی
 فلاں جگر پر جا بیٹھو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُدھر سے ایک بیل گاڑی گزرے گی اسے ٹھہرا کر کہنا اس میں
 میری کنیز ہے وہ باہر آ جائے۔ چنانچہ اس شخص نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور اپنی
 کنیز کو پایا۔

قبول صاحب سکینۃ الاولیاء ۱۰۱۷ھ میں بعد جہانگیر وفات پائی۔

چو از دنیا بفرود کس بریں رفت جناب نعمت اللہ شاہ ذی جاہ
 دسال دوست مابد نعمت فقر دوبارا میر عالم نعمت اللہ
 ۱۰۱۶ھ

۹۲۔ حضرت شاہ بدگیلانی قدس سرہ

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولادِ امجاد سے تھے۔ بعد اکبر لاہور تشریف لائے۔
 کلاوتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ لاہور و پنجاب کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت آپ کے
 صلہ ارادت میں داخل ہوئی۔ ۱۰۱۸ھ میں بہ زمانہ جہانگیر وفات پائی۔ مزار موضع ستانیان علاقہ
 پیالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں بد الدین از دنیا ئے فانی ظفرور زید و شد روشن بخت
 رقم کن فضل حق یا شیخ حق سال در گستید ولی بدر اکرامت
 ۱۰۱۸ھ ۱۰۱۹ھ

۹۳۔ حضرت شاہ شمس الدین قادری قدس سرہ

شیخ ابواسحاق قادری لاہوری کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ ماریت کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ سماع اور کشف و کرامت سے محرز رہتے تھے۔ طالبان علم و ہدایت کی ایک کثیر جماعت نے آپ سے استفادہ کیا۔ جائزہ آپ کا بڑا گرویدہ و معتقد تھا اور آپ کے برہم کی تعمیل اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ شاہ جہاں ایام شہزادگی میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ نے اسے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم جائزہ کے بعد بادشاہ ہو گے۔ ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت شاہ بلاول قادری آپ کے بزرگ ترین خلیفہ تھے۔ مدفن لاہور میں ہے۔

جلوہ گردش چو باوج ہفت چرخ روح شمس الدین ولی با صفا
سال ترحیلش جہاں شد از خود یاد ہی محبوب شمس الاتقیاء

۹۴۔ سید جیون المشہور سید عبدالقادر ثالث گیلانی قدس سرہ

ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والد ماجد سید محمد غوث بالاپیر شگرہ سے پائی تھی۔ اپنے زمانے کے شیخ بزرگ، زاہد و عابد اور عالم و فاضل تھے۔ اپنے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے باعث سید عبدالقادر ثالث مشہور تھے۔ پندرہ سال کی وفات کے بعد یارِ ہند کی سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ اور اس دوران میں ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ پھر ہر آئے اور محلہ لنگرہاں بلوچ میں سکونت اختیار کی اور ایک محلہ بنام رسول پور آباد کیا۔ یہیں ۱۰۶۲ھ میں وفات پائی۔ مزار احاطہ روضہ شاہ چراغ گیلانی لاہوری میں ہے۔

عبد قادر چو شد زوار فنا یافت از حق بکسبہ والا جاہ
فیض اسلام گو بتار بخشش ہم نخواستہ اہل حسد

۹۵۔ حضرت سید خیر الدین ابو المعالی قادری کرمانی قدس سرہ

سید خیر الدین نام، ابو المعالی خطاب، والد کا نام سید رحمت اللہ بن سید فتح اللہ تھا۔
 حضرت شیخ واڈو چلی وال خیر گرامی کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ خدمتِ مرشد میں
 حاضرہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور تیس سال سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ خرقہٴ خلافت سے
 سرفراز ہو کر مرشد کے حکم کے مطابق لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی تیمم
 کرتے چاہ و باغیچہ اور تالاب تعمیر کراتے۔ آپ کی یہ یادگار عمارتیں شاہ ابو المعالی کے جھوک کے
 نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک خلقِ کثیر
 آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو کر علم و ہدایت سے بہرہ ور ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
 غوث الاعظم کے اویسی تھے۔ آپ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ جو شخص حلقہٴ ارادت میں داخل
 ہوتا تھا اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظم کے دیدار سے مشرف ہوتا تھا۔ محمد دار الشکوہ صاحب
 سفینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ مارف حق آگاہ حضرت ملا شاہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم
 اپنے استاد نعمت اللہ کے ہمراہ جو عالم باعمل تھے آپ کی زیارت کو گئے۔ ہم سب حاضر خدمت کیے۔
 ایک شخص تسبیح شاہ صاحب کے لئے لایا۔ آپ نے وہ قبول فرمائی اور اپنے سامنے رکھ دی۔
 میرے دل میں گزرا اگر آپ کو کشفِ قلوب حاصل ہے تو یہ تسبیح مجھے عنایت فرمادیں۔ جب
 میں رخصت کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ فرمایا: اپنے حسبِ مدعا یہ
 تسبیح لے لو۔ اگر ہو سکے تو سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرنا۔ تمہیں اور لانے والے دونوں کو
 ثواب ہوگا۔

صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں۔ ان نعمت اللہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے دل
 میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث الاعظم سے ارادت و عقیدت رکھتا ہوں۔ یقیناً وہ بھی میری اس
 ارادت مندی سے آگاہ ہوں گے جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں مغرب میں ہوں اور میرا مرید
 ننگے سر مشرق میں ہو تو میں اس کی سر پوشی کروں گا۔ حیرت کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی
 کام کے نیلے پریشان و عاجز ہوں، سر ٹنگا ہے۔ اسی وقت حضرت غوث الثقلین تشریف لائے

اور ایک سفید پگڑی مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ پگڑی لے لو۔ ہم تیرے اس حال سے
خبردار تھے کہ تو نئے سر کھڑا ہے۔ لہذا ہم نے چاہا کہ تیرا سر ڈھانپ دیں۔ صبح مجھے حضرت شاہ ابراہیم المعالی
نے اپنے پاس بلایا اور سفید دستار مجھے عنایت کرنے فرمایا: یہ وہی دستار ہے جو رات کو
حضرت خوٹا اعظم نے تجھے دی ہے۔

حضرت شاہ ابراہیم المعالی کی ولادت بروز دو شنبہ ۱۰ ذی الحجہ ۹۶۰ھ ہے۔ ۱۹ ربیع الاول
۱۰۲۴ھ کو بعد جہانگیر وفات پائی۔ روضہ لاہور بیرون موچی دروازہ زیارت گاہِ خلقی ہے۔
دونوں عیدوں کے دن خلقی کثیر آپ کے روضہ پر آتی ہے۔

آپ صاحب تصانیف تھے۔ تحفہ قادریہ حضرت خوٹا اعظم کے مناقب میں آپ کی
مشہور تصنیف ہے۔ علیہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیوان اشعار بھی آپ کی قابلِ قدر
تصانیف ہیں۔ اپنا مقبرہ اپنی زندگی ہی میں بنانا شروع کیا تھا کہ ۱۰۲۴ھ میں دائمی اجل کو لیکر
کہ گئے۔ باقی حصہ آپ کے فرزند ابی بکر نے مکمل کیا۔

ابراہیم خیر دین احمدی آنکہ شد پُر نور زو روئے زمین
خیر دین موئی است تولیدش میاں رطقتش مندا مثل خیر دین
۹۶۰ھ ۹۶۰ھ

۹۶۔ میاں نتھا قادری قدس سرہ

حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری کے خاص الخامس مرید تھے۔ تمام علم مرشد گرامی ہی کی
خدمت میں بسر کی۔ حضرت شیخ کسی دوست و مرید کو رات کے وقت سوائے میاں نتھا کے اپنے
باس نہ رکھتے تھے۔ میاں نتھا پر حالت استغراق و بے خودی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ دنیا و مافیہا کی
کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ روایت ہے ایک درویش جو پورے سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا۔ میاں نتھا
نے اس سے پوچھا، کون جو، کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا، میں جو پورے سے آپ کی
ملاقات کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ کے نام و عرف اور حسب و نسب سے آگاہی حاصل کروں۔
میاں نتھا نے کہا: میرا نام نتھا ہے۔ قوم کا پراچہ کنجد کش ہوں۔ حضرت میاں میر کا کترین خادم ہوں۔

میرا حال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالمِ جبروت و ملکوت و لاہوت کی کنجیاں مجھے عطا کر دی ہیں۔ جس وقت چاہتا ہوں عالمِ ملکوت و عالمِ جبروت و عالمِ لاہوت کا دروازہ کھول کر داخل ہو جاتا ہوں۔

شہزادہ محمد داراشکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں رقم طراز ہیں کہ نباتات و عبادات تک میاں نما سے ہم سخن ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز میاں نما ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ ایک درخت سے آواز آئی، اگر تپسی کو چرخ دے کر اس پر میرے پتے ڈالے جائیں تو وہ چاندی ہو جائے گی۔

میاں نما نے یہ سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ آگے بڑھے تو دوسرے درخت نے آواز آئی، اگر نما کو چرخ دے کر میری تھوڑی سی کلڑی اس میں ڈالی جائے تو زہ خالص بن جائے گا۔ میاں نما اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے اور آگے بڑھ گئے اور ایک گنبد میں سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو گنبد سے آواز آئی: ذرا ٹھہریے۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں یہی گنبد ہوں جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو روکنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش آرہی ہے۔ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ ذرا تم لے تو جائیں۔ چنانچہ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بارش ہونی شروع ہو گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز میاں نما نے راستے میں ایک مرے ہوئے چوہے کو دیکھا، جس کا گوشت ہر دست بھی گل شرچکا تھا۔ آپ کی نظر جو نہی اس پر پڑی تو کہا، ارے تو راستے میں اس حالت میں کیوں پڑا ہے۔ اپنے سوراخ میں کیوں نہیں جاتا۔ چوہا اسی وقت زندہ ہو کر اپنے سوراخ میں چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز میاں نما خدمتِ مرشد میں حاضر تھے۔ شیخ نے پوچھا، کیوں بھی میاں نما آج کس طرف جا کر مشغول ذکر حق ہوئے۔ عرض کیا، حضرت پہلے تو موضع اچھوہ کے گرد و نواح لے عالمِ فرشتگان و عالمِ منیٰ اسی کو عالمِ قیب و عالمِ ارواح بھی کہتے ہیں نیز طاعت بے قصور حسبے فتور۔ مقام عبادتِ فرشتگان ہے۔ مہ غلت و بزرگی، اسائے صفات الہی، مرتبہ وحدت و حقیقتِ محمدی۔

ع۔ عالمِ ذات۔ اسی مقام پر سائک کو فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔

تہ۔ ۵۲۔ اہمیں کھس گئی۔ اس میں داراشکوہ نے اپنے پیر ملا شاد بخشانی کے مرشد حضرت میاں میر کے حالات و طغوظات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔ داراشکوہ کی دوسری قابل قدر تالیف سفینۃ الاولیاء ہے اس میں قریباً چار سو سے کچھ اور چیزیں درج ہیں۔

میں مشغول ذکر و فکر تھا مگر وہاں کے درخت تیسح سبحان اللہ والحمد للہ بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ ان کے ذکر سے میرے اشغال میں خلل پڑتا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر محلہ خلیفہ خبیذ کے ایک گوشے میں ہا بیٹھا وہاں سکون کے ساتھ مشغول ذکر و فکر ہو گیا۔ حضرت شیخ میاں نتھاکاکی یہ بات سن کر تبسم ہوئے اور فرمایا، سبحان اللہ اس لڑکے کا معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے اور کیسی کیسی بلندیاتیں کرتا ہے۔

نقل ہے ایک روز میاں نتھا، ملا محمد سیالکوٹی اور حضرت شیخ میاں میر حجرے کے باہر سایہ دیوار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک بارش آگئی اور ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا، اب ناچار یہاں سے اٹھنا ہی پڑے گا۔ میاں نتھا نے عرض کیا، حضور فرمائیں تو ابھی اس بار باراں کو ٹٹا دوں۔ حضرت شیخ نے برہم ہو کر فرمایا، اچھا تو اب اظہارِ کرامت اور خود فروری بھی کرتا ہے۔ جیسا کہ وہاں سے اٹھ کر حجرے میں جانا ہی پڑے گا۔ بجلا حجرے میں بیٹھنے میں کون سا نقصان ہے کہ ہم کارِ الہی میں دخل دیں۔ فعل المحمود محمود۔

باوجودیکہ میاں نتھا محض ان پڑھ تھے مگر مرشد کے فیض نظر سے علوم ظاہر و باطنی ان پر مکشوف تھے۔ ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کی خبر سن کر حضرت شیخ نے باچشمِ پرہیز فرمایا، فقیر خانہ کی رونق میاں نتھالے گئے اور آخری وقت اپنے خدام سے وصیت فرمائی کہ جہاں میاں نتھا مدفون ہے مجھے اس کے قریب دفن کیا جائے۔

حضرت نتھا کہ ولی خداست عارف حق واقع علم الیقین
زعاشق مستانہ بجز جلتش نیز محبوب بہشت ہیں

۱۰۲۰ھ

۱۰۲۰ھ

۹۷۔ حاجی مصطفیٰ سرہندی قدس سرہ

حضرت شیخ محمد میاں نیز بالا پیر کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ زاہد و عابد اور قاصح حرص و آز تھے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالت جذب و سکر طاری رہتی تھی۔

نقل ہے، آپ ایک دفعہ امام جماعت ہوئے۔ حالت رکوع میں ایسے استغراق

میں گئے کہ وہ یہ تک مرنا اٹھایا۔ معتقدیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی اپنی نماز ادا کی۔ آپ اس حالت میں سات روز تک مستغرق رہے۔ ۱۴۔ ماہِ صفر بروز چہار شنبہ ۱۰۲۹ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

چوں مصطفیٰ بفضلِ ربّانی شد ز دنیا بھنتِ اعلیٰ
مصطفیٰ متقیٰ اعبد پیر گو بہ تر حیلِ آن شہِ والا

۹۸۔ سید عبدالوہاب گیلانی قدس سرہ

ساداتِ عظام اور ادیبانے ذواکرام سے تھے۔ تعلیم و تربیت حضرت سید عبدالقادر ثمالی گیلانی بن سید محمد غوث بالا پیر سے پائی تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو کر آپ کی تلقین و ہدایت سے فیض یاب ہوئی۔ ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی۔

عبدالوہاب چوں بفضلِ الحق رفت آخند بھنتِ الاعلیٰ
حلقش گو امامِ دینِ فیاض افضل و سید و ولیٰ فرما

۹۹۔ حضرت شیخ عبداللہ تہمی قدس سرہ

ساداتِ گیلانی میں سے تھے۔ والد کا نام عمر بن سید حسن ہے۔ سلسلہ نسب پارہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک منتهی ہوتا ہے۔ خرقہٴ خلافت دست بدست اپنے آبا و اجداد سے پہنچا ہے۔ پندرہ سال کے تھے کہ بہ اشارہٴ ربّانی ہندوستان تشریف لائے اور موضعِ تہمہ میں سکونت اختیار کی۔ دیارِ ہند کے اکثر مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ علومِ ظاہرہ باطن میں درجہٴ کمال حاصل تھا۔ مریدوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ہمیشہ یادِ حق اور مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ چور اگر آپ کے گھر آجاتا یا وہ اندھا ہوجاتا یا مردہ پایا جاتا۔ بلکہ جس گاؤں میں آپ نے تہمدہی کے منافات میں ایک چھوٹا سا موضع ہے (سفینۃ الاولیاء) لکھنے لکھنے کے نزدیک بہت تعجب کی وجہ سے آپ کو بتی لکھتے ہیں۔

رہتے تھے وہاں کوئی چور آنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو برس کی عمر میں ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی۔

شد زونیا چو در بہشت بریں شیخ با اختصاص عبد اللہ
ہست وصلش امام دین فیاض نیز صدیق خاص عبد اللہ

۱۰۰۔ ملا حامد قادری قدس سرہ

جامع علوم ظاہر و باطن اور واقف رموز طریقت و حقیقت تھے۔ قرآن خوانی میں اپنا ثنائی نہ رکھتے تھے۔ شروع شروع میں حضرت شیخ محمد میاں میر کے فضل و کمال کے منکر تھے۔ پھر ان کی روحانی کشش سے حاضر خدمت ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت و ریاضت میں بہ تن مشغول ہو گئے اور کمالات و ولایت بڑی جلد حاصل کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں عالم ملکوت کے اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ ۱۰۴۴ھ میں وفات پائی۔ مرقد مرشد کے روضہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

جناب شیخ حامد پیر حق ہیں!! مشر دین پیشوائے اہل جنت
چو تاریخ و سال او بستم عیاں شد مقتدائے اہل جنت

۱۰۱۔ حضرت شیخ محمد میر المعروف بمیاں میر بالا پیر قادری لاہوری قدس سرہ

شیخ محمد میر نام، میاں میر عوف، والد کا نام قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر تھا۔ سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ملتی جلتی ہے۔ ۱۰۹۵ھ میں شہر سیوستان میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس ہی کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بارہ برس تک والد ماجد کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلہ قادریہ کی تلقین بھی محترمہ والدہ صاحبہ ہی سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور ہمیشہ اپنے وقت کی عرفا سے تھیں۔ والدہ ہی کی فیض صحبت سے عالم ملکوت کے کشف کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد

حضرت شیخ خضر سیستانی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد فرقہٴ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمودہ مرشد کے مطابق لاہور آکر اقامت پذیر ہو گئے۔ جس وقت آپ لاہور تشریف لائے مگر شریف پھیس برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبولِ خاص و عام کر دیا۔ آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقعہً اسرارِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں یکساں روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ، فقر و فنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں متاثر و رجا رکھتے تھے۔ عابدِ شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ جس دم کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی سانس میں صبح کر دیتے تھے جب حالتِ استغراق زیادہ بڑھ جاتی تو ایک ایک ماہ کے بعد افطار کرتے تھے۔ آپ سے بے شمار خواتق و کرامات صادر ہوئیں۔ حضرت غوث الاعظم کے لویسی تھے۔ آپ کا نام بے وضو نہ لیتے تھے۔ سلاطینِ زمانہ آپ سے ملاقات کرنا اور آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا فخر و سعادت سمجھتے تھے۔

۱۔ جنائز نے اپنی توزک میں اور ملا عبد الحمید لاہوری صاحب شاہ جہان نامہ نے اکثر جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ جنائز توزک میں ایک جگہ لکھا ہے: شیخ محمد میر لاہوری عرف میاں میر سے ان کے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی لیکن میں اس زمانے میں آگرے میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور نہیں جاسکتا تھا۔ لہذا اپنی حکومت کے چودھویں سال ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے منظور کیا۔ ملاقات کے بعد آپ کے اخلاق اور وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہوا لکھا ہے کہ روحانی پاکیزگی اور صفا و قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانے میں لامتناہی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ نقد روپے بطور نذرانہ پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی انہیں خواہش نہ تھی اس لئے مجھے بھی جرات نہ ہو سکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے سفید برقع کے چڑے کا مصلیٰ ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انہوں نے قبول فرمایا اور تھوڑے دنوں بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ میں نے خدمت کی درخواست کی۔ فرمایا، بس خدمت یہی ہے مجھے پھر آنے کی تکلیف نہ دینا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہزادہ محمد داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت میاں میر کے بھائی وطن سے تشریف لائے، کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بڑے پریشان خاطر ہوئے۔ بھائی کو حجرے میں بٹھایا اور باغ کو گئے۔ وضو کیا، دو گانہ نماز نفل ادا کی اور اللہ کے حضور دعا مانگی کہ اے باری تعالیٰ تیرے سوا میرا کوئی بارودگا، نہیں ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرے پاس کوئی شے نہیں ہے جس سے میں اپنے مہمان کی تواضع کر سکوں۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے حجرے آکر کہا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے اور انتظار کر رہا ہے۔ جلدی تشریف لائیے۔ جب آپ گھر پہنچے تو نووارد نے خوانِ طعام پیش کیا اور کہا: جس سے یہ کھانا مانگا گیا ہے اسی نے یہ نقد بھی بھیجا ہے اور کہا ہے اگر کچھ اور درکار ہو تو کھٹے تاکہ پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اسی وقت دو گانہ شکر ادا کیا اور مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ہارسیا آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور ایسی زبان میں گفتگو کی کہ جسے اور کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر تین بار آپ کے گرد طواف کر کے لوٹ گیا۔ حاضرین کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا، سانپ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

طا عبد الحمید شاہجہان نامہ میں لکھتے ہیں، ایک مرتبہ شاہجہان لاہور آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر و نیاز منظور نہیں کیا کرتے اس لیے ایک قبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بے شمار دعائیں لیں۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ میں نے صرف دو صوفی ایسے دیکھے ہیں جو علم انبیاء کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر صاحب اور دوسرے محمد نفل اللہ بہاری۔ شاہجہان اپنے دور حکومت میں دو دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک دفعہ کثیر مانتے ہوئے اور دوسری دفعہ کثیر سے واپسی پر۔

داراشکوہ بھی اپنی کتاب سکینۃ الادیار میں جہانگیر سے آپ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

جہانگیر آپ کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے منع فرمایا۔

حضرت غازی المعروف حضرت ایشاں التوفیٰ ۱۰۵۲ھ آپ کے مبعوث تھے۔ ان مسائل میں آپ کا تعلق تھا

کہتے رہتے تھے خاص کر سلسلہ وحدت جو پر حضرت ایشاں وحدت وجودی یعنی ہر اوست کے قائل نہیں تھے۔ جو شمس ہنگا

قائل ہوتا تھا اس کی سخت سزائیں کرتے تھے اس مسکن میں آپ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی التوفیٰ ۱۰۳۳ھ کے

ہم مشرب تھے یعنی ہر اوست کے قائل تھے۔ (مترجم)

کتا تھا کہ میں نے عہد باندھا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو تین بار آپ کا طواف کروں گا۔ میں نے اجازت دے دی اور وہ طواف کر کے چلا گیا۔

ایک روز آپ میرزین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے ایک فاختہ نے بڑے پُرسوز لہجے میں گوگو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شکاری آیا اور اس نے اسے ایک ڈھیلہ مارا جس کی جھٹ سے وہ گر کر مر گئی اور شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر پھینک دیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس فاختہ کو اٹھا لاؤ۔ وہ اٹھا لایا آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ اسی وقت زندہ ہو گئی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر اسی انداز میں گوگو کرنا شروع کیا۔ شکاری اس کی آواز سن کر لوٹا اور اسے پھر نشانہ بنانا چاہا۔ آپ نے شکاری کو روکا مگر وہ باز آیا۔ وہ اسے نشانہ بنانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ میں سمیت درو پیدا ہوا اور زمین پر گر کر ترپنے لگا۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے بے دردی اسی بے دردی کا نتیجہ ہے جو تو نے فاختہ پر روار کھا۔ وہ اٹھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے درگزر فرمایا اور وہ شکاری حلقہ ارادت میں داخل ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا، میرا لڑکا بیمار ہے اس کے لیے دوائے صحت فرمائیے۔ آپ نے کوزہ میں پانی دم کر کے دیا کہ اپنے بیٹے کو پلاٹے جس کے پینے سے وہ صحتیاب ہو گیا۔

اسی طرح ایک شخص کو لائے اور عرض کیا: حضور یہ گونگا ہے بات نہیں کرتا۔ تو جب فرمائیے کہ یہ بولنے لگے۔

آپ نے لڑکے سے فرمایا: پڑھ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا اور بولنے لگ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے وہ رومال جس سے دھو کر کے منہ پونچتے تھے اپنے ایک خادم کو عطا فرمایا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ گھر میں جو کوئی بیمار ہو اس کے سر پر باندھ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا یاب ہو گا۔ خادم نے اس رومال کو بڑا نفع رساں پایا بلکہ اس سے آسیب زدہ بھی اچھا ہوتا تھا۔

ایک دن آپ باغ میں تشریف لے گئے اور سرد کے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ
 کرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے ذکر پر مامور ہے۔ درخت نے جواب دیا: اسم یا تافیح پر۔
 ایک روز آپ کی مجلس میں ایک مغل برہنہ سرد برہنہ پاؤں بیٹھ گیا۔ اس کے بدن پر
 صوف ایک تہ بند تھا۔ اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا پچیس روپے تذر گزارنے جو آپ نے خلافت
 معمول قبول فرمائے اور یہ رقم اس مغل زادہ کو دے دی اور فرمایا کہ گھوڑا خرید لو اور فلاں شہزاد
 کے پاس چلے جاؤ ملازمت مل جائے گی۔ یہ دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بڑا برہم ہوا
 اور کہنے لگا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی شخص کو ساری کی ساری رقم دے دی جائے
 حالانکہ اس میں دوسرے درویشوں کا بھی حق تھا۔ چنانچہ وہ اسی قسم کی بیوہ باتیں بکتا ہوا
 چلا گیا۔ آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس شخص کی کمر میں ایک سو بائیس روپے
 آٹھ آنے بندھے ہوئے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مستحق قرار دیتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے
 چاہا ہے کہ اس کا روپیہ تلف ہو جائے اور یہ اسی روپے کے غم میں مر جائے۔ چنانچہ وہ حریص
 و بدگلام شخص ایک غسل خانے میں نہانے کے لئے گیا۔ کمر سے تھیل کو کھول کر رکھ دیا مگر جاتے ہوئے
 اٹھاتا بھول گیا۔ وہ تھیلی کسی اور شخص کے ہاتھ میں آگئی جسے وہ اٹھا کر لے گیا۔ اس زبان دراز
 کو جب اپنی تھیلی یاد آئی تو رونا پینا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تیری
 وہ تھیلی فلاں درویش کے پاس ہے اور وہ اس وقت کشتی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے
 جا کر لے لے۔ وہ اس درویش کے پاس پہنچا اس نے وہ تھیلی خود ہی اس کے حوالے کر دی مگر
 یہ اس صدمے سے بیمار ہو چکا تھا آخر مر گیا۔ اس کا مال دو خادم بانٹنے لگے۔ ایک تیسرا شخص
 انہیں دیکھ رہا تھا اس نے ان دونوں کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے دونوں ہلاک ہو گئے۔
 اور تیسرا قتل ناحق کی پاداش میں مارا گیا اور نجیل کا مال کسی کے کام نہ آیا۔

حضرت کا ایک خادم نور نامی بیان کرتا ہے کہ ایک رات حضرت جبرے کے اوپر
 تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ پانی کا گوزہ، پٹکھا اور نعلین وہاں رکھ دوں۔ میں پٹکھا اور
 نعلین تو وہاں رکھ گیا مگر پانی رکھنا بھول گیا۔ رات کے ایک حصے میں میں بیدار ہوا اور گوزہ
 اب رکھنا مجھے یاد آیا۔ میں جلدی سے اٹھا، گوزہ سہرا اور وہاں رکھنے کے لئے گیا مگر آپ کو

وہاں نہ پایا۔ بڑا حیران ہوا۔ دیا جلا کہ بھی آپ کو کاش کیا مگر حضرت نظر نہ آئے۔ نماز صبح کا وقت ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ میں پانی لے کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ رات کہاں تھے؟ آپ نے نہ بتایا۔ جب میں نے امر کیا تو فرمایا کہ غارِ حرا میں تھا۔ وہاں جو عبادت میں لطف آتا ہے اور کہیں نہیں آتا۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو مکہ معظمہ جاتے ہیں اور اس جگہ کی زیارت نہیں کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے۔ وہیں آپ پر نزولِ وحی ہوا تھا۔

جب جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مرزا حسام الدین مرید خواجه باقی باللہ کے خلاف بعض دشمنوں نے بادشاہ کے کان بھرے۔ جہانگیر نے دونوں کو کشمیر میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور رکھا کہ شیخ عبدالحق کا بیٹا شیخ نورالحق کابل چلا جائے۔ شیخ عبدالحق پریشان حال لاہور آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: خاطر جمع رکھئے آپ سب لوگ دہلی ہی میں رہیں گے۔ چنانچہ اسی اثنا میں جہانگیر کے فوت ہو جانے کی خبر کشمیر سے آگئی اور اس کی نقش لاہور لاکر دفن کر دی گئی اور یہ تینوں حضرات دہلی ہی میں رہے۔

امرا لاہور سے ایک نے اپنی حویلی میں کنواں کھدوایا مگر پانی کھاری نکلا۔ وہ اس پانی کا کوزہ بھر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی بیان کی۔ آپ نے سورہ الحمد پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اس میں سے خود تھوڑا سا پیا اور فرمایا: یہ پانی جا کر کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ اس عمل سے اس کنویں کا پانی شیریں اور سرد ہو گیا۔

عہد جہانگیر میں قلعہ کانگرہ کا محاصرہ ہوا۔ جو افسر قلعے کی تسخیر پر مامور تھے اُن میں سے ایک افسر آپ کا مرید تھا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور التماس کی۔ آپ نے اُسی عریضہ کی پشت پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ ان شاء اللہ قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ چار روز کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا۔

ایک شخص مستدفاضل نامی آپ کا مرید تھا اُس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ وہ بڑا غمگین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: غم نہ کھاتیری بیوی مائلہ ہے اللہ تجھے نعم ابدل عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام افضل رکھا اور فرمایا کہ تقدیر میں تو لڑکی تھی مگر میں نے تمیں مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جو قبول ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص کی کنیز بہت سا مال لے کر اور ایک اور شخص کی امانت تھی (فرار ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا۔ فرمایا: رنجیدہ نہ ہو۔ کنیز تیرے گھر ہی میں ہے۔ چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو کنیز کو موجود پایا۔ پوچھا: کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کتنے لگی۔ بہت دور بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص نے بازو پکڑ کر مجھے یہاں لا بٹھایا۔ حیران ہوں اتنے دور دراز فاصلے سے چشم زدن میں میں یہاں کیسے پہنچ گئی۔

ایک عالم فاضل شخص ملاسنگی دستاقی نامی آپ کے خدام سے تھا۔ کئی سال سے آپ کی خدمت میں رہ رہا تھا۔ ایک روز آپ نے اسے فرمایا، ملاسنگی تمہیں ایک بار اپنے وطن سے ضرور جانا چاہئے مگر ملاجی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ ملا وطن روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت دستاق میں داخل ہوئے۔ اپنے گھر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ شمعیں جل رہی ہیں۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا: کیا بات ہے۔ اس نے جواب دیا یہ ملاسنگی کا گھر ہے۔ وہ بائیس سال سے ہندوستان گیا ہوا ہے، چند مہینے ہوئے اس کی موت کی خبر آئی۔ اس کی بیوی نے عدت کی مدت گزار لی ہے ایک شخص نے اس سے نکاح کی خواہش کی ہے۔ یہ مجلس اسی تقریب کی ہے۔ یہ سن کر ملاسنگی کو خیال آیا کہ حضرت نے مجھے اسی لیے وطن آنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی اثنا میں ملاسنگی کے رشتہ داروں کو ملا کے آنے کی اطلاع مل گئی وہ بڑے خوش ہوئے اور تمام مجلس درہم برہم ہو گئی پس لاکچھ مدت اپنے اہل و عیال میں رہے اور ان کے نان و نفقہ کا انتظام کر کے پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: کیوں ملا اگر گھڑی بھر دیر ہو جاتی تو بڑی قباحت واقع ہوتی۔ ملا نے مرشد کی قدم بوسی کر کے عرض کیا: اللہ کے فضل اور آپ کی توجہ سے فتنہ ٹل گیا۔

ایک روز آپ اپنے مرید و خلیفہ ملاشاہ بدخسانی کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ملاشاہ کو کشفِ قبور حاصل تھا۔ عرض کیا: آپ سنتے ہیں کہ اس قبر سے کیا آواز آتی ہے۔ فرمایا کیا آواز آتی ہے۔ عرض کیا: صاحبِ قبر یوں کہتا ہے کہ میں جوانی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اپنی بد اعمالیوں کے باعث مذابِ قبر میں گرفتار ہوں۔ تعجب ہے آپ حضرات میری قبر پر سے گزریں اور میرے مذاب میں تخفیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا صاحبِ قبر

پوچھتہا راعذاب کن طرح دفع ہو سکتا ہے۔ ملاشاہ نے مراتب سے معلوم کر کے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ اگر مزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچایا جائے تو یہ عذاب اٹھ سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے سب سے کلمہ پڑھنے کو فرمایا اور خود بھی پڑھنا شروع کیا۔ جب پورا ہو گیا اور اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچا دیا گیا تو ملاشاہ نے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کے دم قدم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عذابِ قبر سے نجات دے دی ہے۔

۱۰۵۱۔ ربيع الاول بروز شنبہ ۱۰۴۵ھ میں بعد شاہ جہان وفات پائی۔ اس وقت لاہور کا حاکم نواب وزیر خاں تھا۔ اسی سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال سے زیادہ لاہور میں اقامت پذیر رہے۔ مزار لاہور میں زیارت کا موقعت ہے۔ حضرت کے چار بھائی میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد تھے۔ دو بہنیں بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون تھیں جو اپنے عند کی عارفہ کاملہ تھیں۔ حضرت شیخ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی کیونکہ آپ نے تمام عمر تہجد میں بسر کی تھی اس لئے آپ کی وفات کے بعد آپ کی ہمیشہ جمال خاتون کے فرزند محمد شریف المتوفی ۱۰۵۲ھ سجادہ نشین ہوئے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

میر دنیا دین میاں میر است	واقف راز و محرم اسرار
بندہ مقتدا میاں میر است	سال تولد آں شہ ابرار
بادی صدق میر اشرف ذراں	وصل آں شاہ زبدۃ البلاہار

۱۰۲۔ سید غلام غوث و شاہ حاکم قدس سرہم العزیز

یہ دونوں بزرگ سلسلہ مالویہ قادریہ کے اولیائے کاہن سے گزرے ہیں۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ خوارق و کرامات میں درجہ بلند پر فائز تھے۔ سید غلام غوث مرشد اور شاہ حاکم مرید تھے۔ سب سے پہلے ان کے دادا سید ظہور الدین بخاری اوچ سے لاہور میں آکر موضع علی پور جو لاہور سے چار میل کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے اقامت پذیر ہوئے تھے۔ راؤ گھاسی پسر علی راؤ جو عہدِ اکبری میں ایک امیر کبیر شخص تھا وہ ان کا مرید ہوا۔ سید محمد غوث اور

شاہ حاکم ہمد جا نگیری و شاہ جہانی میں بڑے پایہ کے مستجاب الدعوات بزرگ گزرے ہیں۔ خصوصاً حصول اولاد کے لیے اکثر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طبعی دعا ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا تھا۔ چنانچہ امرا نے شاہ جہانی سے ایک شخص نظام الدین نامی حضرت شاہ حاکم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عطا ئے فرزند کی دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جسے ایزد تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا اور اسے لڑکا عطا فرمایا۔

شاہ حاکم نے ایک ہزار چالیس میں اور سید غلام غوث نے ایک ہزار پینتالیس میں وفات پائی۔ بے شمار لوگ ان بزرگوں کے علتہ ارادت میں داخل تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزار علی پور میں زیارت گاہِ خلقی ہیں اور تا حال ان کے مزار سے ظہورِ کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا تصرف ان حضرات کا یہ ہے کہ خانقاہ کے درختوں سے کوئی شخص کڑی نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ کے عہد میں علی پور راجہ دھیان سنگھ وزیر سلطنت کی جاگیر میں داخل تھا۔ چنانچہ راجہ کے ملازمین میں سے ایک شخص نے سواک کی ضرورت کے لئے کچھ کڑی تراشی تو اسی وقت درخت سے خون ٹپکنا شروع ہو گیا اور کاٹنے والا مرضِ تپ میں مبتلا ہو گیا۔ دو روز بعد مزار پر حاضر ہو کر تائب ہوا اور تکلیف سے نجات پائی۔ چنانچہ سید قلب الدین اور دیگر معتبر حضرات کی زبانی یہ ہمیشہ سنا گیا ہے کہ وفات سے دو سو سال بعد وریا سئے راوی سید محمد غوث کے مزار کے بہت قریب آ گیا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مزارات منہدم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ نعتِ شاہ اور ان کی اولاد و افرادِ خاندان نے ان بزرگوں کی لاشوں کو نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا۔ لاشیں تین حضرات کی نکالی گئیں۔ اول سید غلام غوث کی، دوم آپ کے فرزند سید صدر الدین کی، سوم ان کے فرزند سید عوض علی کی۔ جب یہ تینوں لاشیں دفن سے نکالی گئیں تو وہ بالکل تر و تازہ تھیں اور مٹی نے ان پر کوئی تصرف نہیں کیا تھا۔

قطعہ تاریخ وفات :

غلام غوث قطب مرد عالم ولی پاک حق آگاہ ذیجاہ
دعائش شیخ حق آگاہ مکنتمہ دوبارہ تیز ہادی شاہ ذیجاہ

حضرت شاہ عالم کی تاریخ وفات ۱۰۲۵ھ تکمیل شیخ سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۳۔ حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہ

شاہ بلاول اسم گرامی، والد کا نام سید عثمان بن سید عیسیٰ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد بابوں بادشاہ کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان میں آئے اور موضع شیخوپورہ میں آباد ہو گئے۔ شاہ بلاول کی ولادت بھی یہیں ہوئی۔ لاہور میں علوم ظاہر و باطن کی تحصیل کی۔ سلسلہ قادریہ میں شاہ شمس الدین قادری لاہوری قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ متاخرین مشائخ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ اپنے عہد کے عالم و فاضل، متقی و متشرع۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ کتاب محبوب الواصلین جو خاص آپ کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے سات برس کا سن تھا کہ ان کا ایک ہم عمر لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ یہ سن کر اس کے سر ہانے لگے اور کہا اسے یار بے وقت سونا اچھا نہیں ہے او چل کر کھیلیں۔ لڑکے نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر ساتھ چلا گیا۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے جب یہ سنا تو آپ کو شیخ فتح محمد لاہوری جو اپنے عہد کے جید علماء سے تھے کے حلقہ درس میں بھیج دیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں علوم ظاہری میں بھی کمال حاصل کر لیا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ حضرت شاہ شمس الدین قادری لاہوری کشتی سے اترے۔ آپ نے فوراً شیخ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی فرات کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میری صحبت میں رہو اور فیض باطن جو میرے پاس تمہاری امانت ہے اسے حاصل کرو۔ شیخ بلاول یہ سنتے ہی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے اندازہ ظاہری و باطنی کمالات اکتساب کر کے خرقہ خلافت پایا۔ مرجع خلافت تھے۔ خاص و عام آپ کی خدمت میں حاضر ہرنا باعثِ فخر و افتخار سمجھے تھے۔ استغنا اور فقر و غنا میں

لے صاحب الحدیث لاہوری اپنی کتاب بادشاہ نامہ میں رقم طراز ہیں: شاہ جہان بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۰ھ کو لاہور آیا اور رمضان کو جناح کے مزار کی زیارت کی وہاں دس ہزار روپے خرچہ میں تقسیم کیا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں بھی

داتی اگلے صوبہ

marfat.com

Marfat.com

تازا وقت تھے۔

ایک روز آپ کے مرشد دریا کے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپ حاضر خدمت تھے کہ ایک جاٹ نے اگر درخت سے کڑیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ آپ نے ہرچندا سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے اس کی جانب نگاہ غضب سے دیکھا وہ اسی وقت گر کر مر گیا۔ حضرت شیخ شمس الدین نے بیدار ہو کر فرمایا: ہم فقیروں کے لئے ایسا جلال و غضب روا نہیں ہے اب مناسب یہی ہے کہ حضرت شاہ ابواسحاق کے ایک حجرے میں خلوت نشین ہو کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ شاہ بلاول کئی سال وہاں رہے اور یہ مدت تلاوت اور نماز و روزہ و دام میں گزار دی۔

صاحب محبوب الاولیٰین لکھتے ہیں کہ محلہ شیخ ابواسحاق میں آپ کے ہمسایہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور دم کے مطابق بھانڈا در مبارک باد لینے کے لیے آنے وہ بڑا تنگ دست اور مفلس تھا۔ آپ اس کے حال سے واقف تھے۔ آپ ایک مٹی کا ٹٹا لے کر حجرے سے باہر

دقیقہ ما شیر مست ۲۲۳ حاضر ہوا کہ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔ ۱۰ تاریخ کو شیخ بلاول کو دو ہزار روپیہ نذر کیا جو انہوں نے کچھ تو رویشیوں میں تقسیم کر دیا باقی خادم مطبخ کے حوصلے کر دیا کہ رویشیوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ وہ زامہ و پرہیزگار رویش تھے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت بلاول سے پوچھا حضرت میں نے میرا نذرانہ قبول نہ کیا اور آپ نے کیا۔ فرمایا حضرت میاں میر کی صفات کے حال میں ان کی توجہ دنیا کی طرف نہیں ہے۔ ہاں وہاں رویش اور مسافر آرام پاتے ہیں اور لگھڑخانہ موجود ہے جہاں سے ان کو کھانا ملتا ہے اس لیے وہی روپیہ کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ واپسی پر بادشاہ و دربار حضرت میاں میر کے پاس گئے۔ عرض کیا آپ نے میری پیشکش قبول نہ فرمائی مگر حضرت شاہ بلاول نے قبول فرمائی۔ فرمایا وہ بزرگ ولی کامل دراکا مانند ہیں۔ میں ان کے سامنے ایک معمولی تالاب ہوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید چیز پڑ جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا لیکن تالاب پلید ہوتا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر جب قلعہ میں گیا تو سجدہ شکر بجایا اور کہا الحمد للہ میرے زمانے میں ایسے ایسے بزرگ بھی ہیں جن کا دماغ اللہ کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

دارالشکرہ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے: یہ فقیر بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرے پر ریاضت و مجاہدہ کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔

marfat.com

Marfat.com

آنے اور اُسے دیوارِ ہمسایہ پر مار کر توڑ ڈالا۔ تمام کڑے زہِ خاص بن گئے جنہیں نعال اٹھا کسے گئے۔
لور ہمسایہ کو ان سے خلاصی ہوئی۔

آپ کی خانقاہ میں لنگر عام جاری تھا۔ دونوں وقت لوگوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ خود بھی بڑے خوش پوشاک تھے لنگر خانہ میں ہر قسم کا سامان موجود رہتا تھا۔ ایک رات ایک چور سامان چرانے کی غرض سے باورچی خانہ میں داخل ہوا مگر حکم الہی سے اندھا ہو گیا اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو آپ نے خادم باورچی خانہ کو بلایا اور کہا باورچی خانہ میں ایک اندھا بیٹھا ہوا ہے اُسے بٹا کر ڈگنا کھانا دو وہ رات سے بھوکا ہے۔ داروغہ باورچی خانہ نے اسے بٹا کر کھانا دینا چاہا۔ اس نے کہا مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ مجھے حضرت شاہ بلاول کے پاس لے چلو۔ چنانچہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سر قدموں پر رکھ کر معافی مانگی۔ حلقہٴ ارادت میں داخل اور آپ کی دعا سے بٹا ہو گیا۔ صاحبِ محبوب الواصلین نے آپ کی روزانہ تقسیم اوقات اس طرح تحریر کی ہے: صبح سے پاشت تک معروف مراقبہ و عبادت رہتے۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم فرماتے۔ دوپہر کے بعد ایک گھنٹہ قیلولہ کرتے پھر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے۔ پھر حلقہٴ مریدان میں تشریف لاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس اثنا میں لوگ بیماروں کو شفا یاب کرانے کے لئے پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شیخ دعا پڑھ کر اس پر دم کرتے۔ اس طرح سینکڑوں بیمار شفا یاب ہو جاتے۔ اس کے بعد دو منشی حاضر ہوتے جو حاجت مندوں کے لیے بلا شاہ اور امراء کی طرف آپ کی جانب سے سفارشی رقعے لکھتے ان پر صرف اللہ بس باقی ہو سکتا ہی لکھا جاتا۔ بادشاہ اور امیر آپ کی سفارش منظور کرتے اور حاجت مندوں کی غرض پوری ہو جاتی۔ نماز عصر کے بعد پھر مراقبہ اور ذکر و فکر شروع ہو جاتا۔ شام کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر کھانا تقسیم کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے۔ تقسیم طعام کے بعد خود جو کی روٹی چولانی کے ساگ کے ساتھ تناول فرماتے وہ بھی چند نوالے۔ پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حجرہٴ خاص میں تشریف لے جاتے اور نماز تہجد تک تین قرآن ختم کرتے۔

ایک روز شیخ ابوطالب جو وہ بزازی منصب دار اور آپ کا مرید تھا۔ حاضر خدمت ہوا۔ عرض کیا کہ میرے دیہات کی جاگیر میں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیے آپ نے آسمان کی طرف

منکر کے دُعا کی۔ فوراً ابرنمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا، جا اور ابو طالب کی جاگیر پر برس۔ بلاول وہاں سے اڑا اور اس کی جاگیر پر جا کر برسا۔

دوشنبہ ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ کو بعدِ شاہ جہان شہر برس کی عمر میں وفات پائی۔

دو نیا شد جو در خلدِ معلیٰ جنابِ شہ بلاول شاہِ شاہاں

بگو مقبولِ حقِ سرمستِ تاریخِ دیگر کامل مر فضل است لے جاں

نیز حقیقۃ الاولیاء میں اردو میں قطعہ تاریخ درج ہے۔

شاہ بلاول شاہِ عالی جاہ تھے حضرتِ حق سے بلا ان کو بہشت

ان کا نورِ معرفت ہے خاتمہ دوسری تاریخ ہے نیکو سرشت

مزار گھوڑے شاہ اور باغِ راجہ دینا تا تھ کے نزدیک واقع ہے۔ پہلے آپ کا مقبرہ دریائے

راوی کے قریب تھا۔ ۱۲۵۲ھ میں دریائے راوی مقبرے کے بالکل قریب بہنا شروع ہو گیا تو

اس خدشہ سے کہ کہیں مزار کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا گیا۔

۱۰۴۔ سید عبدالقادر اکبر آبادی قادری قدس سرہ

اپنے زمانے میں مشائخِ قادریہ میں دھڑ بلند رکھتے تھے۔ سکونت اکبر آباد میں تھی۔ صاحبِ فضل و کمال تھے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت میں لاثانی، صائم الدہر اور قلم لیل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزاری۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار اکبر آباد میں ہے۔

۱۰۵۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی ثم البخاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

اپنے زمانے کے جید علماء و صلحاء سے تھے۔ حضرت شیخ سید جمال الدین ابوالحسن موسیٰ پاک شہید المتوفی ۱۰۰۱ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب مشقی

سے اخذ فیض کیا۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ تمام مکتب تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور رفع مذکورہ الحاد میں بسر کی۔ جہانگیر کے زمانے میں مقبول خاص و عام تھے۔ جہانگیر آپ کی ملاقات کے لیے آپ کے مکان پر حاضر ہوا تھا اور آپ نے اپنی مشہور ترین تالیف اخبار الاخبار بادشاہ کی نذر گزرائی تھی۔ آپ نے عہد اکبری سے لے کر اپنے عہد تک کے دینی و سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لے کر بڑے غور و فکر کے بعد دینی نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کو مقدم قرار دیا اور برطالع علم کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں رائے کو دخل دے وہ کفر و الحاد کا مرتکب ہے۔ وہ علم علم نہیں جو تقویت دین و ملت کا باعث نہ ہو۔

آپ حضرت شیخ احمد رہندی مجدد العتہ ثانی کے ہم عصر تھے۔ ابتدا میں اُن کے بعض اقوال اور باطنی اور اکالات پر شرعی نقطہ نگاہ سے گرفت بھی کی تھی جس کی تفصیل کتاب معارج الولاہیت میں مذکور ہے۔ بعد میں رفع التباس پر حضرت مجدد سے مراسم مستحکم ہو گئے تھے۔ شرح مشکوٰۃ عربی و فارسی، کتاب مراد المستقیم، اخبار الاخبار، شرح فتوح الغیب، کتاب جذب القلوب الی ویار المحبوب مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے مفصل حالات میں، زاد المتقین، مرجع البحرین، مدارج النبوت، تکمیل الایمان، شرح سفر السعادت اور دیگر کئی ایک رسائل علم تصوف میں آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

۱۰۱۔ اہ میں بعد شاہ جہان وفات پائی۔ مزار وہلی میں ہے۔

ز دنیا وصل با حق یافت آخر چو عبدالحق ولی پاک معصوم
دعائش یافتہ با طرز رنگیں!! ز عبدالحق امام دین مخدوم
۱۰۵

۱۰۶۔ پیر مسکین شاہ امری قدس سرہ

میر عنایت الدننام، پیر مسکین شاہ امری خطاب، حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر کے مرید و خلیفہ اور کمالات ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ ذراعت سے رزق حلال حاصل کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک سال بارش نہ ہوئی۔ آپ کی زمین بالکل بارانی تھی۔ اس قحط سالی میں سب کے کھیت خشک رہے مگر آپ کی زمین سے فصل پک کر خوب عطا حاصل ہوا۔ اسی وجہ سے آپ مسکین امری مشہور ہو گئے مگر آپ کی کھیتی امرالہی سے بارش کے بغیر پک گئی۔ ۱۰۵۶ھ میں بوسید شاہ جہان وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

حضرت مسکین مشہور ہر دو سرا ہر کہ رویش دیدر شک ماہ گفت
بہر سال وصل آن عالی جناب دل ولی رویش مسکین شاہ گفت
۱۰۵۶ھ

۱۰۷۔ سید محمد مقیم محکم الدین قدس سرہ قادری حجروی

والد ماجد کا نام شاہ ابو المعالی بن سید محمد نور بن سید بہار الدین المشہور بہاول شیر تھا۔ نور و سالی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا مگر تعلیم و تربیت پوری طرح ہوئی تھی۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد اکتسابِ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر روز اپنے جد امجد کے مزار پر جا کر مراقبہ اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ایک رات اپنے جد بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں، اے فرزند تیرا عقد ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ سید جمال اللہ جیات المیر زندہ پیر کے پاس ہے۔ لاہور جاؤ وہاں ان سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ اس ارشاد کے بموجب لاہور آئے۔ ایک بدزگوستانِ میانی میں مزار شیخ محمد طاہر کے قریب آپ کو موجود پایا۔ خدمت میں حاضر ہو کر سلفہ ارادت میں داخل ہوئے اور کمالاتِ ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔

نقل ہے ایک روز آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: غلامِ عابد کی کنی جویاں ہیں۔ ہر رات اپنی ہر ایک بیوی کے پاس بھی جاتا ہے اور اپنے حجرے میں بھی مشغول عبادت نظر آتا ہے۔ ایک درویش نے سن کر دل میں اس سے انکار کیا۔ آپ کو اس کا یہ انکار زورِ باطن سے معلوم ہو گیا۔ فرمایا: اویا، کی کرامت کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس درخت کی طرف بگاہ کر دو۔ دل تشفی پاؤ گے۔

درخشش نے جب درخت کی طرف نگاہ کی دیکھا کہ شاہ محمد مقیم درخت کی ہر شاخ پر موجود ہیں۔
 نقل ہے موضع حجرہ کے ایک زمیندار نے اپنی زمین میں گاجریں کاشت کیں۔ ایک
 رات آپ اس طرف سے گزرے اور اپنے خدام سے فرمایا کہ تمام گاجریں نکال لو۔ خدام نے
 حکم کی تعمیل کی لیکن اس کے دل میں بڑا تعجب تھا کہ تیغ نے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کام
 کرنے کو کہا ہے۔ صبح کو کھیت کا مالک حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے گاجریں کاشت کی تھیں اور
 ارادہ تھا کہ تیار ہونے پر حضور کے غلاموں کے لئے نذر کروں گا مگر ایک شخص اکر تمام گاجریں
 نکال کر لے گیا ہے۔ آپ نے تبسم ہو کر فرمایا، حق بحق داراں رسید۔

نقل ہے آپ کے برادر حقیقی کی بیوی حاملہ تھی۔ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آیا
 تو موصوفہ کو شدت سے دردہ کا آغاز ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں پہنچا کہ دعا کیجئے
 دردہ کی تکلیف دور ہو۔ فرمایا، ان شاء اللہ دور ہو جائے گا اور نہ رہے گا۔ آپ کی زبان سے
 یہ بات نکلتے ہی حضرت امی بی صاحبہ کا حمل غائب ہو گیا اور جب تک زندہ رہیں، حاملہ نہ ہوئیں۔

۵۰۱۔ میں وفات پانی مزار موضع حجرہ میں زیارت گاؤ خلق ہے۔

چوں محمد مقیم محکم ہیں !! شد ز دارالافتا مقیم بہشت
 و ملتش دوستدار فقر آمد !! نیر جان جنساں مقیم بہشت

۱۰۸۔ شیخ مادھولاہوری قدس سرہ

آپ شیخ حسین لاہوری کے خلفاء ارجمند اور مجربانِ دل پسند میں شمار ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبِ عشق و محبت اور واقعہ دوق و شوق تھے۔ آپ کے حالات کتاب حقیقۃ الفقراء میں یوں درج ہیں کہ ایک برہمن کے لڑکے تھے جو شاہدہ (نزد لاکھ پور) میں رہتا تھا اور بڑے صاحبِ جمال اور خوش شکل تھے۔ ایک دن گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے کہ شاہ حسین کی نگاہ ان کے جمال و حسن پر جا پڑی اور ان کے عشق مہلذی نے شاہ حسین کا دل چھین لیا۔ چنانچہ شاہ حسین لاہور چھوڑ کر شاہدہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات دیوانہ وار مادھو کے مکان کا طواف کرتے اور دن کے وقت جہاں سے خبر آتی کہ مادھو فلاں جگہ ہے، بسر و چشم چلے جاتے۔ مادھو تو آپ کے اس عشق جہاں سوز سے بے تعلق تھا اور بڑی بے اعتنائی اور بے نیازی سے رہتا۔ البتہ رات کے وقت اپنے گھر والوں سے جو راز دارانہ باتیں کرتا، شیخ حسین علی الصبح بازار میں فاش کر دیتے۔ ان حالات نے حسین لاہوری کے عشق کو زمانہ بھر میں مشہور کر دیا اور لوگوں نے اس عشق کی کئی کہانیاں بنا کر شروع کر دیں۔ "قلب بیدی الی القلب" کے پیش نظر شاہ حسین کی محبت کے اثرات مادھو لال کے دل پر وارد ہونے لگے اور کبھی کبھی شاہ حسین کو طے کرنے کے لئے آنے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ بروقت شاہ حسین کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور جدائی پسند نہ کرتے تھے۔ مادھو لال کے والدین کو اس صورت حال سے بڑی کوفت ہوتی اور اپنے بچے کو شاہ حسین کے پاس جانے سے روکتے۔ لیکن ان پر اس بات کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ بالآخر والدین کو یہ تدبیر سوجھی کہ مادھو کو کہا، ہم دریائے گنگا پر غسل کرنے جا رہے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ مادھو شاہ حسین کے پاس اجازت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ والدین کو کہ دو، تم گنگا کے غسل کے لئے چلے جاؤ، بروقت غسل میں وہاں موجود ہوں گا۔

مادھو بھی شاہ حسین کی اس کرامت کے مظاہرے کے لئے لاہور میں رہ گئے۔ جس دن اس کے والدین غسل کے لئے گنگا میں اترے تو ادھر مادھو شاہ حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، مجھے گنگا میں غسل کے لئے وہاں پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس دن شاہ حسین

مادھو کو لے کر شہر کے باہر تشریف لے گئے اور مادھو کو کھانے کے لئے، آنکھیں بند کر کے میرے قدم پر قدم رکھتے آؤ۔ جب مادھو نے یوں کیا تو آپ نے کہا، اب آنکھیں کھول لو۔ مادھو نے دیکھا تو وہ دریائے گنگا میں اپنے والدین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں اور شاہ حسینؑ بھی کنارے پر موجود ہیں۔ مادھو والدین سے ملاقات کرنے کے بعد شاہ حسینؑ کے پاس آگئے اور جس طرح لاہور سے گئے تھے اسی طرح واپس آگئے۔ مادھو اسی دن حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ دو ماہ بعد بسنت اور ہولی کے تہوار آگئے۔ ہندو عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے۔ مادھو کی دل دہی کے لئے شاہ حسینؑ نے مجلس سماع و سرود مستعد کی اور عالمِ مستی میں ایک دوسرے پر بسنتی رنگ (گلال) پھینکا گیا۔ چنانچہ تاحال یہ رسم جاری ہے کہ شاہ حسینؑ کے معتقدین بسنت کے دن آپ کے مزار پر جا کر گلال (رنگ) پھینکتے ہیں۔

اس مجلس رقص و سماع میں آپ کے خلفاء میں سے شیخ مادھو کے علاوہ میاں شعبان، شعبان ثانی، ابراہیم، میاں محمود، شیخ یعقوب، بہار خاں قزم منڈا، قاضی شاہ تاپا باجی، عبدالسلام، شہاب الدین، شیخ کالو، شیخ یحییٰ اور شیخ صالح بھی شریک تھے۔ یہ تمام حضرات اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں رقص و سرود میں شامل ہو گئے اور ایک دوسرے پر رنگ پھینکنے لگے اور جو رقص میں جڑتے رہے اسی مجلس میں حضرت مادھو شاہ حسینؑ سے بیعت ہوئے اور شیخ کی نگاہ کیسے اثر نے آپ کو کمالات فخر پر پہنچا دیا۔

جب شیخ مادھو پورے کمالات حاصل کر چکے تو شاہ حسینؑ نے فرمایا، اب تمہیں راجہ مان سنگھ کے فوجی رسالے میں بھرتی ہو کر دکن کی مہم پر چلے جانا چاہئے اور کچھ عرصہ ہم سے جدا رہنا چاہئے۔ چنانچہ مادھو آپ کے حکم پر راجہ مان سنگھ کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دکن کے حاکم نے اس فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ مان سنگھ کی فوج کے پاؤں اکھڑنے والے تھے تو مان سنگھ فوراً شیخ مادھو سے التجا کرنے لگا کہ فتح کے لئے دعا فرمائیں۔ مادھو نے اپنے مرشد شیخ حسینؑ سے استمداد کی۔ شاہ حسینؑ کو بھی اس صورت حال کا علم ہو گیا تو آپ بہ نفس نفیس لشکر گاہ میں پہنچے اور کہا، راجہ کو کہ دو کہ سوار ہو کر ایک بھر پور حملہ کر دے ان شاء اللہ اب فتح ہوگی۔ راجہ مان سنگھ نے حملہ کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لشکر کثیر بصورتِ مشکاں آسمان سے

اُتر رہا ہے اور دشمن سے نہرو آزما ہو رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو شکست ہو گئی اور شیخ حسین لاہوری مادھو لال کے ساتھ واپس لاہور آ گئے۔

جب شیخ حسین کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاہدرہ کے قریب ایک باغیچہ بنایا اور فرمایا: میرے مرنے کے بعد مجھے اس باغ میں دفنا دیا جائے لیکن یہ عارضی مدفن ہوگا۔ ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئیں گے اور میری نعش یہاں سے اٹھا کر بمقام بابو پورہ (بابان پورہ) دفن کریں گے۔ پھر بارہ سال تک رہبرمان سنگھ کی فوج میں رہیں گے اور اس کے بعد یہاں آ کر ہماری قبر کی مجاوری (سجادہ نشینی) اختیار کریں گے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئے اور پھر بارہ سال تک لڑج میں رہے۔ تیرہ سال بعد فوکری چھوڑ دی اور پھر ۲۵ سال تک حسین کے مزار کے سجادہ نشین رہے۔ شیخ مادھو لال ۱۹۸۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۶ء میں وفات پائی۔ حقیقتاً الفترار میں لکھا ہے کہ آپ ۲۲۔ ماہ ذی الحجہ ۱۹۸۰ء کو پیدا ہوئے۔

حسینؒ بندہ مادھو شیخ عالم کہ بودے مست الہ چاہئے عشق
عیان گردید سال ارتحالش زہ ہادی ہنی مستانہ عشق آئے

۱۰۹۔ حضرت خواجہ بہاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

حضرت میاں میر کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر قرآن کے جیتے جاگت عالم ہونے کے علاوہ واقف اسرارِ ربانی بھی تھے۔ شہرِ حاجی پورہ میں مقیم تھے جو قصبہ گوداپور (بہار) میں واقع تھا۔ آپ پھولی عمر ہی میں علم حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے نکلے۔ کچھ مدت تک قصبہ کورا میں شیخ جمال ادویا کے پاس ان سے فیض حاصل کر کے لاہور آئے اور ملا فضل لاہوری سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی۔ ملا اپنے ہونہار شاگرد سے اس قدر خوش تھے کہ انہیں اپنے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ ان ایام میں حضرت شیخ میاں میر کا باطنی فیض عام تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ وفاتِ مرشد کے بعد مرجعِ خلافت تھے۔ آپ نے تمام عمر ہدایتِ خلق اور درس و تدریس میں گزار دی۔ آپ کا مدرسہ دہلی دروازے کے اندر واقع تھا۔ جو بہت مشہور تھا۔ نواب سعد اللہ خاں اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ کسبِ علوم کے لئے دور دور سے طلبہ آکر فیض یاب ہوتے تھے۔ فقر و استغنا میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہجہان ایک دفعہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ آپ یہ خبر سن کر وہاں سے چل دیئے۔ جب آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا، میں اپنا اطمینان قلب کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ایک فقیر کو بادشاہوں کی ملاقات سے کیا سروکار۔ جلالتِ علمی کے ساتھ صاحبِ خوارق و کرامت بھی تھے۔ محمد داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ایک رات آپ غازی خاں نامی شخص کے ہاں عرس کی تقریب میں شامل تھے اور حاضرین میں توجید کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر کے صحن میں آگ جل رہی تھی۔ خواجہ بہاری اپنی جگہ سے اٹھ کر آگ میں جا بیٹھے۔ ایک گھڑی تک اس میں رہے اور فرمایا، توجید میں قیل و قال کی کیا ضرورت ہے۔ حال ملاحظہ کرو۔ یہ کہہ کر صبح و سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ سفینۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ جن ایام میں خواجہ بہاری ملا محمد فاضل لاہوری کے ہاں سکونت پذیر تھے تو ایک دن ملا صاحب کی بیوی خواجہ صاحب کے لئے آتش کا بھرا پیالہ لے کر حجرے کے دروازے پر پہنچی، دیکھا کہ خواجہ نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اعضاءِ احرار بکھرے پڑے ہیں۔ موصوف نے جو نبی یہ دیکھا تو فریاد کرنا شروع کر دی۔

اور شوہر کے پاس آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ ملا اسی وقت موقع پر پہنچے، دیکھا کہ خواجہ بہاری سر جھکا سنے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ واپس آکر الیہ سے کہا۔ اویا، اللہ کے کئی احوال و مقامات ہوتے ہیں۔ جو تم نے دیکھا ہے اس پر اظہار تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اور شخص اپنے بیٹے کو خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا۔ اس کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے۔ آپ نے فرمایا، کسی حکیم سے علاج نہ کراؤ، اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ ہر روز ایک داغ پر انگلی رکھتے اور وہ مٹ جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی انگشت مبارک کے اثر سے تمام داغ دور ہو گئے اور لڑکا درست ہو گیا۔ داراشکوہ رقم طراز ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں مرزا آصف بیگ والی ایران نے قندھار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ بہاری سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی کیا مجال کہ تمہاری مملکت پر دست درازی کر سکے۔ ان شاء اللہ مارا جائے گا۔ چنانچہ ایک مہینے کے بعد خبر آئی کہ مرزا مذکور کو اس کے دشمنوں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔

داراشکوہ لکھتا ہے، ایک روز آپ شالامار باغ کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ فرمایا: وہ مجھے طلب نہیں کرتے۔ اگر وہ طلب کریں تو مجھے مرشد کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ ۱۰۶۰ھ میں وفات پائی۔
قطرہ تاریخ وفات:

بہاری چوں بخت رخت بر بست ز دنیا جت یکسر بر کناری
بسالی رطش سہرور رقم کرد کہ سلطان الولی خواجہ بہاری

۱۱۰۔ حضرت شاہ سلیمان قادری قدس سرہ

آپ حضرت شاہ معروفت حقیقی قادری (دوشابی) کے کاہلین خلیفوں اور اکابر سجادہ نشینوں سے تھے۔ جذب، عشق و محبت، اسکر، حالت اور خوارق و کرامات میں بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ چار سال کی عمر میں حضرت شاہ معروفت حقیقی کی نظر مبارک میں منظور ہوئے اور آپ پر سکر اور جذب کی حالت غالب ہو گئی۔ آپ کے والد صاحب میاں منگو موضع بھٹوال میں سکونت

لے میاں منگو کا اصلی نام شیخ عبداللہ تاج ایک قلمی شیوہ نسب مکتوبہ ۱۲۱۱ھ میں لکھا ہوا ہے۔ (شریعت التواریخ جلد اول موسم بہار ۱۹۱۱ء) (تصنیف شرافت دوشابی)

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.com

رکتے تھے۔ ایک بار حضرت شاہ معروفؒ اس گاؤں میں تشریف لائے اور میاں منگو کے گھر میں رات رہے۔ تمام رات وہ اُن کی خدمت میں حاضر رہے۔ اُس وقت شاہ سلیمان امبی خور رسال تھے اپنے گھر کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ جب شاہ معروفؒ کی نظر شاہ سلیمان کے جمالِ باکمال پر پڑی تو نہایت شفقت سے آپ کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور میاں منگو کو فرمایا کہ یہ لڑکا ہماری امانت ہے اور یہ ایسا کامل مرد ہوگا کہ جہاں اس کے فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ جب شاہ معروفؒ رخصت ہو کر چلے گئے، میاں منگو اس والا گھر لڑکے کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ سلیمان کو بچپن میں ہی اکثر اوقات حالتِ وجد طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جب جوان ہوئے تو شاہ معروفؒ کی خدمت میں پہنچ کر تکمیل پائی اور کاٹانِ وقت سے ہو گئے اور خرقہٴ خلافتِ قادریہ حاصل کیا۔ شاہ سلیمان سماع سنتے اور وجد و تواجد کرتے تھے۔ آپ کے دو خلیفے کامل و اکمل تھے ایک مولانا کریم الدین، دوسرے حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہ العزیز۔

کتاب تذکرہ نوشاہی میں جو حافظ محمد حیات بن شیخ جمال الدین حافظ برخوردار بن حاجی نوشہ گنج بخش کی تصنیف سے ہے۔ لکھا ہے کہ جن ایام میں شاہ سلیمان موضع منچر میں تشریف رکھتے تھے اور ایک موچی کے گھر ڈیرہ کیا تھا، ہر وقت اور ہر حال میں مراقبہ میں سر نیچے کئے رکھتے تھے۔ ایک کم بخت جو لاہا اس موچی کا ہمسایہ تھا، وہ اپنی بد باطنی کی وجہ سے شاہ سلیمان کی نقل کیا کرتا۔ نقل کرنے کے وقت اسی طرح اپنی گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتا اور تمسخر کیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ راستے میں جا رہے تھے اتفاقاً وہ جو لاہا آگے سے آتا ملا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیروں کی حالت کی نقل بنانا اور تمسخر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ایسی حرکت سے باز آ جا ورنہ سزا پائے گا۔ جو لاہے نے گستاخانہ جواب دیا کہ میں نے تمہارے جیسے کئی مکار فقیر دیکھے سجدے میں جا اپنا کام کر۔ شاہ سلیمانؒ نے فرمایا کہ جس طرح میری غیبت میں تو میری

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴)

نے نصب ببلوال اس وقت ضلع سرگودھا کی ایک تحصیل ہے۔ خزانہ الامینیا کے کاتب نے اس کو بھیلوال لکھا ہے

اسے موضع منچر ضلع گوجرانوالہ میں ایک گاؤں ہے، اور زہر آباد سے لائل پور جا سندا الی لڑک پر دیوے ٹیشن ہے۔

حالت کی نقل کرتا ہے۔ ایسا ہی میرے سامنے کرتا کہ میں بھی دیکھوں۔ وہ جو لاہور قونی کی وجہ سے زیادہ گستاخ ہو گیا، اسی طرح دوزانو بیٹھ کر گردن ڈیرھی کر کے مراقبہ میں سر ڈال دیا۔ اسی وقت اس کی گردن ڈیرھی ہو گئی اور پھر تاملرگ سیدھی نہ ہو سکی۔ ہر چند اُس نے عذرت و معذرت کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

نقل ہے کہ موضع چک ساہن پال کے سردار چودھری مہاں کے چار بیٹے تھے۔ چوتھا بیٹا ساہن پال نامی تھا، جب اُس نے شاہ سلیمان کی خوارق و کراہات کا شہو سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت اپنے باپ سے چالیس روپے شاہ سلیمان کے نذرانہ کے لئے طلب کئے۔ چونکہ چودھری مہاں شیخ سلیمان چدھڑ کے مریدوں سے تھا، اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تو ایسے شخص کے پاس جانا چاہتا ہے جو شوچی قوم سے ہے، اس کو چالیس روپے نذرانہ دینا کیا معنی، اس کے لئے چار روپے بھی کافی ہیں۔ ہاں اگر شیخ سلیمان چدھڑ کے پاس جائے تو اس قدر نذرانہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ آخر ساہن پال نے اپنے باپ کی بات نہ سنی اور اپنے گھر سے چالیس روپے لے کر موضع بھلوال میں حضرت شاہ سلیمان کی خدمت میں مشرف ہوا اور چالیس روپے نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے چار روپے اُس میں سے قبول کر لئے اور فرمایا

لے چودھری مہاں، قوم جٹ تارڑ سے ابوالخیر ولد امین ولد پھر کا بیٹا تھا اور موضع چک ساہن پال کے ہانی چودھری ساہن پال کا بیٹا تھا۔ (حدیث الانساب قلی تصنیف شرافت نوشاہی)

۱۷ شاہ سلیمان قریشی النسب تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت شیخ بناد الدین زکریا طانی کے ہم سببی خاندان سے ملتا ہے اور اسد بن عبدالعزیز بن قصی القرشی پر نسب نامہ غری سے متصل ہو جاتا ہے۔ یہ پورا نسب نامہ شریف التواریخ کی پہلی جلد موسم بہ تاریخ الاقطاب قلی۔ تصنیف سید شرافت نوشاہی میں مذکور ہے۔ نیز شاہ سلیمان کا مہاں کے قول سے جلالت میں آتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ موچین تھے کیونکہ اولیاد الشجر ربانی جماعت ہے، یہی بات کئے سے ناراض نہیں ہوتے۔

بالفرض اگر آپ نے یہ کسب کیا ہو تو بھی نسب میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کے القاب میں سے ایک لقب خاصیت الشعل (جو توجی گانٹھنے والا) بھی تھا اس سے آپ کے نسب و شرف میں کچھ فرق نہیں پڑا بلکہ کمال تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

کہ تیرے والد کی اجازت اسی قدر تھی اس لئے میں نے چار روپے لے لئے ہیں اور میں نے خدا تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ مہماں کا سر موچوں کی پٹا کوٹنے والی منگلی سے کوٹا جائے گا۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ اس کے بعد چند روز گزرے تھے کہ چودھری مہماں نے اپنی بیوی کو جو ساہن پال کی والدہ تھی کسی وجہ سے غصے ہو کر کہا کہ کل میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور مہماں کی یہ عادت تھی کہ جو بات منہ سے کہتا، وہ پوری کرتا۔ اس سے باز نہیں آتا تھا۔ اُس کی عورت کو اپنی جان جانے کا فکر پڑ گیا۔ اپنے ہمسایہ ایک موچی کو یہ سب داستان سنائی اور اپنے قتل ہو جانے کا فکر اُس کے سامنے بیان کیا اور اس سے کچھ مدد طلب کی۔ موچی نے اس کو تسلی دی اور کہا: کچھ فکر نہ کرو کہ میں آج رات کو ہی اُس موچی کا کام تمام کر دوں گا۔ چنانچہ جب رات کا ایک حصہ گزر گیا اُس موچی نے چودھری کا جب کہ وہ سو رہا تھا اپنی منگلی (چرم کوب) کی ایک ضرب سے ہی سر کوٹ کر کام تمام کر دیا۔

حضرت شاہ سلیمانؒ کی وفات اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۰۶۵ھ میں ہے۔

سیرت میں پیشوائے اہل دوراں	سلیمان مقتدائے ہر دو عالم
دگر شد شیخِ دینِ کامل نمایاں	دعائش "عارف دین مستقیم" است
سیماں پیر شاہنشاہ بر خواں	دگر بہر دصال آن شہنشاہ!

۱۱۱۔ حضرت سید جان محمد حضوری قدس سرہ

جان محمد اہم گرامی، حضوری خطاب، والد ماجد کا نام شاہ نور بن سید محمود حضوری تھا، جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ آباؤی سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادقؑ اور سلسلہ ربیعیت

لے شاہ سلیمان قادریؒ کا صحیح سال وفات ۱۰۱۲ھ ہے جو غلطاً غیب سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تشریح التواریخ جلد اول موسم بہ تاریخ الاقطاب علی تصنیف سید شرافت نوشاہی)

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ تربیت و تکمیل اپنے پدر بزرگوار اور
 جدِ امجد کے زیر سایہ پائی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے
 بعد سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے وقت کے عارفِ کامل اور معتزائے شریعت و طریقت تھے۔ تمام
 علوم و تدبیریں اور ہدایتِ خلق میں گزار دی۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے ظاہری و باطنی علوم سے
 اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے مکتبہٴ ارادت میں جو داخل ہو جاتا تھا وہ جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر حضوری
 ہو جاتا تھا اس لئے حضوری مشہور ہوئے۔ ۶۵-۱۰۶۴ھ میں بہ ہمدِ شاہجہان وفات پائی۔
 سید محمد لطیف مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ لاہور صفحہ ۱۷۱ میں آپ کی تاریخِ وفات ۱۱۲۰ھ اُس
 کتبہ سے نقل کر کے لکھی ہے جو آپ کے مزار کی مشرقی دیوار پر کندہ ہے۔ مولانا مفتی غلام سرور نے
 باقوال صحیح خزینۃ الاصفیہ جلد اول صفحہ ۱۷۱، گنج تاریخ صفحہ ۳۲، حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۲۱، رائے بہادر
 کنہیا لال نے تاریخ لاہور ص ۲۷۰ میں ۱۰۶۴ھ ہی لکھا ہے۔

جانِ ہر دو جہان محمد جان! کر دو چوں از جہاں کسبِ ظہور
 فیضِ دین ساک است ترحیش باز چو وصلش از عجب حضور
 ۱۰۶۴ھ ۱۰۶۴ھ

۱۱۲۔ حضرت محمد صالح اکبر آبادی قادری قدس سرہ

اکابرِ مشائخِ قادریہ سے تھے۔ شیخ الشیوخ لقب تھا۔ جامعِ علوم و ظاہر و باطن تھے۔
 سکر و جذب، عشق و محبت، قناعت و صبر اور توکل و استغناء میں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔
 ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اخذِ فیض کیا۔ بقول صاحبِ مخدوم اصلین ۱۰۶۷ھ میں
 وفات پائی۔

مرشد الاشراد شیخ دو جہاں پیرِ حق آگاہ صالح متقی !!
 گشت سرور سالِ ترحیش جہاں زبہٴ دین شاہ صالح متقی !!

۱۱۳۔ حضرت سید عبدالرزاق المعروف بہ شاہ چراغ قادری لاہوری قدس سرہ

عبدالرزاق نام، شاہ چراغ خطاب۔ والد ماجد کا نام سید عبدالوہاب بن سید محمد غوث اچھی گیلانی تھا۔ سیادت و نجابت و رشتہ میں پائی تھی۔ اپنے پر بزرگوار کے عزیز و خلیفہ رہے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے عہد کے مشائخِ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے جدِ امجد زندہ تھے۔ جس روز پیدا ہوئے آپ نے فرمایا، ہمارے گھر میں چراغ پیدا ہوا ہے جس کی نور سے ہمارا خاندان نور ہو جائے گا۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے اور وہاں کے اکابر مشائخ سے فوائد کثیر اور فیوض وافر حاصل کئے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے ہر چند چاہا کہ اپنی ایک لڑکی کی شادی آپ کے فرزند سید مصطفیٰ سے کرے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ ۲۲۔ ذیقعدہ ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی اور اپنے والد و دادا کے مرقد کے پاس مدفون ہوئے۔ شاہ جہان بادشاہ نے مزار بنوایا مگر تاریخی لحاظ سے یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کا روضہ عالمگیر کے عہد میں یا عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوا ہوگا کیونکہ ۱۰۹۸ھ (۱۶۵۷ء) میں خود شاہ جہان آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور اسی نظر بندی میں فوت ہوا۔

شاہ دنیا شاہِ عقبیٰ شہِ چراغ رفت چوں او از جہاں اندر جہاں
گشت روشن سالِ ترحیش زول سیدِ حقِ آفتابِ عارفان
۱۰۹۸ھ

۱۱۴۔ حضرت شیخ شاہ محمد المعروف بہ ملا شاہ بدخشی قادری قدس سرہ

نام شاہ محمد، کنیت اخوند، لقب لسان اللہ تھا۔ والد کا نام ملا عبدی۔ جائے ولادت موضع ارکسان، ضلع روستاق۔ علاقہ بدخشاں۔ ادائل عمری میں طلبِ حق کے لیے وطن سے نکلے۔ پہلے کشمیر آئے۔ یہاں تین سال رہے پھر ہندوستان کا قصد کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ کو چلے گئے۔ راستہ میں حضرت میاں میر کے حالات سنے۔ ان سے ملاقات کرنے کے لئے لاہور کا قصد کیا۔

مگر رخصا سفر نے زچھوڑا۔ مجبوراً اگرچہ پنچے۔ جبوئے مرشد میں اور ادھر ادھر پھرے مگر ایسے ہو کر لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات سے متاثر ہو کر حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تجرید و تفرید، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت و تقویٰ میں حضرت میاں میر کے تمام مریدوں اور خلفاء میں ممتاز تھے۔ فقر و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی غلام یا خدمت گار اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ کبھی پوچھا گرم نہیں کیا، کبھی چراغ نہیں جلایا جس دم میں بڑا عکرم حاصل تھا۔ ساری ساری رات صرف ایک سانس لیتے تھے۔ سات سال تک ایک ہی سانس میں رات گزار دی۔ اس جس دم میں ذکرِ خنی کرتے رہتے تھے۔ عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے مدت تک نام آشنا لے ٹواب رہی۔ کبھی غسلِ ضروری کی حاجت نہیں پڑی۔ خود فرماتے ہیں، احلام یا مباشرت سے غسل واجب ہوتا ہے اور میرے یہاں نہ نیند ہے نہ بیوی۔

اس زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علومِ ظاہری میں بھی کامل و اکمل تھے۔ شعر و سخن سے شوق تھا۔ اشعار کا ایک مکمل دیوان یادگار چھپوڑا ہے۔ دارا شکوہ نے سیکینہ الاولیاء میں آپ کی اکثر غزلیں اور رباعیاں درج کی ہیں۔ تمام کلام عارفانہ و عاشقانہ ہے۔ اکثر و بیشتر مضامین موجدانہ ہیں۔ نظریہ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے۔

سلسلہ قادریہ میں تکمیل سلوک کے بعد مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کر کے حسب ایماں

ان کے بعض نظریات و اقوال کے سبب علمائے کشمیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہ جہاں بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی۔ خاص اس شعر پر بہت اظہارِ ناراضی کیا،

پنچہ در پنچہ حسدا دارم

من چہ پر دلئے مصطفیٰ دارم

آپ کے مرشد حضرت میاں میر بھی نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور سلسلہ وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت خواجہ خاندن محمد معروف بہ حضرت ایساں کے ساتھ مراسلات رہتے تھے کیونکہ حضرت ایساں جو شخص وحدت وجود کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت مرزئش کرتے تھے۔ (مترجم)

شیخ کشمیر جا رہے تھے۔ آپ کے فضل و کمال نے بہت جلد عوام و خواص کو اپنی طرف متوجہ کر دیا۔ سلسلہ رشد و ہدایت بڑا وسیع ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ سے والہانہ عقیدت تھی۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح برسرِ منبر کرتے تھے۔ یہ امر شیعی حضرات پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ اکثر شیعہ بحث و تکرار کے لئے آتے مگر اللہ تعالیٰ نے حقائق و معارف بیان کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جو رافضی بحث و مناظرہ کے لئے آتا وہ تائب ہو کر جاتا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار اور حضرت غوثِ اعظم کی زیارت پر چشمِ ظاہر کرتا۔ اسی طرح سیکڑوں ملحد اور رافضی تائب ہو کر حلقہ اہل سنت میں داخل ہوئے۔

داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہے کہ ایک دن مجھے روایتِ حق کے مسئلہ میں تردد ہوا اور یہ بات حضرت ملا شاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے رعب و ادب کے باعث گزارش نہ کر سکا۔ مجلس سے آکر بھی دل میں شبہ موجود تھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پُر فتوح کی طرف توجہ دی۔ اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اودھ چار خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارجحِ پاک جلوہ گر ہوئیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جس طرح چاہے اور اس کی قدرت کا تقاضا ہوا اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرانے گا۔ اس جواب سے میری مشکل حل ہو گئی۔ دوسرے روز جب میں حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے تبسم ہو کر فرمایا: تجھے مسئلہ کامل مل گیا ہے اور جنہوں نے تجھے جواب دیا ہے انہوں نے مجھے بھی اطلاع دی ہے۔

۱۰۹۹ء میں وفات پائی۔ مزار مرشد کے روضہ کے باہر ہے۔ ہسٹری آف لاہور میں سید محمد لطیف حج آپ کا سال وفات ۱۰۶۱ء لکھتے ہیں۔ لیکن مخبر الواصلین، تحقیقاتِ حقیقی اور صاحبِ خزینۃ الاصفیاء ۱۰۹۹ء/۶۱۶۵۹ء ہی لکھتے ہیں۔ حضرت ملا شاہ کی تاریخ وفات ۱۰۶۱ء درست نہیں ہو سکتی جب اس کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ ان کے مزار کو ان کے مرید داراشکوہ نے قمیٹی پتھروں سے بنوایا تھا مگر داراشکوہ اور مالگیر کے حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ شاہ جہان ۱۰۶۸ء میں تاج و تخت سے محروم ہوا اور داراشکوہ مالگیر کے حکم سے ۱۰۶۰ء میں قتل ہوا۔ شاہ جہان کی معزولی کے بعد داراشکوہ کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا۔ ان حالات میں وہ آپ کا مقبوس کس طرح تیار کر سکتا تھا۔ آپ کا مقبرہ یقیناً داراشکوہ کے بعد تعمیر ہوا ہے اس لئے

آپ کا سال وفات ۱۰۹۸ھ یا ۱۰۹۹ھ ہی قریب قیاس ہے۔ (مہر مجسم)
 شیخ ملا شاہ شیخ دہ جساں شد چراز دنیا بخت یافت جا
 قلب شیخ الاولیاء تاریخ اوست نیز ملا شاہ مطلوب خدا
 ۱۰۹۹ھ ۱۰۹۹ھ

۱۱۵۔ شہزادہ محمد اراکونہ بن شہنشاہ الدین محمد شاہ جہان بادشاہ قدس سرہ

حضرت ملا شاہ بدخانی کا نام درمید و خلیفہ، ظاہری و باطنی اوصاف کا جامع، بادشاہ صورت
 اور دولتشیرت تھے۔ مسائل تصوف اور سلوک و عرفان سے بڑی دلچسپی تھی۔ حضرت شیخ محمد یحییٰ
 کی خدمت میں بھی حاضر رہ کر اخذ فیض کیا تھا۔ اپنے مرشد کی طرح نظریہ وحدۃ الوجود پر اوست کے
 زبردست حامی و مبلغ تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف و مصنف ہیں۔ نظم و نثر پر مہارت کامل رکھتے تھے لہذا
 اپنے خیالات کو بڑی خوبی و آزادی کے ساتھ بیان کرتے۔ ۱۰۷۰ھ میں مالگیر کے حکم سے
 قتل ہوئے۔

سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، رسالہ حق نما، حسانت العارفين یا شطیحات،
 مجمع البحرین، سر اکبر، دیوان اکبر اعظم ان کی مشہور تصانیف ہیں۔
 شد ز دنیا بخت یافت جا اور شاہ دارا اولیٰ پاک سعید
 گفت تاریخ قتل او سرور شاہ اسلام بادشاہ شہید

۱۱۶۔ حضرت شاہ صفی اللہ الشہور بہ سیف الرحمن قدس سرہ

سید شاہ متقیم محکم الدین صاحب حجرہ کے فرزند ارجمند تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطنی اہل
 واقعہ و موزموری و معنوی تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی
 زبان سے جو کچھ نکلتا تھا ویسا ہی ظہور میں آتا تھا اس لئے سیف الرحمن مشہور ہوئے۔
 قتل ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے باغ کا فلاں درخت

نکک ہو گیا ہے۔ فرمایا، نہیں، سرسبز ہے۔ وہ شخص فوراً بنظر امتحان وہاں پہنچا، دیکھا کہ وہ درخت واقعی سرسبز و شاداب ہے۔ نفل ہے آپ نے جب اپنے پدر بزرگوار کا مقبرہ تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو مہار کو بلا کر کہا کہ تعمیر مقبرہ کا تمام تخمینہ کاغذ پر لکھو و تا کہ تمام خرچ یک بار تمہیں پیشگی دے دیا جائے۔ معمار نے اسی وقت تخمینہ لگا کر اور کاغذ پر لکھ کر حاضر خدمت کیا جو چند ہزار روپے پر مشتمل تھا۔ آپ نے کاغذ کو دیکھ مصلے کا کنارہ اٹھایا اور کہا، اپنے تخمینے کے مطابق مطلوبہ رقم لے لو۔ معمار نے جب وہ رقم شمار کی تو عین اپنے حساب کے مطابق پائی۔ مقبرہ کی تعمیر شروع ہو گئی مگر چند روز کے بعد معمار پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا، حضرت وہ رقم اندازے کے مطابق پوری نہیں ہو گی، کچھ مزید ضرورت پڑے گی۔ فرمایا: تیرے لکھے ہوئے کے مطابق مجھے غیب سے جو عطا ہوا تھا، تجھے دے دیا۔ اب دوبارہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے ان شاء اللہ اسی میں سب کچھ پورا ہو گا۔

۱۰۰۰۔۱۰۰۰ میں بعد مالگیری وفات پائی۔ مزار بمقام حجرہ واقع ہے۔

چوں صغی شد از جہاں با صد صفا
و ان صغی اللہ ولی محتشم! رحلت آن شاہ مخدوم سعید
ہم صغی اللہ مخدوم سعید

۱۱۷۔ حضرت شیخ حاجی عبدالجلیل قدس سرہ

شیخ رنگ بلاول کے مرید و خلیفہ تھے۔ مشائخ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کا نقش جو انہیں اپنے مشائخ سے دست بدست ملا تھا۔ اس کا روضہ لاہور میں بنوایا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے سات بار مشرف ہوئے تھے۔ ان کا ایک دوست غلام رسول نامی سوداگر تھا اس نے بھی ارادہ حج کیا اور آپ سے رخصت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت زوی۔ فرمایا: میں نکات حج کئے ہیں جو سب کے سب مقبول ہیں ان میں سے میں ایک کا ثواب تجھے بخشا ہوں۔ اس نے عرض کیا، مجھے زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی سجدہ شتیاق ہے۔ کہا، آج کی رات

یہیں قیام کرو۔ پھر تمہارا اختیار ہے۔ چنانچہ اسی رات غلام رسول سوداگر نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اور اس کے بعد زیارتِ روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہوا ہوں۔ صبح اٹھ کر حاضر خدمت ہو کر حلقہٴ ارادت میں داخل ہوا اور اسی روپے سے روضہٴ قدیم رسول تعمیر کرایا۔

۱۰۸۲ء بعد از رنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

جیل آن جمالی جسیلان دیں	چو جایانت در خلد بے قال وقیل
دم رطقتش گفت "نرخش آستان"	وگر بارہ "محبوب شیخ الجیل"
۱۰۸۲	۸۲

۱۱۸۔ حضرت حاجی محمد ہاشم گیلانی قدس سرہ

جلیل القدر قادری مشائخ سے ہیں۔ والد کا نام سید صوفی علی بن سید بدرالدین تھا۔ سلسلہ نسب سید محمد نوث علی اوچی گیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب علم و فضل و کمال تھے۔ بارہ برس تک مکہ عرب و عجم و شام کی سیاحت کی تھی۔ اس دوران سیاحت میں حلب جا کر اپنے جدِ بزرگوار شمس الدین علی کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے اور دیگر بہت مشائخ کی صحبت سے اخذ فیض کیا۔ پھر لاہور آکر درس و تدریس اور ہدایتِ خلقی میں معروف ہو گئے۔ مرجعِ خلائی تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ اقدس سے اکتسابِ فیض کیا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۱۰۸۷ء میں بعد از رنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار صاحبِ تحقیقاتِ حشری کی تحقیق کے مطابق تیکر اعلیٰ والا بیرون لوہاری دروازہ لاہور واقع ہے۔

شد چو در خلدِ معلیٰ از جہاں	سید ہاشم ولی مقتدا
سالِ ترحیلش بہ سرور شد عیاں	ماہتابِ ہاشمی قلبِ صفا
	۸۲

اور خود نکاح کا دعویٰ جاری ہوا۔ بادشاہ نے آپ کو دہلی طلب کیا۔ آپ دہلی پہنچ کر شہر کے باہر اپنے خیمہ میں ٹھہرے اور اپنے آنے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ آپ کا ایک ارادت مند بادشاہ کے خاص ملازمین سے تھا اس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی بادشاہ شیخ اشرف لاہوری کی پاسداری و لحاظ کی وجہ سے آپ کے متعلق کچھ اور ہی خیال رکھتا ہے اگر حکم ہو تو آج رات ہی بادشاہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: مگر نہیں، بادشاہ پاسبانِ خلی ہے اپنی حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کی بجائے کسی اور کو بادشاہ مقرر کر دے۔ اس اثنا میں عالمگیر نے شیخ اشرف مدنی کو حکم دیا کہ وہ بھی شہر کے باہر جا کر جس جگہ سید محمد امیر مدظلہ نے خیمہ لگایا ہوا ہے۔ وہیں جا کر اپنا خیمہ لگائے اور مقدمے کے فیصلے تک وہیں رہے۔ اس وقت قہر شاہی میں مقیم تھا اس نے انتقالِ مقام کو اپنی ذلت و شکست تصور کیا اور مقدمہ سے دست بردار ہو گیا۔ آپ مظفر و منصور واپس آئے۔ جن دنوں آپ دہلی میں قیام پزیر تھے آپ کے علمی و روحانی فضل و کمال کا شہرہ سن کر عالمگیر بھی ایک روز آپ کی ملاقات کے لیے خیمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے جب بادشاہ کے آنے کی اطلاع پائی تو اٹھ کر بیت الخلاء میں چلے گئے اور وہاں سے ایسے غائب ہونے لگے کہ بادشاہ نے کچھ پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ انتظار کیا پھر آپ کے فرزند سید نور الدین محسن کو دریافتِ حال کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے بیت الخلاء کے دروازے پر آکر آواز دی تو نہ کچھ اشارہ ہوا اور نہ جواب آیا۔ آپ نے واپس آکر بادشاہ سے حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ وہ بغیر ملاقات کے واپس آگیا۔ پھر حضرت کی تلاش شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ قطب مینار پر تشریف فرما ہیں آپ نے صاحبزادہ کو قوالوں کی قوالی کرنے کا حکم دیا۔ جب قوالی کی آواز آپ کے کان میں پڑی، نیچے تشریف لے آئے۔

نقل ہے۔ آپ بادشاہ کے حکم سے دہلی تشریف لاتے ہوئے ایک رات منزل گاہ میں آرام کر رہے تھے کچھ خدمت اپنی اپنی جگہوں پر سر رہے تھے۔ ایک خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ کے پاؤں کی جانب ایک عجیب و غریب شکل کا انسان کھڑا ہے۔ خادم نے عرض کیا، حضرت! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تجھے اس سے کیا کام، جا تو بھی آرام کر۔ وہ جا کر اپنی جگہ پر تو لیٹ گیا مرنے کے مارے رات بھر اسے نیند نہ آئی۔ صبح کو پھر حضرت سے

دریافت کیا۔ فرمایا، وہ جنوں کا بادشاہ تھا اور کتا تھا کہ اگر ارشاد ہو تو ابھی سب کچھ درہم برہم کروں۔
مگر میں نے اُسے اجازت نہیں دی اور اپنے کام کو خدا کے حوالے رکھا۔

۱۱۰۲ء میں بعد اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار حجرہ میں عبادت گاہِ خلق ہے۔
شد بہ جنت چو میر بالا پیر!! طرف سالش زخامہ تحریر است
آفتاب حقیقت است و دگر 'مجتبیٰ میر حق جہانگیر' است

۱۲۱۔ حضرت شیخ حاجی محمد قادری المشہور بہ نوشاہ گنج بخش قدس سرہ

آپ حضرت شاہ سلیمان قادری کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ آپ مادر زاد ولی اللہ، صاحبِ جذب اور محمود شکر اور محبت و عشق اور شوق و ذوق اور دہدوریا صفت تھے۔ ولایت کے بادشاہ اور صاحبِ خوارق و کرامات تھے۔ طریقہ نوشاہیہ قادریہ کے امام اور مشیوا تھے۔ فقیریں مقاماتِ بلند اور شانِ ارجند رکھتے تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حاجی غلام الدین بڑے عابد بزرگ تھے۔ سات حج کیے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیونی موضع گھوگا نوالی میں سکونت رکھتی تھیں۔ جب آپ بی بی جیونی کے شکم میں تھے تو آپ کے والد ماجد کو بیت اللہ تشریف جانے کا اتفاق ہوا۔ رخصت کے وقت اپنی اہلیہ صاحبہ کو تاکید کی کہ جو فرزند تمہارے پیٹ میں ہے، یہ مقدمے زمانہ اور فردیگلاہ ہونے والا ہے۔ جب یہ متولد ہو تو اس کی تربیت و پرورش میں پوری پوری کوشش کرنا۔ ان کے بعد حضرت شاہ سلیمان اپنے مسکن دہلوال سے چل کر بی بی صاحبہ کے پاس تشریف لائے اور بشارتیں دیں۔ پیدا ہونے والے بچے کی تربیت کے متعلق بہت تاکیدیں کیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو پھر حضرت شاہ سلیمان تشریف لائے، حضرت نوشاہ کو گود میں لیا اور بڑی مہربانیاں کیں اور اپنے خرقہ سے ایک ٹکڑا الگ کر کے آپ کو پہنا دیا اور خود واپس چلے گئے۔

جب حضرت نوشاہ نو ماہ کی عمر کو پہنچے، ایک دن ٹھورے میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ اٹانچہ کر رہی تھیں۔ اچانک ایک ہمسایہ عورت جو بی بی صاحبہ کی ارادت مندوں سے تھی،

آئی اور مھولا کے پاس جا کر آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اپنی گود میں لینا چاہا، دیکھا تو ایک سیاہ سانپ سر سے پاؤں تک حضرت نوشاہ عالیجاہ سے لپٹا ہوا ہے، وہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور چلائی۔ جب بی بی جیونی صاحبہ نے اس کی چیخ سنی، بچتے کے پاس جا کر دیکھا تو کوئی سانپ نہیں تھا، حیران ہو گئیں۔ اسی اثناء میں گوشہ سے آواز آئی کہ یہ عورت ناپاک حالت میں چاہتی تھی کہ ہاتھ ہمارے جسم کو لگائے اس لئے اس کام سے اس کو باز رکھا، حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب حضرت نوشہ صاحبہ پانچ برس کے ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار سفر حج سے واپس تشریف لائے آپ کو ایک حافظہ وقاری کے پاس قرآن پڑھنے کے لئے بٹھایا۔ آپ نے چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک سال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی شیخ اسمعیل پیدا ہوئے۔ جب حضرت نوشاہ شہ سال کی عمر کو پہنچے تو دنیا کو ترک کر کے اور اپنے اقداب کے میل ملاپ سے کنارہ کش ہو کر ساڈل بار میں جاں بڑا جگمگاتا پھرتے گئے۔

آپ کے والدین بڑی تلاش کے بعد وہاں پہنچے اور بڑی مشکل سے آپ کو اپنے پاس لائے اور موضع نوشہرہ میں ایک بزرگ گھرانہ میں آپ کی شادی کر دی۔ آپ نے موضع نوشہرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ چھ سال تک ساری رات دریا کے کنارہ پر کھڑے ہو کر یادِ الہی میں گزارتے رہے اور سارا دن نوشہرہ کی مسجد میں تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول رہا کرتے۔

شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ جن دنوں آپ اپنے سسرال کے ہاں اقامت پذیر تھے۔ ایک شخص نے آپ سے کہا، ملا کریم الدین ساکن موضع جوگالی نے اپنے فرزند شاہ سلیمان قادری سے ہر موضع بھلاوال ملاقہ بھیرو میں سکونت رکھتے ہیں ان سے فیضِ عظیم پایا ہے اور اس وقت وہ مقبول حق ہے۔ اگر آپ بھی ان کی وساطت سے شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوں تو نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ چنانچہ ملا کریم الدین کے پاس پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر حضرت شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جو نہی انہیں دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان خوش آمدید بڑی انتظار کرائی۔ آؤ ہمارا گھر تمہارا ہی گھر ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے تیری لئے ساڈل بار، نہیں بلکہ گوندل بار، سبے جو گجرات کی تحصیل پھالیہ ضلع سرگودھا کو محیط ہے۔ ساڈل بار ضلع

شیخ پورہ و لائل پورہ ہے اور ان علاقوں میں حضرت نوشہ کا آنا ثابت نہیں۔

ہی امانت ہے۔ آپ اسی وقت حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر عرفان و معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ تکمیل سلوک کے بعد مرشد نے خرقہ خلافت پہنایا اور نوشاہ گنج بخش کے خطاب سے نوازا۔ مرشد کو آپ کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں اور اپنے دونوں فرزندوں تاج محمد اور رحیم داد کو بھی تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت نوشاہ قوم گلگو سے تعلق رکھتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے آپ قوم گلگو سے نہ تھے بلکہ قوم کھوڑا کھوڑا سے تھے۔ اس قوم سے مشہور ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اپنی حکومت اور سرداری کے زلٹنے میں اس قوم کی ایک سین و جیل لڑائی پر غاشتی ہو گئے تھے اور اس کے عشق میں ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ اسی قوم کے طور طریقے اختیار کرنے۔ آخر یہ عشق مجازی عشق حقیقی میں تبدیل ہو گیا اور آپ زمرہ اولیاء میں آ گئے۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک آپ کے بزرگوں میں پشت بہ پشت ولایت چلی آرہی ہے۔ چنانچہ آپ کے عم بزرگوار شیخ رحیم بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحبِ ولایت تھے۔ اور انہوں نے اپنے بھائی علاء الدین کو بشارت دی تھی کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھر ایسا فرزند پیدا ہوگا کہ اپنے عہد میں ظاہر و باطن کا بادشاہ ہوگا۔

نقل ہے ایک ساربان اپنی نابینا بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس امید پر

لے تاج محمد نہیں بلکہ تاج محمود ہے (تذکرہ نوشاہی قبلی و اذکار نوشاہی)

لے نوشاہی خاندان کے پرانے شجروں اور خطی بیاضوں میں حضرت زوشہ گنج بخش کو علوی النسب لکھا ہے اور آپ کی تمام اولاد اسی نسب کو مستند سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس کتابِ نسب نامہ ساداتِ اٹلی ورق ۷۰۰، نمبر کتاب ۱۲۰۹ ذخیرہ میرانی کتابِ خاتہ و انبش گاد پنجاب لاہور اور تحفۃ الفقراء میں آپ کو علوی گیلانی سادات سے لکھا ہے۔ نیز یہ بھی مد نظر رہے کہ کسب سے نسب نہیں بدلتا، جیسا کہ حضرت سید امیر کلال نے بزن بنانے کا کام کیا تو ان کی سیادت میں فرق نہیں آیا۔ تذکرہ نوشاہی میں جو کھوڑا لکھا ہے اس سے مراد وہ کھوڑا ہے جو سید مومن قطب شاہ علوی بغدادی کے بیٹے سید زمان علی الملقب بہ کھوڑا کی اولاد سے ہیں۔ اس مسئلہ میں سید شرافت نوشاہی نے دو کتابیں انوار السیادت اور سیادت علویہ لکھی ہیں اور سید ابوالکمال برق صاحب نے لوائع البرکات فی تحقیق السادات لکھی ہے۔ محققین ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

سید شیخ رحیم اللہ غلط لکھا گیا ہے ان کا صحیح نام رحیم الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہی قبلی)

کہ شاید آپ کی دعا و برکت سے یہ بنیا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ساربان کی بیوی کو اپنے سامنے بٹھا کر کہا، آنکھیں کھول اور میری طرف دیکھو۔ وہ اسی وقت بنیا ہو گئی۔

حافظ مسموری جو حضرت نوشاہ کے مزید و خلیفہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حاضر خدمت تھا میرے دل میں خیال گذرا کہ روزِ ہجرت تمام قومیں اپنے اپنے فرقوں میں بٹ جائیں گی اور ہر گروہ کو علم دینے جائیں گے اور ہر فرقہ اپنے سردار کے علم کے نیچے ہو گا آیا یہ مسئلہ دست ہے یا نہیں۔ میں جب اُس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہے، لوگوں کا بڑا ہجوم ہے بے شمار علم نظر آرہے ہیں۔ ان میں ایک علم سب سے بلند دیکھا۔ آواز آئی یہ علم غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ جب میں نے نوشاہ عالیجاہ کا علم تلاش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نوشاہ اُس علم کے نیچے اپنے یاروں کے ساتھ ایک بلند تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: حافظ مسموری آجاؤ تمہاری جگہ بھی اسی علم کے نیچے ہے۔ جب صبح کو میں حاضر خدمت ہوا، ابھی خاموش ہی تھا کہ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، حافظ مسموری مسئلہ یوم الحشر اور علموں (مجتہدوں) کا نصب ہونا جس طرح تم نے دیکھا اسی طرح ظہور میں آئے گا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہ ہی بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص جیون نامی حجام آپ کے مریدوں سے تھا۔ موضع باہر کے میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے عرض کیا، اگر حضرت میری کھیتی پر تشریت لائیں تو میرے لئے باعثِ عزت و برکت ہو گا۔ آپ نے اس کی التجا منظور فرمائی اور اسی وقت چل پڑے چونکہ موضع باہر کے موضع نوشہرہ سے قریباً دو کوس کے فاصلے پر تھا اور نمازِ عصر کا وقت تھا۔ خدام نے چاہا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر چلیں یا رانِ طریقت یہ سنی کہ خاموش ہو گئے مگر سب کے دل میں یہ خدشہ تھا کہ وہاں پہنچے تک نماز قضا ہو جائے گی مگر جب آپ وہاں پہنچے تو سورج ابھی تک اُسی جگہ قائم تھا۔ دیر تک وہاں آرام کیا اور نماز ادا کرنے کا خیال تک نہ تھا، سورج بھی اس سے آگے نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد جیون حجام کی زمین پر جا کر نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حاضرین مجلس سے فرمایا، دستِ خداوند تعالیٰ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں کہ اگر وہ چاند سورج کو یہ حکم دیں کہ وہ ٹھہر جائیں تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔

شیخ تاج الدین حافظ مسموری کے فرزند اور آپ کے نواسہ تھے ان کی ربانی صاحب

مذکورہ نوتسابی رقمطراز ہیں۔ ایک رات حضرت نوشاہ بستر پر لیٹے ہوئے فرما رہے تھے کہ یکایک ہاتھ اٹھا کر کئے لگے، نہ مارو، نہ مارو۔ آپ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو منع فرما رہے ہیں۔ صبح یارانِ طریقت نے حاضر ہو کر اس راز کو دریافت کرنا چاہا فرمایا: ابھی معلوم ہو جائے گا کہ فوراً اسی وقت شمشیر نامی شخص جو موضع پانڈو وال کا چودھری تھا حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: کیوں چودھری رات خیریت سے گزری عرض کیا: حضور کی توجہ سے جان بچ گئی۔ آج رات میں سو رہا تھا کہ دشمنوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ تجویز یہ سوچی کہ پہلے چالیس پچاس آدمی موضع پانڈو وال پر حملہ کریں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے پیچھے اٹھا کر باہر نکال لائیں۔ کچھ آدمی گھات میں چھپ کر بیٹھ جائیں جب میں ان کے قریب پہنچوں تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں۔ پس جب انہوں نے گاؤں پر حملہ کیا میں اور میرے ساتھی مقابلے کئے نکلے۔ رات بڑی تاریک تھی، ہم ادھر ادھر بکھر گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ کس طرف ہو، دشمن جو کہیں گاہ میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے آواز دی: ادھر آ جاؤ۔ میں ان کی طرف چل پڑا۔ قریب پہنچا تو معلوم ہوا یہ میرے رفیق نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ دونوں اور تلواروں سے مجھ پر چل پڑے۔ اس وقت حضرت نوشاہ کا نام بے اختیار میری زبان پر آ گیا۔ آپ سے استمداد چاہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور دشمن بھاگ چکے تھے۔

نقل ہے، ایک روز موضع ساہن پال کے زمیندار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کم زراعتی اور اہل دیہہ کی خستہ حالی بیان کی اور عرض کیا، ان حالات میں بھی دو ہزار روپیہ معاملہ کا سرکاری خرچہ میں جمع کرانا ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے گاؤں کا معاملہ کتنا ادا کر سکتے ہو، عرض کیا: اگر نو سو روپے مقرر ہو جائیں تو بہ سہولت ادا ہو سکے گا۔ فرمایا: ان شاء اللہ نو سو روپے ہی مقرر ہو جائیں گے۔ چند روز کے بعد صوبہ دار لاہور نے گاؤں کے چودھری کو بلایا اور نو سو روپیہ گاؤں کا سالانہ معاملہ مقرر کر دیا مگر چودھری نے اپنے ذاتی طمع کی وجہ سے گاؤں والوں پر ایک ہزار روپیہ ظاہر کیا۔ جب یہ خبر آپ کے کان تک پہنچی تو چودھری کو بلا کر فرمایا کہ موضع ساہن پال کا معاملہ نو سو روپیہ لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے تو ایک ہزار روپیہ کیوں ظاہر کرتا ہے۔ چودھری سخت

شرمندہ ہو کر معذرت خواہ ہوا۔

تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے، حضرت نوشہ عالیجاہ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر مسجد میں مسافر و مساکین جمع ہو جاتے تو ان کے لئے پہلے تو اپنے گھر سے طعام مہیا کرتے پھر تمام گاؤں والوں کے پاس جا کر اکٹھا کرتے۔ ایک روز مستی مستی تام رانجہ کے گھر گئے اور طعام طلب کیا۔ وہ خود گھر میں موجود نہیں تھا اس کی بیوی بڑی کنجوس تھی۔ آٹے والا برتن ران کے نیچے چھپا کر کہا: آج گھر میں آنا نہیں ہے۔ آپ خاموش واپس آگئے مگر آٹے والا برتن اسی وقت اس کی ران کے ساتھ چھٹ گیا بڑی کوشش کرنے کے باوجود جُدا نہ ہوا۔ اس عورت کا خاوند یہ حال دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معذرت چاہی اور خلاصی کے لئے استدعا کی۔ فرمایا: خلاصی پانے گی۔ چنانچہ آٹا اسی وقت اس عورت کی ران سے جُدا ہو گیا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی کے قول کے مطابق حضرت نوشاہ عالیجاہ نے ۱۱۰۳ھ میں بہ عید اورنگ زیب عالیکیوفات پائی۔

زیرِ فرماں یافت چوں ملکِ جاناں

نیز مہدی گنج بخش دو جہاں

قلب زاہد گنج بخش آمد عیاں

نیز سال ارتحالش بے گماں

حضرت نوشہ شاہ با کمال !!

رحمتش گو ہادی حق گنج بخش

باز سال ارتحال آں جناب

پیر فیاض و محمد اعظم ست

ایضاً

جناب شاہ نوشاہِ دل آگاہ

خرد گفتا زہے نوشاہِ زیجاہ

ز دنیا شد چو در غلہِ معنی

تاریخ وصال آں شہِ دین

حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمہ اللہ اور دیگر نوشاہی بزرگوں کی تواریخ وفات منقح غلام سرور مرحوم نے غلط لکھی ہیں۔ حضرت نوشہ قدس سرہ کی خانقاہ کے موجود الوقت سہ ماہ نشین سید شریفین احمد شرافت نوشاہی جو جید عالم، بلند پایہ مصنف اور متقی بزرگ ہیں، نے اپنی جلد تصانیف میں خاندانی قلمی کتب کے حوالوں سے حضرت نوشہ کا سال وصال یہ لکھا ہے:

۱۲۶۔ سید جعفر بن حاجی محمد شام بن صوفی علی گیلانی قادری

اپنے عہد میں جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت تھے۔
 ماہ جمادی الاخریٰ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار تکیہ اعلیٰ والا
 (بقیہ ماشیہ ص ۱۲)

حضرت نشاہ عالی جاہ کی وفات بروز شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۵۳ء
 بہ ہمد شاہ جہان بادشاہ ہوئی۔ آپ کا روضہ اطہر مقام ساہن پال شریف (ضلع گجرات) گاؤں سے
 نصف میل شمال کی طرف مزج خلائی ہے۔ ماہ تاریخ "فیض قدسی" ہے۔ (اذکار نوشاہیہ
 مولفہ شرافت نوشاہی ص ۱۲)

شرافت صاحب نے معقارہ انداز میں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ مفتی صاحب سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔

کہتے ہیں،

"مفتی غلام سہروردی لاہوری (دہلی ۱۳۰۰ھ) نے کتاب خزینۃ الاصفیاء جلد اول میں ج ۱۲۸۰ھ میں تصنیف
 کی ہے، تقریباً ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات ۱۱۰۳ھ میں ہوئی اور اس پر حوالہ "تذکرہ نوشاہیہ" لکھا گیا ہے
 حالانکہ اس میں بتصریح ۱۲۹۳ھ لکھا ہے، جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ مفتی صاحب کو
 حوالہ سمجھنے میں غلطی ٹک گئی ہے، جس کے وجوہات یہ ہیں،

حضرت مرزا احمد بیگ لاہوری نے "مقامات حاجی بادشاہ" الموسوم بہ رسالہ "الاعجاز" حضرت
 نوشہ صاحب کے حالات و کرامات میں لکھا، جو بعد میں بنام "رسالہ احمد بیگ" مشہور ہو گیا۔ یہ رسالہ حضرت
 نشاہ عالم کی وفات سے تینتالیس سال بعد کی تصنیف ہے اور خاندان نوشاہی کے تذکروں میں اس کو
 بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت سید حافظ محمد حیات ربانی کو ۱۱۴۶ھ میں رسالہ احمد بیگ کا ایک نامکمل نسخہ ملا، جس کے متعلق
 لکھتے ہیں: "اکثر جبارتش از بسیاری کسنگی رنختہ بود" یعنی بہت پرانا ہونے کی وجہ سے اس کی اکثر جبارتیں مٹ
 چکی تھیں، انہوں نے اس کی اصل جبارتوں کو بدستور رہنے دیا اور اپنی طرف سے مزید حالات اضا فر کے "تذکرہ
 نوشاہیہ" مرتب کیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور میں ہے

حضرت جعفر مشہور دنیا و دین سید اکبر مقدس متقی
مولدش "افضل مکل" شہ عیال رعلتش "جعفر مقدس متقی"
۱۰۴۱ھ ۱۱۰۶ھ

بقیہ ماشیہ ص ۲۵۲

اب ثابت ہوتا ہے کہ منہ نظام سرود لاہوری کو "تذکرہ نوشاہیہ" (قلمی) کی عبارتوں میں اشتباہ و التباس واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ تحقیق نہیں کر سکے کہ اس میں "رسالہ احمد بیگ" کی کون سی عبارت ہے اور تذکرہ کی کون سی۔ چنانچہ ایک جگہ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں: "بشکام نوشتہ منی رسالہ کہ بعد از دو سال حضرت شاہ چل و سر سال گزشتہ بود" (یعنی رسالہ تصنیف کرنے کے دوران میں جب کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات کو تینالیس سال گزر چکے تھے) منقی صاحب نے اس عبارت کو تیسرے حافظ محمد حیات صاحب کی عبارت بجا اور چونکہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے ریباج میں اس کا سال تصنیف ۱۱۴۹ھ تحریر تھا۔ اس سے تینالیس سال تفریق کر کے ۱۱۰۶ھ کو حضرت نوشاہی مالی جاہ کا سن وفات قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ عبارت مرزا احمد بیگ کی تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات یعنی ۱۰۶۲ھ سے تینالیس سال بعد رسالہ تصنیف ہوا، جس سے ۱۱۰۶ھ مشتق ہوتا تھا۔

مرزا احمد بیگ صاحب رسالہ اور تیسرے حافظ محمد حیات صاحب تذکرہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت نوشہ صاحب کا نام نامی اپنی اکثر جلدوں میں بوجہ ادب کے "حضرت شاہ صاحب" یا "حضرت شاہ جیو" لکھا کرتے ہیں۔ منقی صاحب کو یہ عبارت نظر پڑی کہ حضرت شاہ جیو کی وفات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی تو انہوں نے شاہ جیو سے حضرت شاہ سلیمان نوری کو مراد لیا، جو حضرت نوشہ صاحب کے پیر طریقت تھے اور ۱۰۶۲ھ ان کا سال وفات درج کر دیا۔ غالباً اس کے بھی کسی ماہ تاریخ کے احوال شمار کرنے میں غلطی لگ گئی تو ان کی وفات ۱۰۶۵ھ لکھ دی۔ حالانکہ تذکرہ نوشاہیہ میں ان کی تاریخ درج ہی نہیں۔ خاندان کے دوسرے تذکروں "مدقہ الزکیہ" وغیرہ میں ان کی تاریخ وفات ۱۰۱۲ھ لکھی ہے، جو اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے

شاہ سلیمان رفت در دار البقا

"غیب" تاریخ سن ہجری بجا
۱۰۱۳ھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

marfat.com

Marfat.com

۱۲۳۔ سید عبدالحکیم گیلانی قدس سرہ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہ کی اولاد و امجاد سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے سید یعقوب بعد ابو الفتح مبارک شاہ ایران سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت

(بقیہ ما شیہ ص ۱۱)

مفتی صاحب اگر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے مصنف حضرت نوشہ صاحب کو حضرت شاہ جو کھا کرتے ہیں اور ان کے پشیرا حضرت شاد سلیمان کو "حضرت شاہ شاہاں".....
 "تذکرہ نوشاہیہ" میں صرف حضرت نوشہ گنج بخش اور آپ کے دونوں بزرگان (شاہ عصمت اللہ و حافظ جمال اللہ) کی تاریخیں ہی درج ہیں۔ ان تینوں کے سوا کسی بزرگ کی تاریخ اس میں تحریر نہیں۔ مفتی صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کے فرزندوں اور خلیفوں کے حالات تو "تذکرہ نوشاہیہ" میں سے نقل کئے اور تاریخیں محض اپنے قیاس اور تخمین سے درج کر دیں اور ان کو مستند بنانے کے واسطے "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ دے دیا۔ حالانکہ مکہ میں ان تاریخوں کا نام تک نہیں۔ کمالاً یعنی ارباب العلم والتحقیق۔ مقولہ ہے ذلہ العالم ذلہ اعالم۔ یعنی عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش کا موجب ہوتی ہے۔ یہی امر یہاں واقع ہوا۔ مفتی صاحب کے بعد جس مورخ نے کوئی کتاب لکھی، چونکہ نوشاہی خاندان کے مستند و معتبر تذکرے بوجہ قلمی اور نایاب ہونے کے اس کی نظر سے دو گزرے اس نے خزینۃ الاصفیاء کو ہی اپنا ماخذ اور چراغ راہ بنایا اور اسی کی مندرجہ تاریخوں کو اپنی کتاب میں بلا تحقیق درج کر دیا اور انہیں کے اہتمام پر "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ بھی بغیر ملاحظہ کئے دے دیا۔
 (ادکار نوشاہیہ از صفحہ ۳ تا ۲۹)

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہ اور ان کے سلسلہ عالیہ کے جملہ بزرگوں، خلیفوں اور اولاد و احفاد نیز آج تک کے نوشاہی فقرا کے حالات کے لئے "شریعت التواریخ" (سہ جلد) مرتضیٰ جناب شرافت صاحب، جو تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل اور ہنوز غیر مطبوع ہے، بجز غار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب شرافت صاحب نے سلسلہ نوشاہیہ کی ہر ذرہ علمی فضیلت سرانجام دی ہیں، ان کی تفصیل کے لئے کتاب "حوالہ و آثار سید شرافت نوشاہی" مرتضیٰ محمد اقبال مجددی دیکھنی چاہئے۔

سلسلہ خاندان سادات خضرخانہ سے تھا۔ خضرخان بن سیمان کی وفات کے بعد بادشاہ ہوا۔ تیرہ سال ایک ماہ بادشاہی کی قلم مبارک پر آباد کیا۔ وہ حرم میں وفات پائی۔

اختیار کر کے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ان کی اولاد میں سید انجم الدین نے اپنے علمی فضل و کمال کے باعث بڑی شہرت پائی۔ ۱۳۴۰ھ میں وہی آئے۔ بابر کے دربار میں عزت و منزلت پائی۔ ان کے پڑوتے سید نظام الدین وہی سے نقل مکانی کر کے لاہور آ گئے، ان کے فرزند ملا یازید اپنی فضیلت علمی کی وجہ سے مشہور زمانہ تھے۔ لاہور میں آپ کی ذات اہل علم کی توجہ کا مرکز تھی۔ اچھے اچھے فاضل آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور صاحبِ درسیں بن کر نکلے۔ آپ کے تین فرزند سید عبداللہ، سید الدواد اور سید عبدالحکیم تھے۔ سید عبدالحکیم بڑے پایہ کے عالم والد ماجد کے صحیح ہانشین، جامع علوم و فنون اور صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ حضرت عبداللہ قادری سے بیعت حاصل تھی۔ بڑے متحمل مزاج، مستغنی الطبع اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ اخلاقِ حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ کی ذات علومِ ظاہری و باطنی کا خورشید تھی۔ شاہجہان نے دو تین مرتبہ دربار میں آپ کو بلایا۔ آپ ہر بار ٹال گئے، نہیں گئے۔ تمام مرشادوں اور مریدوں کی تہذیب و تکمیل میں گزار دی۔ جو کوئی بھی آپ سے ملتا آپ کے علم و خلق سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکتا۔ پودہ پوشی آپ کا وصفِ خاص تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ موضع سوریوں میں اپنے ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس نے غلطی سے چاولوں پر شکر کی بجائے نمک ڈال دیا اور وہ طعام آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا اور کمانے کی التجا کی۔ آپ نے جتنا چاہا، کھایا۔ باقی بطور تبرک دوسروں نے چکھا۔ اس وقت غلطی کا پتہ چلا سفدت خواہ ہوا۔ فرمایا: میں نے تو شکر کھاٹی ہے نمک کی تو مجھے خبر نہیں۔ ۱۰۲۱ھ میں بہارِ حجاز میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ میں بہارِ اوزنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ اولاد موضع اچھرہ میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

۱۰۲۱ھ	شہ عبدالحکیم آن مسدن فیض	کہ بود او مطلع نور سعادت
۱۱۰۸ھ	زہ شمس التقین، تولید او گیر	وصالش گورہ شنشاہ ولایت

۱۲۴- سید محمد فاضل متوکل لاہوری قدس سرہ

عالم و فاضل، متوکل و متورع تھے۔ ریاضت و عبادت اور تجرید و تفرید میں شہرہ آفاق تھے۔

marfat.com

Marfat.com

تمام زندگی دائم الصوم اور قائم التیلیل رہے۔ ان کے والدیاجد جب حج کے لیے ہانے لگے تو انہیں نصیحت کی، اسے فرزند گھر سے باہر نہ نکلنا۔ اپنے گھر ہی میں معروض عبادت رہنا۔ چنانچہ اس نصیحت پر تمام عمر عمل کیا۔ ایسے خاندان میں جو نے کہ مر کر ہی گھر سے نکلے۔ اور نگ زیب مالگیر کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر حاضر خدمت ہو کر فرائض و بکات حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ نقد و جنس و بالگیر پیش کی مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔

۱۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل مدفون ہوئے۔ مالگیر نے مقبرہ و مسجد بنوائی تھی جسے مزنگ کے زمینداروں نے خشت فروشی کے لالچ میں انگریزوں کی علمداری کی ابتدا میں مسمار کر کے اینٹیں بیچ دیں۔ اس سے قبل سکھوں نے روضہ کے گیتی پتھر اکھاڑ کر اسے خستہ کر دیا ہوا تھا۔

چوں شہ فاضل ولی اہل فضل
قبلہ دین فاضل آمد رطلتس
شہ از دنیاے دوں اندرجاں
نیزہ زیب اصفیاء فاضل بجاں

۱۲۵۔ خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاد گنج بخش کے اکابر مریدوں اور خلیفوں میں سے تھے۔ اصل وطن کابل تھا۔ طلبِ خدا میں ہندوستان آکر حضرت نوشاد کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ مالگیری حکومت کے ملازم بھی رہے۔ پھر کلی طور پر ترکِ علاقہ اختیار کر لی۔ صاحبِ جذب و سکر اور عشق و محبت تھے۔ طبیعت میں بڑا سوز و گداز تھا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی فرماتے ہیں کہ خواجہ فضیل صاحب کابل میں وصی کے لقب سے ملقب تھے۔ جس فاسق و ناجر پر سات جذب و سکر میں نظر پڑ جاتی، عارفِ کامل ہو جاتا۔ کسی مردہ پر پڑتی تو زندہ ہو جاتا۔ ننگا و غضب سے کسی طرف دیکھتے تو اس کی جان تن سے نکل جاتی، غرض آپ کے احوال و مقامات عجیب و غریب تھے۔

یہ عالمگیر کا زمانہ نہ تھا، شاہجہان کا عہد حکومت تھا۔

نقل ہے ایک مرتبہ چند کابلی و تھانوں نے یہ نظر امتحان ایک زندہ شخص کو چار پائی پر ڈال کر یہ ظاہر کیا وہ مردہ ہے اس کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت خواجہ محمد فضیل بھی شریک جنازہ ہو گئے کہ نماز جنازہ فرض کما ہے۔ جب قبرستان پہنچے تو لوگوں نے آپ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا ان کی سازش یہ تھی کہ جب خواجہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں اور تکبیر کہیں تو وہ شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اس طرح خواجہ کی کرامت کا حال کُل جائے گا۔ آپ نے ان لوگوں کے اصرار پر نماز جنازہ پڑھائی قبول کر لی اور نماز جنازہ کی نیت باندھ کر نماز پڑھائی۔ لیکن وہ شخص نہ اٹھا، سب حیران ہوئے۔ چار پائی کے پاس جا کر دیکھا تو معلوم ہوا اس کی روح جسم عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ گریہ و زاری کے ساتھ معذرت خواہ ہوتے۔ خواجہ نے فرمایا: باب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے مردے ہی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اب تیرکان سے نکل چکا ہے۔

نقل ہے کابل کے ایک شاہی باغ میں پہاڑ کی ایک چٹان آگری، وہ اس قدر وزنی تھی کہ اٹھائے نہیں اٹھتی تھی۔ باغبان لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چٹان ہٹانے میں مدد مانگی۔ آپ باغ میں تشریف لائے اور چٹان کے قریب کھڑے ہو کر نعرہ الا اللہ لکایا جس سے چٹان اسی وقت پھٹ گئی اور اس کے ٹکڑے دور دور جا پڑے۔ زمین خالی ہو گئی۔ حاکم کابل نے جب آپ کا یہ تصرف دیکھا تو وہ باغ ہی آپ کی تذر کر دیا۔ آپ پر سکرو استغراق کا غلبہ زیادہ رہتا تھا اس وجہ سے حکم لا تقربوا الصلوة ظاہر اطوار پر آپ سے فراموش نماز ترک ہو جاتے تھے۔

علماء کابل نے آپ کے خلاف فتویٰ لکھا اور بلا کر کہا کہ آپ ترک نماز کے مرتکب ہوتے ہیں اس لئے ہم آپ پر شرعی حد جاری کریں گے۔ آپ نے فرمایا، بے وضو نماز جائز نہیں ہے اور میں معذور ہوں پانی میرے جسم پر رواں نہیں ہوتا اور وضو میں پانی جب تک اعضا پر رواں نہ ہو، وضو کامل نہیں ہوتا۔ علمائے پانی منگوایا اور آپ سے وضو کرنے کے لئے کہا۔ آپ ہاتھوں پر جتنا پانی ڈالتے وہ خشک ہوتا چلا جاتا گویا آگ پر پڑ رہا ہے۔ علماء نے جب یہ کیفیت مشاہدہ کی تو خاموش ہو کر چلے گئے۔ خواجہ فضیل کی وفات اقوال صحیح کے مطابق ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۲ھ میں ہے اور مزار گومبار کابل میں ہے۔

خواجہ دریں فضیل واصل حق! شد دنیا چور در بہشت بریں!!

رہلتش ہست "عارفِ سرمست"
باز فرما مکرم اختیار! ۱۱۱۱۱۱

نیز فرما "فضیلِ واصلِ دین" ۱۱۱۱۱۱
سالِ ترحیلش آن شہرِ حق ہیں

۱۲۹۔ شیخ رحیم اوقادری قدس سرہ

شاہ سلیمان قادری کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین تھے۔ حضرت نوشاہ گنج بخش سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا اور تربیت و تکمیل پائی۔ متوکل صاحبِ علم و فضل اور جامعِ اوصافِ کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ استغراقِ بجدِ کمال تھا۔ بڑے سادہ مزاج اور سادہ لباس تھے۔ صرف ایک تہبند، ایک چادر اور سفید کپڑی زیب تن جوتی تھی، جن کی قیمت دو روپے سے زیادہ نہیں جوتی تھی۔ اپنی محنت و کاشت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ اپنے پوتے محمد شفیع کو خر بوزوں کے کھیت کی نگہبانی کے لئے حکم دیا۔ ایک روز یہ کھیت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی نے آکر خر بوزہ لینا چاہا۔ انہوں نے منع کیا سپاہی نے صاحبزادہ کے مزار پر چھڑ مارا اور خر بوزہ لے کر چٹا بنا۔ صاحبزادہ نے آکر داد اسے شکایت کی۔ فرمایا: صبر کرو، وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ چنانچہ اسی رات اس سپاہی پر حالتِ دیوانگی طاری ہو گئی۔ دیوانوں کی طرح ہر شخص کے پاس جاتا اور کتا، میرے سر پر جوتے لگاؤ۔ ساری رات اسی طرح گزری، صبح اس کے وارث اسے ساتھ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ بڑی عاجز بنی و انکساری سے معافی چاہی۔ آپ نے درگزر فرما کر اسے معاف کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنی اصل حالت پر آگیا۔ شیخ رحیم داد نے ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بھلوال میں حضرت شاہ سلیمان کے مزار کے متصل ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں متقی اعظم و عظیم و رحیم

لے خراجِ فضیل کا صحیح سن وفات ۱۰۶۹ھ ہے اور مزار یہی صارا کابل میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم صفحہ اول موسم بہ
تکالیف الاطوار قلمی ص ۱۶۳)

سال تاریخ رحلت آن شاہ! گفت دل اشرف و کریم و رحیم

۱۲۷۔ سید عمر گیلانی قدس سرہ

سید محمد ہاشم گیلانی کے فرزند ارجمند اور مرید و خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے عہد کے شیخ الوقت، جید عالم اور مجتہد العصر تھے۔ سلوک نسبت قادریہ اور عقائد اہلسنت و ولند پایہ رسائل آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مرقد لاہور تکیہ اعلیٰ والا میں واقع ہے۔

عمر چوں زدنیاشد اندر بہشت بتاریخ ترحیل آن بادشاہ
عمر واصل شرع حق شد رقم عمر جاں نثار آمد اندر شمار

۱۲۸۔ سید حسن پشاوری گیلانی قادری قدس سرہ

اپنے والد بزرگوار سید عبداللہ گیلانی کے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے جد امجد سید محمود بنداو سے نعل مکانی کر کے ہندوستان آکر ٹھٹھہ (سندھ) میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد سید حسن پشاور آکر مقیم ہو گئے۔ آپ صاحب فضل و کمال بزرگ تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی زوجہ سید علی ہمدانی کی اولاد امجاد سے تھیں جو اپنی بزرگی و عظمت میں رابعہ ثانی تھیں۔ آپ نے بڑی سیر و سیاحت کی تھی اور اکابر مشائخ سے فیض و برکات حاصل کئے تھے۔ آبائی نسبت حضرت شیخ سید عبدالعقود جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند سید محمد غوث لاہوری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بقول صاحب رسالہ غوثیہ ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار

لے شیخ رحیم داد کا بیچ سال وفات ۱۰۹۳ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ توائف الاطوار قلمی ص ۱۶۴)

پشاور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں حسنِ احسن یافت درِ علمِ بریں چوں جنابِ سیدِ والا حسن !
 جلالتش "شیخِ مطلوب" گر نیز فرما "فاضلِ مولیٰ حسن" !
 ۱۱۱۵ ۱۱۱۵

۱۲۹۔ حضرت شاہِ رضا قادری شطاری لاہوری

اپنے عہد کے صوفی کمال، جید عالم اور صاحبِ فتویٰ بزرگ تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دورِ دور سے طالبانِ علم و ہدایت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضِ یاب ہوتے۔ زہد و عبادت اور دعوتِ اسمائے الہی میں بے نظیر تھے۔ مستجابِ الدعوات تھے۔ مولانا شیخ محمد فاضل لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلہٴ بیعت حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی تک

حضرت سید حسن بن سید عبداللہ گیلانی بن سید محمود (رحمہم اللہ) کے حالات کے سلسلے میں خزینۃ الاصغیاء کی چند نظیروں کی نشان دہی ضروری ہے۔ آپ کے جدِ امجد سید محمود بغداد شریف سے نقلِ مکانی کر کے ٹھٹھہ نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے والد ماجد سید عبداللہ بغداد شریف بے ٹھٹھہ میں آکر منیم ہو گئے اور یہیں تقریباً ۱۰۹۰ھ میں داخل الی اللہ ہو کر جو خوابِ ابدی ہوئے۔ جناب سید عبداللہ نے ٹھٹھہ ہی میں شادی کی تھی اور دو فرزند سید حسن و سید محمد فاضل تولد ہوئے۔

سید عبداللہ مدفون ٹھٹھہ سید حسن مدفون پشاور اور شاہ محمد غوث مدفون لاہور کے صحیح اور مستند حالات کے لئے

حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاور (جو حضرت حسن کی اولاد میں ہیں) کی تصانیف ذیل ملاحظہ ہوں: تذکرہ علماء و مشائخ مرحوم جلد اول، تذکرہ سید شاہ عبداللہ ٹھٹھوی اور تذکرہ مشائخ قادریہ حنیفہ۔

لئے عہد مالگیری میں لاہور کے جید علماء و فضلاء و فقہاء سے تھے۔ درس و تدریس کا بڑا وسیع سلسلہ تھا۔ تمام عمر اسی شغل میں گزاری۔ جامع شریعت و طریقت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے ظاہر و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے۔ لکے مشائخ متاخرین میں علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز الوقت تھے۔ فیوض و کرامات میں درجہ بلند پر فائز تھے۔ اکثر درسی کتب پر حواشی لکھی ہیں۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ ۹۹۹ھ میں وفات پائی۔ مرقد احمد آباد میں ہے۔

مفتی ہوتا ہے جو شیخ محمد غوث گویاری کے مرید تھے۔ ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بانمتِ خلد گشتِ راضی چوں شاہِ رضا والی والا
دل گنت کہ آفتابِ خلد است تاریخِ وصالِ آن معشوق

۱۳۰۔ سید محمد صالح قادری نوشاہی قدس سرہ

آپ ساداتِ عظام اور شرفاء کرام میں سے تھے اور حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے یارانِ کبار اور مہمانِ نعم خوار اور خلفائے باوقار اور خدامِ نامدار میں سے تھے۔ مرشد کی ان پر بڑی نظرِ عنایت سا کرتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مرنے دو شخص طلبِ خدا کے لئے میرے پاس پہنچی نیت سے آئے ہیں۔ ایک محمد صالح اور دوسرے محمد صادق چھینے ان دونوں دستوں نے ہم سے کافی فیض حاصل کیا ہے۔ محمد صالح نے بقول صاحبِ تذکرہ نوشاہی "۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع چک سادہ میں ہے جو گجرات سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

لے بندو ستاوی کے اویانے متاخرین میں بسے پایہ کے بزرگ گزبے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ حضرت شیخ حاجی حمید حضرت شاہ قازن کے مرید و خلیفہ تھے ان سے ظاہری و باطنی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ نیسند حضرت غوث الاعظم کے بھی اویسی مرید تھے۔ خلقِ شیر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھی۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ کتاب جو اہر خس، بحر الہیات آپ کی مشہور تصنیف کہہ سکتے ہیں۔ ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار گویاری میں ان کے مآثر پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی تصانیف "شاہ محمد غوث گویاری" مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۹۲ء لائقِ مطالعہ ہے۔

شطار اصطلاح صوفیاء میں شغلِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سادک رتبہ قانی الشاد اور بقا اللہ حاصل کرتا ہے۔ حضرت شیخ عبد اللہ شطاری اس سلسلہ کے امامِ طریقت ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے تھے اور حضرت شیخ محمد صیفوری کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔ لے تذکرہ نوشاہی میں سید محمد صالح کا سالِ وفات درج نہیں، مفتی صاحب کو حوالہ دینے میں سہوہرا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

شہدائیں دنیا پر درِ غلہ بریں
 شیخ صالح مقدّاسے دو جہاں!
 طرفہ سالِ انتقالِ آن جناب
 گشتِ شیخ الاولیاء صالح عیال!
 ۱۱۱۸ھ

۱۳۱۔ شیخ صدر الدین قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نزشاہ گنج بخش کے مالی شان مریدوں اور بلند مرتبہ والے خلیفوں سے تھے۔ سلوک و معرفت میں حالاتِ عجیب اور مقاماتِ بلند رکھتے تھے۔ مرشد صاحب اکثر آپ کے حق میں فرمایا کرتے کہ اگر قیامت کے روز میرے اور صدر الدین کے درمیان دوزخ حائل ہو جائے یقین کلی ہے کہ صدر الدین دوزخ میں قدم رکھ کر اس راہ سے میرے پاس آئے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدر الدین اوّل عمر میں دنیا کے لہو و لعب میں بے حد مشغول تھے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام کمروا تے دنیا سے تائب ہو گئے اور ترکِ علائق اختیار کر کے تکمیلِ سلوک کی اور کمالِ فقر کو پہنچے اور مقبولانِ الہی کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

رفت از دنیا چو درِ غلہ بریں!
 شیخ صدر الدین ولی متقی
 رحلتش غلّیں بگو خورشیدِ خواں
 ہم فرید العصر صدر الدین ولی
 ۱۱۲۰ھ ۱۱۲۰ھ

بقیہ حاشیہ ص ۲۹۱
 ہمارے زمانے کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بانی نوری کتب خانہ لاہور و بانی نوری مسجد المتعالیہ بوسے اسٹیشن لاہور (متوفی ۱۳۹۸ھ) حضرت سید صالح محمد صاحب کی اولادِ اجماع میں سے تھے اور سجادہ نشین۔ انہوں نے حضرت سید صالح محمد کے حالات پر ایک کتاب بنام "انوار العالین" لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ درگاہ حضرت سید ظلیح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس وقت حضرت سید محمد حسین شاہ خلیف اکبر حضرت سید معصوم شاہ سجادہ نشین ہیں۔

حضرت صدر الدین کا صحیح سن وفات ۱۰۸۱ھ ہے۔ ان کا مزار رکھو چٹھہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ (تخریف التواریخ

جلد سوم حصہ اول موسم بہار تالیف الاطراف علی مولف سید شرافت نزشاہی ص ۱۹۳)

۱۲۲۔ حضرت شاہ درگا ہی قادری لاہوری قدس سرہ

حضرت عبدالرزاق قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہی کے ساتھ لاہور آ کے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق بڑے عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق کے سلسلہ قادریہ میں تکمیل کی۔ پھر حضرت شاہ عبداللطیف چشتی صاحب برہی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ چشتیہ کی تکمیل کی اور خود خلافت پایا۔ نقل ہے آپ کی خاتوا کے پاس ایک وہبان کا کنواں تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ میرے بیٹے کو پانی دانا پھنسیوں کی بیماری ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شفا بختے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے کنویں کے پانی سے نلا دے۔ ان شاء اللہ شفا ہوگی جگہ میں نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ جس کے بچے کو یہ بیماری ہو اس کنویں کے پانی سے نلائے اسے صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ وہبان کے بچے کو شفا ہو گئی اور یہ فیض اب تک جاری ہے۔ ۱۱۲۲ھ میں شاہ عالم بہادر شاہ بن شاہ عالمگیر کے عہد میں فوت ہوئے۔ مزار شیخ سید اسماعیل رحمہ اللہ کے مزار کے متصل ہال روڈ پر واقع ہے۔

گشت روشن چو رفت از دنیا در جہاں ہجو ماہ درگا ہی !
 شیخ پیر است از تماشش نیز قطب سردار شاہ درگا ہی !

۱۳۳۔ شیخ تاج محمود قادری قدس سرہ

حضرت شاہ سلیمان قادری کے چھوٹے لڑکے تھے۔ وضع قلندرانہ و طبع رندانہ رکھتے تھے۔ ظاہر میں پریشان حال اور باطن میں صاحب جمعیت تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل سلوک کی اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بزرگی کے مصطفیٰ پر عبادت میں مصروف رہے۔ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ پورا ہو جاتا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: ایک مرتبہ آپ موضع گنگا نوالی میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں سخت امساکِ باراں تھا۔ ان کا ایک مرید چودھری نے اس گاؤں کا نام کیلیا نوالہ تھا گھر گانا نوالی نہیں تھا۔ (تذکرہ نوشاہی۔ شریفین التواریخ جلد دوم موسم بہ طبعات نوشاہیہ۔ طبقہ چارم)

جیانا می تھا اس نے حاضر خدمت ہو کر دعائے بارانِ رحمت کی التجا کی۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، آپ حجرے سے باہر نکل کر دھوپ میں آ بیٹھے اور بارگاہِ الہی میں دعا مانگی۔ اسی گھڑی بادل آیا اور بارشس ہونی شروع ہو گئی۔ جب آپ کے کپڑے بیگنے لگے تو حاضرین نے درخواست کی کہ حجرے میں تشریف لے آئیے۔ جونہی آپ حجرے میں داخل ہوئے مینہ برسنا بند ہو گیا۔ لوگ غلین ہوئے۔ فرمایا، اگر پھر بارشس مطلوب ہے تو میں باہر جا کر بیٹھا ہوں۔ چنانچہ آپ باہر آ بیٹھے بارشس پھر برسنا شروع ہو گئی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ جب بارشس خوب برس چکی تو آپ حجرے میں آ بیٹھے، بارشس تمام گئی۔ نقل ہے ملا غازی اپنے مرشد کے بڑے فرزند شیخ رحیم دار سے زیادہ الفت و محبت رکھتے تھے۔

ایک دفعہ شاہ سلیمان کے دونوں فرزندوں یعنی شیخ رحیم داد اور شیخ تاج محمود میں زمین کی تقسیم میں اتفاقاً نزاع واقع ہو گئی۔ ملا غازی جو شیخ رحیم داد کے حمایتی تھے انہوں نے تاج محمود کو کچھ سخت سست کہا اور انہیں کلڑی مارنے کے لئے اٹھائی۔ حاضرین مانع آئے۔ تاج محمود نے فرمایا: میں نے اللہ سے چاہا ہے کہ جس ہاتھ سے اُس نے مجھے کلڑی مارنے کے لیے اٹھائی ہے اس کا وہی ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اور آٹھ ماہ بیمار رہ کر مر جائے۔ پس اتفاقاً ایک روز ملا غازی اپنے کھیت میں چنے کا نلہ کاٹ رہا تھا کہ غیب سے ایک شیر نے آگرائس کا ہاتھ مروڑ دیا۔ اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ملا غازی آٹھ ماہ اسی درد و کرب میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے چل بسا۔ صاحب تذکرہ نوشا ہی آپ کے صاحبزادے شیخ آفتاب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک مدینہ شیخ تاج محمود موضع پانڈو کی میں بجا لیت سکر و استغراق کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نئی دلہن کی ڈولی اس طرف سے گزری۔ آپ چونکہ حسن پرست اور عشق دوست تھے اس ڈولی کے پاس جا کر ڈولہا سے کہا اس ڈولی کا پردہ اٹھا تاکہ میں اس صنایع حقیقی کا جلوہ اس آئینہ قدرت میں دیکھوں۔ دولہا یہ سن کر بڑے غصے میں آیا اور بد کلامی سے مخاطب ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ ابھی ننھوڑی ہی راوٹے کی تھی کہ دلہن خود بخود ڈولی سے دیوانہ وار نکل آئی اور زمین پر تڑپنے لوٹنے لگی اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس کا شوہر بے حد پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہاری دلہن اپنی اصل حالت پر آگئی ہے۔

۱۱۲۳ء میں بے بہہ شاہ عالم بن اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار محلوال میں ہے۔

کرد از دنیا چو درجنت سفر	تاج محمود آں ولی مقتدا
سالِ وصلِ ادستِ نیاضِ کبیر	باز شد پیدا ز شیخِ الاصفیا
نیز سرور گنت سالِ رحلتش	عاقبت محمود تاج از دنیا

۱۳۴۔ شیخ عبد الحمید قادری نوشاہی قدس سرہ

اپنے وقت کے عالم و فاضل اور صوفی کامل تھے۔ حضرت حاجی محمد نواز شاہ گنج بخشؒ کی خدمت میں رہ کر تکمیل سلوک کی تھی۔ اپنے پیر صاحب کی وفات کے بعد تادم حیات ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ ۱۱۲۵ء میں وفات پائی۔

شیخ دین عبد الحمید محترم	رفت از دنیا در جنت رسید
رحلتش فرما سنی مجتبیٰ !!	ہم بگو شیخ ولی عبد الحمید

۱۳۵۔ سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانی قدس سرہ

جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ عبادت و ریاضت اور شجاعت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجاد و نشین ہوئے۔ تادمِ زیست موضع حجرہ میں مقیم رہ کر ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ صاحبِ سراج الاولیاء فرماتے ہیں: حضرت نور محمدؒ کا بیان ہے کہ بچپن میں قرآن شریف کا آخری پارہ پڑھا تھا کہ معانی قرآن مجید پر عکشف ہونے شروع ہو گئے۔ ایک روز میں انتہائے درود کے بانٹ رو رہا تھا۔ معلم نے مجھ سے

لے شیخ تاج محمود کا صبح سالِ وفات ۱۰۸۴ھ ہے۔ (شریف التواریخ۔ جلد سوم۔ حصہ اول۔ موسم بہار)

تخالف الاطہار قلمی ص ۱۲ از شرافت نوشاہی

۱۳۵ شیخ عبد الحمید کا صبح سالِ وفات ۱۰۸۶ھ ہے (تخالیف الاطہار ص ۱۲)

رونے کا سبب پوچھا۔ والد ماجد میرے حال سے واقف تھے۔ فرمایا: اس سے رونے کا حال مت پوچھئے اور خاموش رہئے۔ ۷۲ برس کی عمر میں ۱۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع حجرہ میں ہے۔

نور محمد آں میر عالم چو از جہاں بر عرشِ حق رسید بقربِ جلیلِ حق
شاہِ کریمِ متقی آمد و سالِ او دیگر بگو کہ نور محمد حسیلِ حق

۱۱۲۶ھ

۱۱۲۶ھ

۱۳۶۔ شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پاک اعتقاد مریدوں اور حق یاد خلیفوں میں سے تھے۔ بارگاہِ مرشد میں بے تکلفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ جس وقت حضرت حاجی نوشاہ صاحب پر حالتِ جذب و استغراق طاری ہوتی تھی۔ آپ ہی حاضر خدمت ہو کر انہیں اپنی بذلہ سنجی سے خوش کیا کرتے تھے۔ خوارق و کرامات آپ سے ظہور میں آتے تھے۔ فیقروں اور عالموں سے بے شمار لوگ آپ کے معتقد تھے۔ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ فارسی، ہندی اور پنجابی میں کثرت اشعار کہے ہیں۔ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

چوں از دنیا بفرودس برین منت
عجب سالِ وصالش جلوہ گر شد

جناب شیخِ حق آگاہ خوش حال
زہ اہل دل ولی اللہ خوش حال

۱۱۲۷ھ

۱۳۷۔ حضرت شیخ حافظ بن خوردار قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ کے فرزند عالیجاہ اور خلیفہ آگاہ تھے۔ صاحبِ زہد و ریاضت و ذوق و شوق اور وجد و سماعِ مستقی اور مہمان نواز تھے۔ رات دن جذب اور استغراق اور خدا تعالیٰ نے شیخ خوشی محمد کا سالِ وفات صحیح ۱۰۸۸ھ ہے۔ (شریعت التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسم بہ تالیف الاطہار علی ص ۱۵۲ از سید شرافت نوشاہی)

شیخ حافظ بن خوردار الخاٹب بہ بحر العشق اپنے والد بزرگوار حضرت نوشاہ گنج کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

کی طرف توجہ میں گزار دیتے تھے۔ خوارق اور کرامات بے شمار آپ سے ظہور میں آتی تھیں۔ ایک دن آپ کو اپنی زمین سیراب کرنے کیلئے چرخ چوب کی ضرورت پڑ گئی جو آپ نے ایک زمیندار بھیرو نام سے ایک دن کے لئے مستعار مانگی۔ وہ بانڈ کر کے مال گیا کہ میرا کنواں خراب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: خراب ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی روز اس کی عمارت چاہ گرائی۔ جتنی بار تعمیر کی، قائم نہ رہی۔ نیز تذکرہ نوشا ہی میں ہے کہ ایک روز حافظ صاحب پر حالت جذبہ واستغراق طاری تھی اپنے خسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ گھر کے سامنے ایک زمیندار کی لڑکی چرخ نکالت رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گائے بھی رہی تھی اس کے سرور نے آپ پر حالت وجد طاری کر دی۔ لڑکی کے خاموش ہونے پر فرمایا: اے لڑکی ایک بار پھر اسی طرح نغمہ سرائی کر۔ لڑکی شرم کے مارے چپ رہی اور اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا، اس کی حالت نزع تک پہنچ گئی۔ علاج معالجہ سے کچھ افادہ نہ ہوا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے والدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے روبرو لاؤ۔ سب لڑکی آپ کے سامنے حاضر ہوئی، فرمایا: اے لڑکی! پھر اسی طرح نغمہ گائے ان شاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے وہی نغمہ اسی انداز میں گایا۔ آپ کی توجہ سے اسی وقت صحت یاب ہو گئی۔ حافظ برخوردار نے اقوال صحیح کے مطابق ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ برخوردار پیر کا مگار! شد چراز دنیا بخت یافت با
حافظ عالم بگو تاریخ او! نیز فرما دوستدار مجھے اے

(ذبیحہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸)

انہیں سال تک مسند خلافت پر رونق افروز رہ کر مخلوق حسدا کو حقیقت و معرفت کی منازل پر پہنچایا۔ ان کے منسل حالات سید شرافت نوشا ہی نے کتاب "ارشاد الاخیار" اور کتاب "مقامات برخوردار" المعروف خلیفہ اعظم میں لکھے ہیں اور ان کی سجادگی کے دلائل و ثبوتات میں کتاب "سجادہ نشین" تصنیف کی ہے۔

اے حافظ برخوردار کا صحیح سال وفات ۱۰۹۳ھ ہے (اڈوار نوشا ہیہ صفحہ تصنیف شرافت)

marfat.com

Marfat.com

۳۸۔ حضرت سید عبدالوہاب بن سید مراد الدین بن جان محمد حضور می قدس سرہ

اپنے والد کے مشائخ و صوفیاء میں ممتاز الوقت تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور درس و تدریس میں مقام بلند رکھتے تھے۔ تا دمِ زیست لاہور میں ہدایتِ حسیلی میں مصروف رہے۔ ایک غلی کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اختہ فیض کیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات تک یہ فیضان جاری رہا کہ جو آپ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوتا وہ جلدی ہی اوجِ حقیقت میں مرتبہٴ حضور می حاصل کر لیتا۔ بروز جمعہ ۲۱۔ شوال ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ مقبرہ اپنے جد ماجد جان محمد حضور می کے متصل ہے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید عبداللہ شاہ و سجادہ نشین ہوئے۔

۱۔ پھر آپ کے فرزند سید نور شاہ امدان کے فرزند سید غلام محی الدین کے بعد گیسے سجادہ نشین ہوئے۔ سید محی الدین کے دو فرزند تھے، سید احمد شاہ اور سید حسین شاہ۔ اس وقت سید احمد شاہ کے پوتے سید بہادر شاہ بن سید سرور شاہ درگاہ کے متولی و سجادہ نشین ہیں۔ بڑے معروضیت جو گئے ہیں۔ بیانی بھی جاتی رہی ہے۔ خاندانی عداوت کے حامل ہیں۔ آپ کے چار فرزند اکبر شاہ، انور شاہ، احمد شجاع اور سرور شاہ ہیں۔ سید حسین شاہ کے دو فرزند تھے، سید دلاور شاہ اور سید عالم شاہ۔ سید دلاور شاہ المتوفی ۱۹۲۲ء متولی و سجادہ نشین درگاہ شریف راقم کے بڑے بہنوئی تھے۔ میری ہمشیرہ بزرگ مرحومہ خورشید بیگم بنت منق محمد چراغ الدین ہاشمی مرحوم حضرت مولانا مفتی غلام سرور اسدی ہاشمی کی فراسی آپ کے نکاح میں تھیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ اور عزیزہ دل افروزہ بخت علی شاہ مرحوم آپ کی اولاد سے ہیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ کے چار فرزند اسلم شاہ، نواز علی شاہ، عارف علی شاہ اور محسن شاہ اور تین لڑکیاں عزیزہ مسرت زوجہ سید عطاد اللہ کامران عزیزہ کلثوم زوجہ ذاکر حسین اور عزیزہ کوثر اولاد سے ہیں۔ عزیزم اسلم شاہ کا فرزند احسان علی شاہ اور نواز علی شاہ کا فرزند امجد علی شاہ ہے۔ انہی نے تعالیٰ سلامت رکھے۔ سید عالم شاہ کے فرزند دوم سید حسین شاہ بقید حیات ہیں۔ دو فرزند سید اسد علی شاہ اور سید آصف علی شاہ اولاد سے ہیں۔ (مترجم)

۱۳۹- شیخ محمد تقی قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ کج بخش کے باصفا مریدوں اور باوقاف معتقدوں سے تھے۔ اپنے مرشد صاحب کے عشق میں درجہ فنا فی الشیخ رکھتے تھے۔ آغا جہانزی ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ مرشد ہی کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت پائی تھی اور مقبول اور گاہ شیخ ہوئے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالت جذب و سکون طاری رہا کرتی تھی۔ نقل ہے: ایک دفعہ بے خودی کا یہ عالم تھا کہ عید قربان کے دن پوچھا: آج کون سا دن ہے کہ لوگ اس قدر گوشت ذبح کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا: آج عید قربان کا دن ہے لوگ راہِ خدا میں قربانی دے رہے ہیں۔ آپ بھی اٹھے اور قربانی دیکھے۔ کہا: میرے پاس تو اپنی جان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چھری لاکر اپنے حلق پر پھیرنی شروع کر دی۔ ابھی شہرگ نہیں گئی تھی کہ لوگوں نے آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اسی حالت میں مرشد کے پاس لے آئے۔ آپ انہیں دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور بڑی تحسین و آفرین کہی اور ان کے حق میں دعائے نیر کہی اور زخم پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا انہیں صحت حاصل ہوئی مگر غلبہ حال میں کمی نہ ہوئی اور کئی طور پر مجذوب ہو گئے اور بارہ سال تک دوابہ کے جھل میں پھرتے رہے۔ اسی تجرید کی حالت میں زندگی گزار دی۔ اپنے آپ کی کوئی خبر نہ تھی۔ دُنیا سے اور دُنیا داروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع نوشہرہ ضلع گجرات میں ہے۔

تقی رقت چوں زینِ جہانِ فنا پے سالِ ترحیل بے قال و قیل
شدا ز قلمِ شیخِ اکبرِ رقم عیاں شدہ تقی متقی جلیل! لے

۱۱۳۳ھ ۱۱۳۳ھ

۱۔ شیخ محمد تقی کا صحیح سن انتقال ۱۰۹۲ھ ہے (شریعت التواریخِ دقلی، جلد سوم، حصہ اول موسم بہار
تعارف الاطہارِ دقلی ص ۴۶)

marfat.com

Marfat.com

۴۰۔ خواجہ ہاشم دریا دل قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے فرزند دوم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی علیہ السلام سے کمال حاصل کئے تھے۔ اپنے عہد میں علمی فضل و کمال کے باعث فقہاً و محدثین میں ممتاز، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور سخاوت و کرامت میں بے نظیر تھے۔
نقل ہے ایک روز ایک شخص مبارک نام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتاغا پیش آیا۔ فرمایا: جو کرے گا عذر بھرے گا۔ اسی روز اس کی پیٹھ میں ایک پھر ڈالیں آیا جس کی تکلیف سے وہ چند روز میں مر گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے ہاتھ پاؤں مثل برچکے تھے۔ فرمایا: اسے حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار پر لے جاؤ اور اسے کہو کہ وہاں بیٹھ کر سورہ ملک پڑھے۔ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے آپ کے فرمودہ کے مطابق وہاں بیٹھ کر سورہ ملک تلاوت کی۔ سورہ شریف کے اختتام پر وہ صحت یاب ہو گیا۔
صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: آپ کے تین فرزند فضل اللہ، عظمت اللہ اور محمد سعید ان تینوں میں سے عظمت اللہ ان کے بعد بزرگی کے مسئلہ پر قائم ہوئے۔ ۱۱۳۵ھ میں بہ علیہ محمد شاہ وفات پائی۔

شہ چو از دنیا بفرودسِ بریں	پیر ہاشم شاہ بحر معرفت
سال ترحیلش بجز دریائے فضل	نیز حق آگاہ بحر معرفت
۱۱۳۵ھ	۱۱۳۵ھ

۱۔ صحیح نام عظمت اللہ ہے (تذکرہ نوشاہی، کنز الازمت اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسم بہ طبقات
النوشاہیہ تیسرا طبقہ)

۲۔ حضرت ہاشم دریا دل کا صحیح سال وفات ۱۰۹۲ھ ہے (اذاکار نوشاہیہ صفحہ ۱۲)

marfat.com

Marfat.com

۱۳۱۔ سید احمد شیخ الہند قادری گیلانی قدس سرہ

والد کا نام سید عبدالرزاق بن تاج العارفین کھچا تھا۔ سلسلہ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منسی ہوتا ہے۔ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار سے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد عرب سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آکر پنجاب میں وزیر آباد کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک گاؤں کوٹہ بھی آباد کیا تھا۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۳۶ھ میں سکھوں کی غارت گری میں شہید ہوئے۔ آپ کے بھائی حسین بھی بزرگی و کرامت میں دور و در تک شہرت رکھتے تھے۔ مزار موضع خانپور میں مضافات کوٹہ میں ہے۔

رفت احمد چور بہشت بریں وصل آں شیخ دیں دحق آگاہ
اعظم الاولیاء ولی گفتم ہمدگر شیخ ہند امین اللہ

۱۱۳۶ھ

۱۳۲۔ سید بدر الدین گیلانی قادری لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید علی بن حاجی سید ہاشم تھا۔ اپنے زمانے کے فاضل متبحر اور عارف کامل تھے۔ عبادت و ریاضت، زہد و اتقا اور توکل و استغناء میں بے نظیر تھے۔ درس و تدریس اور اعلائے کلمۃ الحق میں شہرہ آفاق تھے۔ بڑے باعرب و پرجہیت تھے۔ آپ کے سامنے کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمد معز الدین بن بہادر شاہ بن عالم گیر خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد اور چند قطععاتِ اراسی نذرانہ پیش کئے مگر آپ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۱۳۶ھ میں بے بی محمد شاہ بادشاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بدر چرخ زمانہ بدر الدین ! شد چو روشن باوچ باغِ جاناں
سالی تاریخِ رحلتش سرور بدر دین پیریں شریفؔ بخواں

۱۱۳۶ھ

۱۲۳۔ شاہ شرف لاہوری قادری قدس سرہ

اصل نام سعادت مند تھا۔ قصبہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ آباؤ اجداد قوم کھتری پوری سے تھے۔ آپ کے دادا مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو بٹالہ میں قانون گو کے عہدہ پر مامور تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ تیس سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے بھائی عبدالرحیم وفات پا گئے۔ آپ از رو بہدردی و خبرگیری اپنی بھانجی کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کو ان کا یہ سلوک ایک آنکھ نہ بجایا اور انہیں متہم کیا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر لاہور چلے آئے اور شیخ محمد فاضل قادری شطاری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمت مرشد میں رہ کر سلسلہ قادریہ کی تکمیل کی۔ خرقہ خلافت پایا اور شاہ شرف کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔ اس دوران میں آپ کی اہلیہ حاضر خدمت ہوئیں اور واپس بٹالہ جانے کی تحریک کی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ تمام عمر لاہور میں گزار دی۔ دس و تیریس اور ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ شاہ رضا قادری شطاری آپ کے پیر بھائی تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں

شہ شرف شیخ یقین تاج الشرف

شہ عیان محبوب دین تاج الشرف

سال تاریخ وصال آن جناب

۱۲۴۔ شیخ حکمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حافظ برخوردار کے پسر و نجم تھے۔ نہایت بزرگ، عالم و فاضل، فقیر کامل، متقی اور عارف کامل تھے۔ زہد و اتقا اور جہاد و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ تحصیل علوم حافظ محمد تقی سے کی تھی۔ ابتداء میں شیخ رحیم داد فرزند شاہ سلیمان کی خدمت میں بھی رہے اور نرائیہ عظیم حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ پیر محمد سچیا ر قاضی رضی الدین دسیند شاہ محمد خلفائے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر اخذ فیض کیا۔ آخر میں حضرت شیخ عبدالرحمن المدون بر پاک رحمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل سلوک کی۔ صاحب حال و قال و وجد

سماع تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق بے حد غالب تھا۔ حالتِ سُکر میں جس پر نظر ڈالتے تھے وہ مست و بے ہوش ہو جاتا تھا۔ کشفِ صریح کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے بتا دیتے تھے کہ حضرت شیخ فلاں جڈ پر اور فلاں کام کر رہے ہیں۔ حالتِ وجد میں کئی دفعہ بالا خانہ سے گزر کر صحن میں پڑے مگر کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب آپ کے کشف و کرامات کی مشہوری اقصائے عالم میں ہوئی تو حضرت شاہ محمد فوت (لاہوری) غلط حضرت سید حسن پشاوری آپ کے فضل و کمال کا شہسوار کر حاضر خدمت ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا اور مردِ کامل ہوئے۔ شیخ محمد عظیم آپ کے فرزند اور شیخ ابو سعید جو آپ کے برادر زادہ اور داماد بھی تھے، اس قدر کامل و مکمل ہوئے کہ ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے دوسرے بھتیجے شیخ سلطان محمد نے بھی آپ ہی کی توجہ سے سلوک و معرفت میں درجہ کمال حاصل کیا تھا۔ آپ پر حالتِ جذب و سُکر اس درجہ طاری رہا کرتی تھی کہ کئی کئی روز بغیر کھانے پئے گزر جاتے تھے حتیٰ کہ بارہ سال تک کچھ نہ کھایا۔ آپ کے ہمشیر زادہ شیخ عبدالجلیل نے بھی آپ ہی کی نظر فیض اثر سے عرفان میں مرتبہ بلند پایا تھا اور ایسی حالتِ جذب حاصل ہوئی تھی کہ ساہا سال تک طعام کا قمر گلے سے نیچے نہ اُترا، ان پر بھی حالتِ استغراق اکثر و بیشتر طاری رہتی تھی۔ آخری عمر میں کشمیر چلے گئے تھے وہیں وفات پائی۔ شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں حاضر خدمت تھا، میرے دل میں خیال گزرا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ جب کسی کچے گھڑے پر نظر ڈالتے تھے تو وہ پک جاتا تھا اور اگر کچے پر نظر ڈالتے تو وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے۔ آپ اسی وقت فوراً باطن سے میرے خیال آگاہ ہو گئے۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جن کی نظریں یہ تاثیر ہے اسی وقت گردن اٹھا کر سامنے پیشے کی طرف دیکھا جو طاق پر پڑا تھا، اسی وقت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کی وفات بارہویں رجب مطابق انیسویں چیت سوموار کے دن شام کے وقت نماز کی حالت میں ظہور میں آئی کہ دو رکعت نماز قیام کی حالت میں پڑھی، تیسری رکعت کے سجدہ میں وفات پائی، آپ کا سالِ وفات ۱۱۴۷ھ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے، اول شیخ شہیر محمد جو آپ کے بعد مسندِ سجادگی پر قائم ہوئے۔ دوسرے شیخ گل محمد جو اسمِ باسمنی تھے۔

تیسرے شیخ محمد عظیم جو عظیم المرتب تھے۔

حضرت شیخ عصمت اللہ کو شیخ عبدالرحمن کی طرف سے "امیر حمزہ پلوان نوشاہ ثانی" کا

خطاب ملا تھا۔ ۵

ز عالم شد در خلدِ معنی جناب شیخ صادق عصمت اللہ
ز دل بستم چو سالِ ارتعاش خود فرمود عاشق عصمت اللہ

۱۱۲۶

۱۲۵۔ شیخ احمد بیگ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلفاً سے تھے۔ بارگاہِ مرشد سے نور محمد نوری کے خطاب سے ممتاز تھے۔ پہلے علم ظاہری میں حضرت نوشاہ عالیجاہ کے شاگرد تھے بعد ازاں مرید ہو کر کمال کو پہنچے۔ بڑے بزرگ، صاحبِ علم و عمل اور زاہد و عابد تھے۔ نقل ہے ایک روز موضع نوشہرہ کا ایک معلم بلاول نام حضرت نوشہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ دیا اور عرض کیا کہ حضرت توجہ فرمائیے اور دعا کیجئے کہ میری حالت شیخ احمد بیگ کی سی ہو جائے۔ آپ نے تبستم ہو کر فرمایا، ہر ایک کو مرتبہ اس کے حوصلے اور ظنون کے مطابق دیا جاتا ہے تو اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ معلم اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ حتیٰ کہ تڑپتے تڑپتے مکان کی ایک منزل سے نیچے صحن میں آگرا اور کئی روز کے بعد ہوش میں آیا۔ اس پر ایسی حالت وارد ہوئی کہ اپنے گھر میں بیٹھا بنو نایک لنت انتہائے اضطراب و بے چینی میں اٹھ کھڑا ہوتا۔ اہل خانہ اس بے قراری کا سبب پوچھتے تو کہتا کہ حضرت نوشاہ اپنے گھر میں اپنی جگہ سے اٹھے ہیں اور میں ان کی تعظیم کے لئے اٹھا ہوں۔ غرض وہ اپنی اس حالت میں بڑے بے قرار و بے چین رہنے لگا۔ کسی وقت بھی اسے سکون حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر عاجز و درماندہ ہو کر حضرت نوشہ کی خدمت میں

لے احمد بیگ نام غلطی سے لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ ذکر شیخ نور محمد سیالکوٹی کا ہے۔

لے معنی غلام سرور صاحب کو یہاں غلطی لگ گئی ہے۔ انہوں نے احمد بیگ کو نور محمد نوری لکھ دیا ہے، حالانکہ

احمد بیگ لاہوری، شیخ نور محمد کا مرید تھا۔

حاضر ہوا۔ عرض کیا: حضور دعا فرمائیے کہ مجھے اپنی اصل حالت نصیب ہو جائے۔ آپ نے پانی منگوایا۔ کچھ اُس میں سے آپ پیا، کچھ اُسے پلایا۔ وہ پانی پیتے ہی اپنی اصل حالت پر آگیا۔
 حضرت شیخ احمد بیگ کے بڑے بڑے کمال و اکمل مرید و خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے شہرہ آفاق ہوئے ہیں۔ مثلاً سید انور رہتاسی،
 بولادری رہتاسی، محمد صدیق رہتاسی بڑے عابد و زاہد، صائم الدہر اور قائم الیل ہوئے ہیں۔
 آٹھویں روز افطار کرتے تھے۔ بدھو درزی کو فرمایا تھا کہ تمہارے سماع کے وقت بوائی جانور بھی مست ہو جایا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ اسی طرح حافظ محمد مخدوم رہتاسی ساکن
 پک حافظان بڑے صاحب ذوق و شوق و وجد و سماع بزرگ تھے اور اکثر و بیشتر حالت جذب
 استغراق میں رہا کرتے تھے۔ بوقت سماع ایسے بخود مد ہوش ہو جاتے تھے کہ ایک ایک ہفتہ
 ہوش میں نہ آتے تھے۔ میاں حاجی خلیفہ بھی ان کے ایک نامور سیف اللسان مستجاب الدعوات
 مرید ہوئے ہیں۔ جو کہتے تھے ویسا ہی ظہور میں آتا تھا۔ مولانا محمد حیات صاحب تذکرہ نوشا ہی
 آپ ہی کے حلقہ و ارادت میں داخل تھے اور عرصہ خلافت پایا تھا۔ ۱۱۲۰ھ میں لہجہ محمد شاہ و وفات
 پائی۔ مزار سیالکوٹ میں ہے۔

لہ یہ واقعہ مفتی غلام سرور صاحب نے حضرت لاشہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ تذکرہ نوشا ہی
 میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بلاول سیالکوٹ کا مسلم تھا اور شیخ نور محمد سیالکوٹی کا مرید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ
 اُس کے پیر بھائی احمد بیگ کی حالت بہت بہتر ہے تو اپنے مرشد شیخ نور محمد سے عرض کیا کہ مجھ پر بھی ایسی توجہ
 کریں کہ احمد بیگ جیسا میرا حال ہو جائے۔ الخ مفتی صاحب کو مضمون سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ احمد بیگ
 اور نور محمد کو ایک شخصیت قرار دینے دیا۔

کہ یہ سب خلفاء جو شیخ احمد بیگ کے کلمے ہیں، یہ حضرت سید شاہ عصمت اللہ کے ہیں۔ سید حافظ محمد حیات
 نوشا ہی نے تذکرہ نوشا ہی میں ایک پوری فصل خلفائے شاہ عصمت اللہ کے متعلق لکھی ہے۔ مفتی صاحب کو
 یہ فاش غلطی لگ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو تذکرہ نوشا ہی کا کوئی پرائزہ اور اق مخطوطہ ملا ہوگا
 خلفائے شاہ عصمت اللہ والا کوئی درق شیخ نور محمد صاحب کے ذکر میں پڑا ہوگا، جس سے وہ حالات کا صحیح اندازہ
 نہیں کر سکے۔ مفتی صاحب نے تین افراد کو ایک بنا دیا ہے۔ شیخ نور محمد متوفی ۱۱۰۸ھ، مرزا احمد بیگ متوفی ۱۱۰۸ھ،
 شاہ عصمت اللہ متوفی ۱۱۲۰ھ۔ یعنی ان کے حالات کو مخلو و کر دیا ہے۔

چونکہ محمد ولی خدا ز دنیا سے دوں شد سجدہ بریں
 بچوں سال ترحیل او میر فیض دگر نور پر نور نور لیتیں!

۱۴۶۔ شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری قدس سرہ

والد کا نام پر محمد تھا۔ قوم کے باغبان تھے۔ لاہور سے نقل مکانی کر کے قصور جا رہے تھے۔ شاہ عنایت بھی قصور ہی میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر تکمیل علوم کے لئے قصور سے نکلے۔ لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ استاد کی زبردست شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہی کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ کی بیعت کر کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمت مرشد میں حاضر رہ کر تکمیل سلوک کی اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر مرشد کے حکم کے مطابق قصور آکر ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ حلقہ درس بڑا وسیع تھا۔ قرآن تفسیر، حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ مزاج خلّاق ہونے کے باعث حسین خاں افغان حاکم قصور کو آپ کی شہرت و مقبولیت ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ آپ کو قصور سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ قصور کو خیر باد کہہ کر پھر لاہور آ گئے اور از سر نو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے علوم ظاہری و باطنی سے عوام و خواص کو فیض بخشا۔ آپ کے حلقہ درس و فکر سے اچھے اچھے باکمال تکمیل پا کر نکلے۔ چنانچہ حضرت میر بلّھے شاہ قصوری پنجابی کے مشہور شاعر آپ کے ہی شاگرد و مرید تھے۔ آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ غایت الخواشی، شرح کنز الدقائق آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۱۴۱ھ میں برآمد محمد شاد و نوات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

۱۴۶۔ شیخ نور محمد کا صبح سال وفات ۱۱۰۱ھ ہے۔ (شریفات التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسم بہتخائف الاطہار
 قلمی ص ۵۲۲ از سید ترائف نوشاہی)

چوں از فضل عنایات الہی! عنایت رفت از دنیا بہ جنت
 ز "مشتاقِ مکرم" چو وحاشش دگر "تاجِ یقینِ اہلِ عنایت"
 ۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۷۔ سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید اسماعیل بن سید اسحاق تھا۔ سلسلہ قادریہ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متوکل و مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ عمر بھر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ کسی امیر و سلطان کے دروازے پر نہیں گئے۔ دنیا و اہل دنیا سے کچھ سروکار نہ تھا۔ نواب زکریا خاں ناظم لاہور اور اس کے امراء آپ کے عقیدت مندوں میں داخل تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ مزار سید اسماعیل محدث لاہوری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! سید عبداللہ پیرِ رھنما
 سالِ ترحیلش بخوان "عاشقِ سخی" نیز فرما "اہلِ نعمت مقتدا"
 ۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۸۔ شیخ جمال اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حافظ برخوردار کے فرزند ششم تھے۔ عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور ترکِ علانی میں بے نظیر تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق و وجد و سماع بھی تھے۔ حالتِ وجد میں جس پر نظر ڈالتے تھے اُسے بھی بے خود و مدہوش بنا دیتے تھے، وہ مست بادۂ است ہو جاتا۔ بحالتِ خواب آپ کے دل بیدار سے ذکرِ جوگی آواز مسلسل آتی رہتی تھی جس کو تمام حاضرین بگوشِ ہوش سنتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد حیات صاحبِ تذکرہ نوشاہی رقم طراز ہیں۔ ایک روز آپ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار کی زیارت کو گئے۔ دیکھا کہ وہاں نامی ایک زمیندار موضع اگر وہیہ کا مزار کی ملحقہ زمین پر اپنے مویشی چرا رہا ہے۔ آپ نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے صبر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ اسی

رات بگم الٹی اس کے تمام مویشی مر گئے۔ اس پر بھی وہ شرارتی نابکار نہ تائب ہوا نہ اپنے مذموم فعل سے باز آیا۔ دوسری رات چور اس کے مکان میں آئے اور تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔ یہاں تک کہ وہ روٹی کے کڑے کو بھی محتاج ہو گیا۔ شیخ جمال اللہ کی وفات بقول تذکرہ نوشاہی ۱۲۔ ربیع الثانی بروز شنبہ ۱۱۴۲ھ میں بہ عہد محمد شاہ شام کے وقت ہوئی۔ مزار موضع ساہنپال میں ہے۔

گشت چوں بدشن باغِ جنی ! آں جمالِ با کمالِ معرفت
سالی ترحیش بہرور شد عیساں قبلہ عالم حسبِ مالِ معرفت

۱۴۹۔ مولانا حافظ معموری قادری نوشاہی قدس سرہ

مشائخِ نوشاہیہ قادریہ میں اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزے ہیں۔ آپ نہایت بزرگ اور مابد و زاہد صاحبِ شوق تھے۔ ذوق وجد و سماع سے بھی معمور تھے۔ حضرت نوشہ گنج بخش صاحب کے مرید و خلیفہ اور داماد تھے۔ حضرت نوشہ صاحب کی دختر حضرت سارہ ان کے نکاح میں تھیں۔

آپ کے چار فرزند تھے،
ایک شیخ تاج الدین جو اہل معرفت کے سر کے تاج تھے اور باطنی فیض شیخ نور محمد سے پایا۔ خواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دوم شیخ ہدایت اللہ صوفی۔

سوم شیخ نظام الدین۔

چہارم شیخ امام الدین جو قلندر مشرب اور آزاد منش تھے۔ ہمیشہ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ رکھتے۔ شیخ معموری کی وفات ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔

سے شیخ امام الدین کا نام غلط درج ہوا ہے، ان کا صحیح نام تذکرہ نوشاہی میں عبدالرحمن درج ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسم بہتھائف الاطوار علی ص ۵۵ از سید شرافت نوشاہی)

درجناں شد از جہاں با صد صفا شیخ معموری جو آن شیخ زباں
ظاہر ازہ منظر شدہ تاریخ او 'مجتبیٰ مخدوم' ہم آمد حیاں لہ

۱۱۳۵ھ ۱۱۳۵ھ

۱۵۰۔ حضرت شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوری قدس سرہ

سید حسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے فاضل و عارف تھے۔ ہندوستان کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس دوران میں دیگر مشائخ کبار کی ملاقات و محبت سے بھی انہیں فیض کیا تھا، خاص کر حافظ عبد الغفور نقشبندی پشاوری، سید محمد سعید الخطاب بہ میراں شاہ بھیکھیہ چشتی صابری، شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہی سے کثیر و عظیم فوائد حاصل کئے۔

لہ حافظ معموری کا صحیح سال وفات ۱۱۰۶ھ ہے۔ (شریٰ التواریخ - جلد سوم، حصہ اول - موسم بہت حایین الاما' قلمی)

(۵۰۳)

لے حافظ قرآن و صاحب علم و عمل تھے۔ زہد و ورع و جہاد و ریاضت میں ممتاز تھے۔ تمام رات حبس دم سے مراقبہ و مجاہدہ کرتے تھے۔ بڑے مستغنی الزاج تھے۔ داد و دہش اور جود و سخا میں لائق تھے۔ مساکین اور مسافروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ ظاہری مال و دولت نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی امیر و سلطان کے ان نہیں گئے نہ کسی کا نذرانہ قبول کیا۔ تمام کام دستِ نوب سے چلتے تھے۔ ۱۱۶۹ھ میں وفات پائی۔ مزار پشاور میں ہے۔

مگہ سید محمد سعید نام، والد کا نام سید محمد یوسف تھا۔ میراں شاہ بھیکھیہ خطاب۔ حضرت شاہ ابو بلعالی چشتی صابری کے مور مرید و خلیفہ تھے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باعث مشائخ شاخین میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کے معلقہ ارادت سے بڑے بڑے ہاکمال تربیت پا کر نکلے ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ فارسی اشعار اور ہندی دوہے بکثرت کہے ہیں۔ سنگ کلام مار فانی ہے۔ ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا منسل ذکر بزرگان سلسلہ چشتیہ میں لکھا۔ انشا اللہ مگہ آپ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

رسالہ خوشیہ کے مصنف ہیں۔ اس میں رقم طراز ہیں، جب میں تلاشِ حق کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو حضرت میاں میز کے مزار پر کئی باتیں گزریں۔ ایک دن آپ ظاہر ہوئے اور میری طرف توجہ فرمائی اور ایک شغل میں مشغول رہنے کا حکم کیا اور ارشاد فرمایا، یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔ میں صبح اٹھ کر شیخ صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ فیض ہوا۔ فرمایا، رات جو تمہیں حضرت میاں میر نے شغل عطا فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ اسی رسالے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں، آپ ایک صاحبِ دل اور بڑے قادری و رویش مرد ہیں جو پیر علی گنج بخش بھویری قدس سرہ کے مزار کے متصل رہتے ہیں۔

آپ کے ایک ہم نام بزرگ جو آپ کے مرید بھی تھے، پشاور میں رہتے تھے۔ جب نادر شاہ ایرانی نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور پشاور پہنچا تو ان سے استدعا کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا، حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی طرف رجوع کرو۔ اُس نے آپ کو پشاور بلا بھیجا۔ آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ ہمارے پیروں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور ان کی مدد کریں۔ اللہ ہی مددگار کافی ہے۔ نادر شاہ یہ جواب پا کر بڑا برہم ہوا اور کہا: اچھا لاہور پہنچ لوں اس گستاخی کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔ جب پشاور سے کوچ کیا تو راستے میں ایک ندی کی طغیانی نے ایسا راستہ روکا کہ اس کا عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ کئی روز انتظار بھی کیا مگر طغیانی کسی طرح نہ جھوٹی بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر پریشان ہو کر شاہ محمد غوث پشاور سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے جواب بھیجا: یہ طغیانی تمہارے اس ارادہ بد کا نتیجہ ہے جو تم نے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی نسبت کیا ہے۔ یہ سن کر تائب ہوا اور لاہور پہنچ کر عقیدت و خلوص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہی۔

حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ زنجیت سنگھ کے پوتے نو نھال سنگھ نے جھلاہور میں برسرِ حکومت تھا اپنے ایک انگریز مشیر کی تجویز سے لاہور شہر کے ارد گرد دور دور تک درخت اور عمارت گرا کر میدان بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس لئے آپ حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر کے مبعوث اور فیض یافتہ تھے اور آپ سے ایک سال قبل ۱۰۲۲ھ میں وفات پا چکے تھے۔ ان کا مزار حضرت میاں میر قدس سرہ کے مزار سے متصل ہے۔ یہ مزار قادری جن سے آپ نے زندگی میں ملاقات کی ہے کوئی اور اس نام کے بزرگ ہوں گے۔

تجویز کے تحت بہت سے درخت اور عمارتیں منہدم کی گئیں۔ جب حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی عمارتوں اور درختوں کے گرانے کی باری آئی اور کچھ بیرونی درخت اور عمارتیں گرائی جا چکیں اور اندرونی چار دیواری کی نوبت آئی تو نہال سنگھ کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا اور بیٹا باپ کی لاش کو جلا کر واپس آیا اور قلعہ میں داخل ہوا تو قلعہ لاہور کی دیوار سے ایک پتھر گر کر اس کے سر پر آ پڑا جس کے مدد سے وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴۰ء میں رونما ہوا اور اس کی ذمہ تمام تجاویز دہری کی دہری رہ گئیں۔ آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پشاور سے لاہور آ کر اقامت گزریں جوئے تھے۔ آپ کے والد ماجد سید حسن پشاور سیالکوٹی ۱۱۱۵ھ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ نے بقول مولانا تشریف الشرفا ۱۱۵۲ء میں وفات پائی۔ مزار بیرون اکبری دروازہ زیارت گاؤ خلیق ہے۔

چوں محمد غوث رفت از دارِ فنا سالِ وصلِ آن ولیِ متقی !
 نارفِ مخدوم سائب کن رقم ہم بغرما را ہر سید سخی !

۱۵۱۔ شیخ پیر محمد المعروف پیر سچیا قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ خورد سالی ہی میں خدمتِ مرشد میں حاضر ہو کر تربیت اور تکمیل پائی تھی۔ بڑے صاحبِ ذوق و شوق تھے۔ وجد و سماع میں مشغول رکھتے تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی نظر فیض اثر سے صاحبِ وجد و محالیت ہو جاتا تھا۔ اپنی راست گفتاری اور تقویٰ کے باعث بارگاہِ مرشد سے سچیا یعنی راست گفتار کے خطاب سے معزز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد موضع نوشہرہ مغلاں میں جا رہے تھے جو دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہے اور گجرات سے چھ کوس مشرق کی طرف ہے۔ شیخ پیر محمد نے ۱۱۵۲ء میں وفات پائی۔

۱۔ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مستند حالات کے لئے تذکرہ علماء و مشائخ سمرقند، تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ اور تذکرہ سید عبد اللہ شاہ ٹٹھوی از تصانیف حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاور سے دیکھنے ضروری ہیں۔ یام شاہ جہانپوری نے اس کے حالات میں ایک مستقل کتاب "تذکرہ شاہ محمد غوث" تصنیف کی ہے۔

شیخ دیں پیر محمد مقتدا
سالِ ترحیلش چو جہم از خود
تدوچ از دنیا بخت را بگیہ
شد عیاں معصوم پیر دستگیر

۱۵۲۔ مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہی قدس سرہ

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کبدم یاروں اور محرم راز دوستوں اور مشہور خلیفوں سے تھے
قاضی صاحب پہلے قصبہ وزیر آباد میں عمدہ قضا پر مامور تھے۔ پھر نرک سلاٹ کر کے حضرت حاجی
محمد نوشاہ گنج بخش کے معلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر سلسلہ قادریہ
نوشاہیہ میں تکمیل پا کر خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شہرہ
آفاق تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق اور عشق و محبت اور وجد و تواجد ہو گئے۔ مرشد کی وفات کے
بعد تادمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔

رفت از دہر چوں بہ غلبہ بریں ! رکن دیں صاحب یقین قاضی
سال تاریخ ارتحال او !! بست "مصباح اہل دیں قاضی" ۱۱۵۲ھ

۱۵۳۔ شیخ عبدالرحمان المعروف پاک رحمان قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے کبار خلیفوں سے تھے۔ آپ کی ذات پر مرشد کی
توجہ و التفات بے حد و نہایت تھی جیسی کسی دوسرے خلیفے کے حال پر نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ
لے حضرت پیر محمد سببار کی صحیح تاریخ وفات ۲۵۔ ربیع الاول ۱۱۲۰ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول،
موسوم بہ تحایف الاطہار قلمی ص ۱۱۰ مولفہ سید شرافت نوشاہی)

لے رکن الدین نام غلط ہے۔ صحیح نام قاضی رضی الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہی۔ کنز الرمت) (فاروقی)
لے قاضی رضی الدین کا صحیح سال وفات ۱۱۱۳ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول تحایف الاطہار

ص ۱۱۰)

آپ عرفان و حقیقت شناسی کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ مرشد کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں کو تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت نوشاہ گنج بخش کی وفات کے بعد بھی جاری رہا کہ حضرت نوشاہ مالی جاہ کے بہت سارے خلیفے شیخ عبدالرحمن کی خدمت سے تکمیل کو پہنچے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ برخوردار کے فرزندوں اور حضرت نوشاہ کے پوتوں نے بھی آپ ہی کی زیر نگرانی تربیت و تکمیل پائی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ناکام نہیں رہتا تھا۔ کمالِ علم و فضل کے ساتھ آپ پر غلبہِ صمدیت بھی بے انتہا تھا۔ کئی کئی روز بغیر کچھ کھائے پئے گزار جاتے تھے۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حاضر خدمت ہو کر طعام نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا، مجھے طعام کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کسی وقت کوئی نقد منہ میں ڈال بھی لیتا ہوں تو وہ حلق سے نیچے نہیں اترتا۔

نقل ہے ایک روز حضرت نوشاہ گنج بخش موضع بھڑی ضلع گوجرانوالہ کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں رات رہے۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت نوشاہ کی نظرِ کیمیا اثر ایسی پڑی کہ بخودی اور جذب و مستی اسی عمر میں پیدا ہو گئی۔ اپنے گاؤں میں رحمان دیوانہ مشہور ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر ان کے والدین انہیں حضرت نوشاہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے نہایت مسرت کے ساتھ انہیں اپنی نگرانی و سرپرستی اور غلامی میں لے کر ان کے والدین کو رخصت کر دیا اور انہیں اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی ظاہری و باطنی تربیت بہ حد کمال کی۔ روزانہ کام کے طور پر ان کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعین کو کھانا پہنچایا کریں۔ چنانچہ آپ ہر روز مزارعوں کا کھانا سر پر اٹھا کر کھیتوں میں لے جاتے اور اپنے حصے کا جو کھانا مطبخ سے لیتے وہ فقراء اور اہل حاجت کو کھلا دیتے۔ چالیس روز اسی طرح گئے اور ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ حضرت نوشاہ کو بہ نورِ باطن یہ حال معلوم ہو گیا۔ آپ پر بڑے خوش ہوئے اور آپ کی ذات پر بے حد توجہ و عنایت فرمائی۔ اپنے سامنے بلا کر کھانا کھلایا اور تمام کلفات سے مستغنی کر دیا۔

عبادت و ریاضت میں باکمال تھے۔ مجاہدہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ تمام رات بہ حبسِ دم ذکرِ خفی کرتے اور بعض اوقات معکوس رک کر رات بھر ذکر میں مشغول رہتے۔ خلوت اختیار کرتے تو قبر کھدوا کر اس میں بیٹھ جاتے اور اوپر سے بند کر دیتے۔ چالیس چالیس روز ایسی حالت میں مراقبہ

اور ذکر و فکر میں محو رہتے۔ اس ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ذوقِ سماع و وجد بھی بے اندازہ تھا۔ حالتِ سماع و وجد میں بے خودی و مدبوشی کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو گمانِ مرگ ہونے لگتا تھا۔ اور کبھی اپنے آپ کو بیوں کے پیچھے باندھ کر زمین پر گھسیٹے جاتے۔ گرمیوں کے موسم میں سورج کی دُھوپ میں بیٹھے اور سردیوں میں برساتی رات کو جنگل میں جا کر بیٹھے اور کبھی سردیوں کے موسم میں دریا میں کھڑے ہو کر ذکرِ حق میں مشغول ہوتے۔ آپ کی گرمیوں کے موسم سے دریا کا پانی گرم ہو جاتا، جس شخص پر نگاہِ شفقت ڈالتے وہ صاحبِ کشف و کرامت ہو جاتا۔

صاحبِ کشفِ صحیح اور مستجاب الدعوات تھے۔ نقل ہے ایک روز آپ اپنے ایک خادم شیخِ سعدی پر بے حد مدبان ہو کر فرمانے لگے: شیخِ سعدی ہم نے اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے یہ چاہا ہے کہ جس مریض پر تیری نظر پڑے وہ صحت یاب ہو جائے۔ جس مردہ کی طرف تُو متوجہ ہو وہ زندہ ہو جائے اور جس فاسق و فاجر پر تیری نظر پڑے وہ ولیِ کامل ہو جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی یہ دُعا قبول ہو گئی کہ ایک روز ایک عورت اپنے خور و مال بچے کو جو مریض تھا اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلی کہ شیخِ سعدی سے اس کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرانے۔ اتفاقاً وہ بچہ راستے ہی میں وفات پا گیا۔ وہ عورت بچے کو اسی حالت میں روٹی پھینکتی لے کر شیخِ سعدی کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے تسلی و تشفی دی اور بچے کی طرف متوجہ ہوئے خداوند تعالیٰ نے اُسے زندگی بخش دی۔ وہ عورت بھی خوش ہوئی اور چاندی کا ایک زیور شیخِ سعدی کی نذر گزارا۔ شیخِ سعدی وہ زیور مردہ کے گھر لے گئے اور ان کی صاحبزادی کو پہنا دیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو شیخِ سعدی کو بلا کر بڑا اظہارِ ناراضی فرمایا اور کہا: سعدی تو نے اس عورت کے بچے کو زندہ کر کے اُجرت لے لی تو اس بزرگی کے لائق ہی نہیں ہے۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد شیخِ سعدی سے یہ تصرف جاننا رہا۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذ فیض کیا اور آپ تا دمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ حضرت عبدالرحمن نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

سے سعدی نام نہیں بلکہ صحیح نام شادی ہے جو کیلا نوالہ کے باشندہ تھے (تذکرہ نوشاہی)

آپ کے بھائی شیخ الوداد آپ کے ہی مرید و خلیفہ تھے۔ ذوق و شوق کمال رکھتے تھے۔ آپ کے جوار میں ہی مدفون ہیں، معنی نذر ہے کہ خاندان عالیہ نوشاہیہ میں سب لوگ صاحب مال اور ذوق و سماع ہیں۔ جماعت عالیہ پاک رحمانی میں حد سے زیادہ مستی ہے۔ جس شخص کو وجہ کی حالت ہوتی ہے، اس کے پاؤں میں رستہ ڈال کر اٹا لٹکا دیتے ہیں اور اگر اس عمل میں ہوش میں نہ آئے تو پاؤں میں رستہ ڈال کر زمین پر کھینچتے ہیں اور پیر محمد سچیار کی جماعت بھی اگرچہ صاحب حالت اور سماع ہیں مگر اس قدر مستی نہیں رکھتے۔

چوں جناب عبد رحمان شیخ پاک
ہست مالی مرتبت تارینک او
شد بہ جنت از جہاں بے قال قتل
مہم کرم عاشق رحمان حبیل! نے

۱۵۴۔ سید عبدالقادر المشہور بہ شاہ گدا گیلانی قدس سرہ

والد کا نام سید عمر بن حاجی محمد ماتم تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ سید عبداللہ کی، سید عبدالرحمن سید محمد بن سید طار الدین حسینی ایسے باکمال بزرگوں سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ علوم تفسیر و حدیث و فقہ کی سند اپنے خال مولانا سید اسماعیل گیلانی سے حاصل کی تھی۔ طب مولانا شاہ عبدالرسول نونانی

سے شیخ الوداد اپنے بھائی شیخ عبدالرحمن کے مرید نہ تھے بلکہ حضرت شاہ گنج بخش کے مرید و خلیفہ تھے۔ (رسالہ احمد بیگ۔ تذکرہ نوشاہی)

سے شیخ عبدالرحمن کا صحیح سال وفات ۱۱۱۵ھ ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ عبدالرحمن پاک مصنف سید شرافت نوشاہی اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسم بہ طبعات نوشاہیہ طبقہ پنجم۔)

سے اپنے عہد کے عالم باعمل اور شیخ کامل تھے۔ شیخ عبداللہ مرقف سراج السالکین کے مرید اور شاگرد تھے۔ سلسلہ بیعت حضرت شاہ محمد غوث گریاری تک منتہی ہوتا ہے۔ ڈھل محلہ لاہور میں رہتے تھے۔ مزار محلہ کاغذکوباں میں ہے۔

لاہوری سے پڑھی تھی۔ اپنے عہد کے باکمال عالم و عارف تھے۔ بڑے شد زور تھے۔ شکار کا بھی شوق تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں شیر سے مقابلہ آ پڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایسا جھنجھوڑا کہ اس کے ہاتھوں کے جوڑا لگ لگ ہو گئے۔ آپ نے جہاں اپنے علمی روحانی فضل و کمال سے دنیا والوں کو فیض بخشا وہاں طبابت سے بھی خلق خدا کی بڑی خدمت کی۔ صاحب قلم تھے۔ کتاب کشف الاسرار خرد، کتاب کشف الاسرار بزرگ اور رسالہ اسرار الگھمانی علم خالق و معارف میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بقول صاحب شجرۃ الاولیاء ۱۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ چار فرزند سید یوسف، سید محمد غوث، سید اصغر علی صاحب شجرۃ الانوار، سید ابوصالح اولاد امجاد سے تھے۔
قطعہ تاریخ ولادت و وفات :

شاہ عالم شیخ عبدالقادر راست	میر اکبر پیشوا اور بسنا!
شہ عیاں تولید صابر حق پرست	نیز فرما "مرشدیں مجتبیٰ"
ارتحاش بگو "عالی مرتبت"!	نیز "مہدی متقی مقتدا"
۱۱۵۴ھ	۱۱۵۴ھ

۱۵۵۔ شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوری قدس سرہ

والد کا نام سید محمد علی بن سید علی بن سید فتح علی تھا۔ سادات حسینی بجاکری سے تھے۔ دریائے چناب کے کنارے پر رسول نگر میں سکونت رکھتے تھے۔ حضرت پیر محمد سچیا ز قادری نوشاہی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ ذوق وجد و سماع بھی تھا۔ تکمیل سلوک کے بعد مرشدانے خرقہ خلافت سے نوازا اور لاہور میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ لاہور آکر قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے نام پر گولہ شاہ فرید آباد کیا۔

لہ دریائے چناب کے کنارے پر رسول نگر ۱۱۹۹ھ میں آباد ہوا اور شاہ فرید کے آبادی کے اس سے تیس سال پہلے کس طرح رسول نگر میں سکونت تسلیم کی جاسکتی ہے۔ (تاریخ عباسی قلمی سید شہرانت نوشاہی)

تمام عمر دس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ بقول صاحبِ تذکرہ نوشاہی ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

چوں فریدِ زمانہ سیدِ دیں! فرد و کتا باغِ غلہ رسید
 رطسٹہ والی خلافتِ دان ہم بخواں آفتابِ فقر فرید!
 ۱۱۵۸ ۱۱۵۸

۱۵۶۔ شیخ فتح محمد قادری نوشاہی قدس سرہ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے مرید تھے۔ آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت نوشاہ نے انہیں خواب میں آکر اپنا تعارف کرایا اور ارشاد کیا کہ تمہارا حقہ ہمارے پاس ہے ساہن پال آکر لے لو۔ اس نے کچھ تغافل شہادت سے کام لیا۔ جب دوسری تیسری مرتبہ آپ نے پھر خواب میں آکر انہیں متنبہ کیا تو یہ فوراً روانہ ہو گئے۔ جب بتعامہ ساہن پال پہنچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آ رہا ہے اور ایک ہم غمخیز اس کے ساتھ ہے۔ یہ بھی از روِ ثواب جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ نمازِ جنازہ کے بعد جب لوگوں نے آخری زیارت کے لئے متولی کا منہ کھولا تو یہی وہاں پہنچے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے خواب میں آکر حضرتِ باطنی کے لئے لینے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ آپ کا نام پوچھا۔ لوگوں نے حاجی محمد نوشاہ گنج بخش بتایا۔ سنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک طویل عرصے کے بعد ہوش میں آئے۔ جب ہوش میں آئے تو مستانہ وارد ہشت فرودی کرنے لگے۔ حضرت نوشاہ کی روحانی توجہ سے عرش سے فرش تک ان پر اسرار و رموز منکشف ہو گئے اور کمالِ وقت سے ہو گئے۔ ان کا کام یہاں تک ترقی کر گیا کہ باشندگانِ علاقہ پوٹھوہار آپ کے عقیدت مندوں سے ہو گئے۔ آپ وحوش و طیور کے

لہ مفتی غلام سرور صاحب کی فاش غلطی ہے۔ کتاب تذکرہ نوشاہی ۱۱۶۹ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ فرید کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مفتی صاحب اس کے حوالہ سے وفات شاہ فرید ۱۱۵۸ھ لکھتے ہیں، جو اس کی تصنیف سے ہزارہ سال بعد کا واقعہ ہے۔

باتیں کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار ملک پوٹھوہار میں ہے۔ سن
شیخ دین فتح محمد نورِ حق! شد چو از دنیا بفرودس بریں
سن و سال از کمال آنجناب بست "مفتاح ولایت حسن دین" لے
۱۱۵۸

۱۵۷۔ شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ محمد بن خور داد کے فرزند ارجمند تھے اور حضرت شاد حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے
پوتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرحمن المشہور پاک رحمان قدس سرہ سے تربیت و تکمیل پائی تھی۔ صاحب
فضل و کمال تھے۔ حالت استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ گیارہ سال تک طعام نہیں کھایا۔ صائم الدہر اور
قائم الیل تھے۔ صاحب تذکرہ نوشاہی بنجاور نامی ایک شخص کی زبانی جو موضع ٹھٹھہ عثمان کا مقدم
تھا، بیان کرتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ زیادہ تراپنی زردی اراضی پر رہا کرتے تھے اور وہاں اپنے
رہنے کے لئے ایک جھو بنایا تھا۔ ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے گیا۔ جب حجرے میں
پہنچا تو کیا دیکھا بھوں کہ آپ کا ایک پیکر تن بدن سے جدا جدا پڑا ہوا ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور
دل میں کہنے لگا نہ جانے کون ظالم بے رحم قرآنِ غارت گر آپ کو شہید کر گیا ہے۔ میں ابھی اسی عالم
حیرت میں تھا کہ آپ کے بھائی شیخ عصمت اللہ تشریف لے آئے۔ فرمایا: بنجاور یہ مقام حیرت
نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ شیخ
عنایت اللہ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

زنیارفت چوں در غلبہ اعلیٰ شرحن و بشر میر عنایت
دعائی ادجیاں شد "منظرِ جود" دگر عالی قدر میر عنایت لے
۱۱۵۸

لے شیخ فتح محمد کاسن وفات ۱۱۱۹ھ ہے۔ مزار ساگری ضلع جلم میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول ص ۳۶۲)

لے حضرت عنایت اللہ کا صبیح سن وفات ۱۱۴۰ھ ہے۔ (ادکار نوشاہیہ ص ۳۷۸)

marfat.com

Marfat.com

۱۵۸۔ شیخ محمد سلطان لاہوری المشہور بہ مرگ نبی قادری قدس سرہ

سلسلہ قادریہ میں عظیم القدر بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شاہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ عجیب و غریب احوال و مقامات کے مالک تھے۔ مجذوبوں میں مجذوب اور ساکوں میں ساک تھے۔ طبع عالی پر جذب و سکوا اور عشق و محبت کا غلبہ طاری رہتا تھا۔ قدرت نے آنکھیں بڑی خوبصورت دی تھیں اس نے بارگاہِ مرشد سے مرگ نبی یعنی ابو حشیم کا خطاب حاصل تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے شاہ نواز خان صوبہ دار لاہور نے آپ کا مزار تعمیر کرایا تھا۔

چو سلطان دنیا دین بادشاہ!
دعاش شدہ روشن از نور بخش
ز دنیا سٹے دوں شد بہ ملک جناب
دگر شیخ سلطان محمود خاں
۱۱۵۸ھ
۱۱۵۸ھ

۱۵۹۔ سید شاہ حسین بن سید نور محمد بن شاہ امیر سجادہ نشین حجرہ قدس سرہ

اپنے علمی و روحانی فضل و کمال کے باعث مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت شیخ گزرے ہیں۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ مکارم اخلاق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔
نقل ہے ایک دفعہ کسی حادثہ کے باعث آپ کے ساتھی سواروں میں سے ایک سوار کے گھوڑے کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا۔ فرمایا: ابھی یہ ڈھیلا گھوڑے کی آنکھ میں رکھ کر پٹی باندھ دو۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: گھوڑے کی آنکھ سے پٹی کھول دو۔ چنانچہ پٹی کھول کر گھوڑے کی آنکھ کو دیکھا گیا تو درست اور صحیح و سلامت تھی اور اسے نظر آ رہا تھا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ رات کو ایک جگہ پر قیام فرمایا۔ آپ آرام فرما رہے تھے کہ چند قزاقوں نے آکر سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں خادم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آپ کو پکارا کہ تشریف لائیے، مدد کیجئے۔ قزاق سامان لوٹ رہے ہیں۔ فرمایا: کچھ غم نہ کرو، لوٹنے دو واپس لے آئیں گے۔ قزاق سامان لوٹ کر ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ دیوانے ہو گئے اور گتوں کی طرح آواز نکالنے لگے۔ اٹے پاؤں حاضر خدمت ہو کر معذرت چاہی۔ آپ نے اپنے

لوٹے سے پانی لے کر ان کے منہ پر چھڑکا۔ اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آگئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ بقول صاحب سراج الاولیاء ۹۲ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

بعد حسن چوں از جہاں رفت بست شہِ محسن آں پیرِ کامل حسین !
 بجز محبتی شاہِ عرفاں " وصال دگر سبید بر فضائل حسین "

۱۶۰۔ میاں شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ مایجاد کے فرزند سوم تھے۔ صاحب علم و عمل تھے۔ زہد و ورع، عبادت و ریاضت اور سخاوت و شجاعت میں شہرہ آفاق تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے آپ کے دادا حضرت نوشاہ گنج بخش نے آپ کے لئے دمانے درازی عمر فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے طویل عمر پائی۔ بڑے پُر جلال تھے۔ ایک دفعہ حاکم پرگنہ نے ادائیگیِ مالیہ کے لئے اپنا پیادہ بھیجا۔ اس پر جلال میں آگئے۔ اسی وقت حاکم پرگنہ کے پاس گئے۔ فرمایا کہ جب میں خود بخود مالیہ ادا کر دیتا ہوں تو پھر پیادہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو مسندِ حکومت کے لائق نہیں ہے تجھے معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی روز صوبہ دارِ لاہور کی طرف سے اسے اپنا معزولی نامہ وصول ہو گیا۔

مستی نور محمد ترکھان جو آپ کے خادموں سے تھا، موضعِ باجو کی میں کھیتی باڑی کرتا تھا وہاں کے مقدم مہربان نامی کچھ ٹکان بڑھا کر ایک سوار و صولی کے واسطے نور محمد کی طرف بھیجا، اس نے یہ واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ مہربان کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو نصیحت کی، وہ باز نہ آیا۔ اس بات سے آپ جلالت میں آگئے اور دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور کہا کہ تم کو خدا تعالیٰ ویران کر دے گا، اٹھ کر گھر چلے آئے۔ ابھی آپ رستہ میں ہی تھے کہ اتفاقاً غیب سے اس گاؤں میں کہیں سے آگ لگ گئی اور سارا گاؤں جل کر راکھ ہو گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ساہن پال کے کچھ زبیدار بھی بجاہ تھے۔ راستے میں محمد قلی نامی ساہن پال کے بیٹے نے اپنی گھوڑی دوڑا کر

آپ کے گھوڑے سے آگے بڑھائی اور جاتے جاتے ایک کوڑا آپ کے گھوڑے کو بھی مارا۔ آپ نے اسے بے نگاہ غضب دیکھا اور فرمایا۔ اب تو گھوڑی پر سوار نہیں ہو سکے گا۔ ابھی تھوڑی ہی ڈور گیا تھا کہ اس کی گھوڑی جس کی قیمت قریباً چھ سات سو روپے تھی گر کر فوراً مر گئی۔ پھر اس واقعہ کے بعد اس پر تنگ دستی و بد حالی ایسی مسلط ہوئی کہ مرتے دم تک خوشحال نہ ہو سکا اور کبھی گھوڑی میسر نہ ہوئی۔ ۱۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے جد بزرگوار کے متصل ہے۔

شد چو رحمت ازیں جہاں پرودہ
رحمت اللہ ولی رہبر نیز
ہست تاریخ آں شہ ابرار!
رحمت اللہ معدن الانوار!

۱۶۱۔ شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ عالیجاہ کے فرزند چہارم تھے۔ عالم متبحر اور عارف کامل و اکل تھے۔ تحصیل علوم سیانکوٹ میں کی تھی۔ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہ کر سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کی تکمیل کی تھی اور ریاضت و مجاہدہ سے ولایت باطنی کو کمال تک حاصل کیا۔ پر بزرگوار کی وفات کے بعد احمد بیگ سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے والد گرامی کے مزار کے قریب ہے۔

رفت از دنیا چو در حسلہ بریں
نصرت اللہ رہبر کون و مکاں
ہستم عشق است سالش کن رقم
نیز نصرت واصل کامل بخواں

۱۶۲۔ میر سید بکھے شاہ قادری شطاری قصوری قدس سرہ

ساداتِ عظام سے تھے۔ وطن قصیدہ قصور تھا۔ حضرت عنایت شاہ قادری شطاری کے عظیم المرتبت مرید و خلیفہ تھے جن کا سلسلہ بیعت حضرت شیخ محمد غوث گویاری تک منتہی ہوتا ہے۔

اپنے زمانے کے عالم و فاضل، عابد و زاہد، عارفِ کامل اور شاہِ سربے بدل تھے۔ پنجابی زبان میں آپ کی کافیاں زبانِ زوِ خاص و عام ہیں۔ تمام کلام موصلاً اور عارضاً ہے اور اپنے اندر ایک عجیب لذت و تاثیر رکھتا ہے۔ قوال اب بھی آپ کے کلام سے مجالسِ سماع کو گراتے ہیں۔ ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ مزارِ قصور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چونچے شاہ شیخ برود عالم
مقامِ خویش اندر خلد در زید !!
رقم کن "شیخ اکرم" ارتحالش
دگر ہادی اکبر مستِ توحید

۱۶۳۔ سعد اللہ قادری نوشاہی قدس سرہ

مولانا حافظ برخوردار کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ فنِ طبابت میں بھی مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ ظاہری و باطنی طور پر مریضوں کی خبر گیری بھی کیا کرتے تھے۔ نقل ہے کہ جب آپ کے والد مولانا حافظ محمد برخوردار نے آپ کی شادی کرنے کے بعد شیخ سعد اللہ اور نصرت اللہ دونوں بھائیوں کو اپنے اپنے گھروں میں الگ کیا تو شیردار بھینس شیخ نصرت اللہ کو دی اور اس کا بچہ (گٹا) شیخ سعد اللہ کو عطا فرمایا۔ یہ بات آپ کو گراں گزری اور عرض کیا، یا تو یہ گٹا بھی نصرت اللہ کو دے دو یا بھینس میرے والے کو دو اور اگر یہی تقسیم آپ کو منظور ہے جو کہ کر دی ہے تو میں نے خدا تعالیٰ سے منظور کر لیا ہے کہ یہ دونوں مرجائیں۔ چنانچہ

لے حضرت بچے شاد کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۹ء میں ایک مخطوطہ مجموعہ و خانقہ، پر حضرت بچے شاد کی مثبت مہر جس پر ۱۱۸۱ھ درج ہے کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ بچے شاہ ۱۱۸۱ھ تک زندہ تھے۔ مولوی صاحب کا یہ تحقیقی مضمون "کیا نصرت بچے شاہ شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور کے دیباچہ پر مقرر ڈاکٹر فقیر محمد فقیر میں من و عن درج ہو چکا ہے۔

واقعی دونوں میں بھینس اور گنا دونوں مر گئے۔

نقل ہے کہ آپ موضع بھاگت کی میں اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ وہاں کا مقدم
دمبر دار سید انام معاملہ وصول کرنے پر آپ کو بہت تکلیف دیا کرتا، آپ نے کہا کرتے۔ جب
اس کی دشمنی اور بد اعمالی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے فرمایا، اے سید! اب وقت آپہنچا
کہ تو اب اپنی بد اخلاقی کے باعث غضبِ الہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں
کے بعد اس کے دونوں بیٹے جو بڑے لائق تھے، مر گئے اور مال و اسباب چوروں نے لوٹ لیا اور
وہ خود اندھا ہو کر بد حالی میں ایسا گرفتار ہوا کہ در در گدائی کرتا ہوا مر گیا۔ شیخ سعد اللہ نے ۱۱۰۵ھ
میں وفات پائی۔

شیخ سعد اللہ ولی دو جہاں
سال تاریخ وصال آں جناب
شد چراز دنیا بخت شد قریب
گفت مرور شیخ سعد اللہ بخت تو بیت

۱۶۴۔ شیخ محمد عظیم قادری قدس سرہ

حضرت شاہ مقیم حکم الدین صاحبِ حجرہ کی اولادِ اجماد سے تھے۔ موضع بگم کوٹ لاہور میں
سکونت تھی۔ اپنے وقت کے زاہد و عابد، عالم و عامل اور صوفی کامل تھے۔ تمام علوم و تدیس
اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملے کرنے شروع کئے تو اس کے
لشکر کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لاہور کی کئی مضافاتی آبادیاں خالی ہو گئیں۔ بگم کوٹ کے گرد و
نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اکثر و بیشتر لوگ افغانی غارتگری کے خوف سے
اپنے مال و متاع اور متعلقین کو لے کر نقل مکانی کر گئے ہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو کوئی
بگم کوٹ میں آجائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی طور پذیر ہوا اور بگم کوٹ افغانوں کی لوٹ مار
سے محفوظ رہا۔ ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

لے شیخ سعد اللہ کا صحیح سال وفات ۱۱۰۵ھ ہے۔ (اذکارِ شاہیہ صفحہ ۴۳)

چوں محمد عظیم اعظم وقت !! شد بعد عظمت از زمانہ جدا
 رطشہ فاضل کریم آمد نیز شیخ جلال اہل صفائے

۱۶۵۔ شاہ سُرّار قادری قدس سرہ

صاحبِ خاں کلاں قادری کے مرید و خلیفہ تھے جنہوں نے حضرت شاہ میر سجادہ نشین
 حجرہ سے ظاہری و باطنی فیض پایا تھا۔ اپنے عہد کے تہذیب عالم اور صوفی کمال تھے۔ علوم تفسیر و
 حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ موضع بابک وال جو لاہور شہر سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے
 سکونت رکھتے تھے۔ یہیں تمام علم و درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔
 احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں جب افغانی لشکر نے لاہور کے گرد و فواح میں تاخت و تاراج
 کا سلسلہ شروع کیا تو مضافات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، دعا فرمائیے کہ
 ہم افغانی غارتگری سے معصون و مامون رہیں۔ آپ نے اپنا خرّ و تارک انہیں دیا اور فرمایا:
 اسے اپنے اپنے گاؤں کے گرد پھرائیں۔ چنانچہ جن جن گاؤں والوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق
 عمل کیا وہ ہر طرح سے امن و امان میں رہے۔ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں بارت گاہ
 خلیق ہے۔

شاہ سُرّار آں ولی متقی ! شد چو از دنیا بخت جست راہ
 گشت روشن از خرد خورشیدین سال وصل شاہ بچو مہر و ماہ

۱۶۶۔ سید میر محمد شاہ عبدالرزاق خلیفہ شاہ محمد شام برادر شاہ حسین صاحب حجرہ قادری قدس سرہ

میر محمد شاہ نام، عبدالرزاق لقب تھا۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ زہد و تقویٰ اور
 عبادت و ریاضت میں وحید العصر اور تجربہ و تفرید میں فرید الہد ہر تہ۔ کشف و کرامت میں بڑے
 اخفا سے کام لیتے تھے۔ بے حد مستغنی المزاج تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ بقول

صاحب اسرار الاولیاء ۱۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔ چار فرزند شاہ صدر الدین الملقب بہ شیر خدا، شاہ سعد الدین ثابت قدم، شاہ سیف الدین، شاہ طالب الدین اولاد تھے۔ شاہ سیف الدین حیات والد ہی میں وفات پا گئے تھے۔

عبد رزاق میر عالی جاہ ذات پاکش بدو جہاں طاق است
بست غیب اللسان سانس نیز مُتقی میر عبد رزاق است

۱۶۷۔ شیخ مصاحب خاں خروقاوری لاہوری قدس سرہ

سید شاہ سرور کے کامل و اکمل مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد میں علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور چھ سال تک درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مشغول رہے۔ آپ کے طلقہ درس سے پانچ سو حافظِ خطِ قرآن کی نعمت سے مالامال ہو کر نکلے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

چوں مصاحب بہ رحمتِ باری! یانت در بارگاہِ جنت بار!
جو وصلش زہ میر نعمت فقر بار دیگر زہ مخزن الاسرار!

۱۶۸۔ شاہ صدر الدین بن سید میر محمد عبد الرزاق قدس سرہ

صاحب علم و عمل تھے۔ سخاوت و شجاعت، عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں تمام بلند اور درجہ ارجمند رکھتے تھے۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر جو آتا تھا، محروم نہ جاتا تھا ایک خلق کثیر نے آپ سے اخذ فیض کیا۔ شوقِ شہادت بچہ تھا۔ اسی شوق میں سپاہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ کفار سے اکثر معرکہ آرا رہتے تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

صدر عالم صدر دین صدر الصدور منظر دین مصدر فیض نبی

بدوگرشدا از خرد، مہتابِ غلہ
سرورِ تولیہ آں والا ولی
سال وصل آں شہِ عالی جناب
بست صدر الدین امیر مستقی

۱۶۹۔ سید سعد الدین بن سید میر محمد عبدالرزاق قادری صاحب حجرہ قدس سر

علم و فضل، صدق و صفا اور جود و سخا میں شہِ ذی آفاق تھے۔ تمام عمر ظاہری و باطنی جہاد میں مصروف رہے۔ ایک غلط کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ تمام عمر درس و تدریس اور اشاعتِ دین میں مصروف رہے۔

بقول صاحب اسرار الاولیاء، ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

باعتقاد شد چو از وار فنا
اسعد دورِ زماں شیخِ ظہور!
گوشہ فیض است تار بخش دگر
سید الابراہیم شیخ نور

۱۷۰۔ شیخ جان محمد قادری لاہوری قدس سرہ

شیخ صاحبِ خان خرد لاہوری قادری کے باکمال اور صاحبِ کرامت مرید و خلیفہ تھے۔ علم و عمل اور ہدایت و تلقین میں ممتاز الوقت تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تادمِ زیست عوام و خواص کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کی لوٹ مار کے باعث پنجاب میں ہر طرف بے چینی و بدمستی پھیلی ہوئی تھی منافاتِ لاہور کی آبادیاں افغانی لشکر کی غارتگری اور سکھوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے ویران ہو رہی تھیں۔ اکثر و بیشتر آبادیاں نقل مکانی کر گئی تھیں۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے، طالبِ دعا ہوئے اور بچاؤ کی تدبیر کی درخواست کی۔ فرمایا: میرا عصا لے جاؤ اور اپنے اپنے گاؤں کے گرد اس سے خط کھینچ دو، ان شاء اللہ محفوظ رہو گے چنانچہ آپ کی دعا اور توجہ سے ایسا ہی ہوا۔ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بابک وال میں ہے۔

ذو دنیا شد چو در حسلہ معلیٰ شبہ عالم ولی جانِ محمّد
وصالی اوز شیخ رہنا جو دگر فرما غنی جانِ محمد
۱۲۰۶ھ ۱۲۰۶ھ

۱۷۱- شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوری قدس سرہ

مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔ صاحب علم و فضل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز الوقت تھے۔ ذات کے بلوچ تھے۔ ساربان پشہ تھا۔ صاحب ثروت تھے۔ شیخ شرف الدین پانی پتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلہ بیعت چار واسطوں سے حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر قدس سرہ تک منتہی ہوتا ہے۔ جب سلوک میں قدم رکھا تو تمام مال و متاع راہِ خدا میں ٹاڈا دیا۔ تکمیل سلوک کے بعد حکمِ مرشد کے مطابق لاہور آکر لوگوں کی ظاہری و باطنی تہذیب و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ موضع مزنگ میں اپنے نام پر ایک محلہ آباد کیا جو اب تک کوٹ عبداللہ شاہ کے نام پر مشہور ہے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی۔ آپ کے خلفاء میں سے مولانا مفتی شیخ فیض بخش لاہوری قریشی ہاشمی، مولانا غلام محمد نے مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء کے ہم جہاد حضرت مولانا مفتی قاضی شیخ محمد حکیم کے پوتے تھے۔ جنہیں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۰ھ لاہور کا مفتی اعلیٰ مقرر کر کے مددِ افتاد و قضا و دنوں آپ کے سپرد کر دیے تھے۔ مولانا فیض بخش اپنے والد کے جید عالم، فقیہ فاضل اور عارف کامل تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ وطنِ مرشد کے مزار کے متصل آٹھ گزے مولانا محمد صدیق کے فرزند ارجمند تھے۔ حافظِ قرآن اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسجد وزیر خانہ کے امام رہے۔ کتابتِ قرآن سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے اس میں سے بھی اپنا حق نکال کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بڑے شفیق و حلیم تھے۔ دس تدریس میں طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ کتاب شمس التوحید۔ فارسی نثر میں اور گنجِ مخفی نظم میں آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ۱۲۴۲ھ میں وفات پائی۔

مرقد مسجد وزیر خانہ کی جنوبی دیوار کے باہر ہے۔

المشہور امام گاموں امام مسجد نواب وزیر خاں، مولانا حافظ الہیاری پشاور می قابل ذکر ہیں جو اپنے کمال علم و فضل کے باعث مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔ مولانا شیخ مراد بخش بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں علم کیمیا کا شائق ہوں۔ بڑی محنت اور روپیہ صرف کرنے کے باوجود میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ معلوم نہیں آیا یہ کوئی علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں تو ممنون احسان ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: بہتر۔ جاؤ کچھ تانبے کے پیسے، سم انفار اور گندھک لے آؤ۔ وہ اسی وقت بازار جا کر یہ سب چیزیں لے آیا۔ مجھے فرمایا کہ جس مٹی کے پیالے میں ہم کھانا کھاتے ہیں وہ اٹھا لاؤ اور تانبے کے پیسے اس میں ڈال کر سم انفار اور گندھک بھی شامل کر دو۔ اوپر کوئلے بھر کر آگ دے دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: چمٹے سے پکڑ کر ایک پیسہ باہر نکالو۔ میں نے پیسہ نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس ہندو سے فرمایا: اسے کوٹو۔ تب سیاہ پردہ دور ہو گیا تو زرخاں نکل آیا۔ وہ ہندو اسی وقت حلقہ بگوشی اسلام ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔

نقل ہے ایک شخص نے ملیات کے ذریعے ایک جن کو مستر کر رکھا تھا اور اسے کسی پرانی قبر کے نیچے چھپا کر اس سے جو چاہتا، کھواتا۔ اس چیز نے اسے عوام میں صاحب کرامت مشہور کر رکھا تھا اور اکثر سہلا اس کے دام فریب میں گرفتار تھے۔ ایک روز یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگر آپ کو دو گائے قربے تو مجھے کوئی کرامت دکھائیے، نہیں تو میں دکھاتا ہوں۔ پھر

نے صاحب علم و عمل و صوفی کمال تھے۔ مرشد نے یہ ایمانے ربانی خود پشاور جا کر مرید کیا اور درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ مزار پشاور میں ہے۔

مولانا مفتی شیخ فیض بخش کے فرزند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ بلوچ سے بھی اخذ فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دوسرے حقیقی برادر مولانا شیخ امام بخش التوفی ۱۶۳۷ھ بڑے عابد و زاہد اور صوفی باکمال تھے۔ کتابت قرآن سے رزق حلال حاصل کرتے تھے۔ تمام مدرس و تدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے جد مادری تھے۔

آپ کو میرا مرید ہو جانا پڑے گا۔ میں مردہ صد سالہ کو زندہ کر کے گویا کرتا ہوں اور یہ کرامت مجھ سے کئی مرتبہ ظہور میں آچکی ہے۔ میرے ساتھ آئیے میں آپ کو اس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ آپ کو گورستانِ میانی میں لے گیا اور کہا، بتائیے، کس مردہ کو زندہ کروں۔ آپ نے ایک قبر کا نشان دیا۔ اس نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہا، اے یسین!۔ اندر سے ندا آئی۔ والقرآن الحکیم۔ کہنے لگا: دیکھئے مردہ زندہ ہو گیا ہے، اب آپ اس سے جو چاہیں پوچھیں یہ آپ کی ہر بات کا جواب دے گا۔ آپ نے قبر پر پاؤں مار کر فرمایا: جو شخص اس قبر کے اندر چھپا ہوا ہے وہ باہر آجائے۔ اسی وقت ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا قبر سے باہر آ گیا۔ آپ نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں جن ہوں اور کئی سالوں سے اس شخص کی قید میں ہوں۔ اس کے حکم سے قبر کے اندر جا کر سوالوں کا جواب دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں تجھے اللہ کے حکم سے آزاد کرتا ہوں اور اس شخص کے عملِ تسخیر کو باطل کرتا ہوں۔ جن اسی وقت غائب ہو گیا۔ حاضرین جو آپ کے ساتھ گورستان گئے تھے انہوں نے خوشی و مسرت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا اور وہ شعبدہ باز تائب ہو کر آپ کے حلقہ ارادت میں آگیا۔ ۷۔ ماہ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع مزنگ کوٹ عبداللہ شاہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو عبداللہ شاہ مردِ مجیب
جسم از دل چو سالِ تارِ بخشش
شد دنیا بسوئے دوستِ قریب
گفت ہاتھ بگوشِ ہوشِ غریب

۱۳۱۲ھ

۱۷۲۔ شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوری قدس سرہ

مشائخِ قادریہ میں مرد صالح و مجیب الدعوات گزرے ہیں۔ سید صدر الدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حسن سیرت اور حسن صورت دونوں کے جامع تھے۔ ترکِ علاقہ،

لے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ عبداللہ شاہ بلوچ "مولفہ محمد بن کلیم مطبوعہ ۱۹۷۱ء"

تجربہ و تفریح اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ ایک خلق کثیر آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھی۔ تمام مدرس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں مصروف رہے۔ ۱۲۱۵ء میں وفات پائی۔ دو فرزند سید غلام نبی اور سید غلام علی اولاد سے تھے۔ دونوں صاحبزادے مابد و زاہد اور صاحب کرامت تھے۔

رفت خوش محمود زین دار فنا
سال ترحیلش بہ سہ و رشید عیاں
چوں برویش گشت بابِ خلد باز
مقتسم محمود میر بے نیاز

۱۶۳۔ سید عادل شاہ المشہور سید نیکو گیلانی بن سید فضل بن حاجی محمد ہمام قدس سرہم العزیز

عالم و عامل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں یگانہ آفاق تھے۔ دعوتِ اسمائے النہی میں کامل و اکمل تھے۔ روزانہ خرچ اللہ تعالیٰ کے خزانہِ غیب سے حاصل ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی حاضر خدمت ہوتا، محروم نہ جاتا۔ ۱۲۲۰ء میں وفات پائی۔ وطن موضع لکھوال ضلع گجرات تھا۔ مزار لاہور میں ہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور رقم طراز ہیں، آپ کے نواسہ سید محمد شاہ گیلانی صاحبِ علم و فضل اور مظهرِ کمالاتِ ظاہری و باطنی ہیں۔ کئی دفعہ شرفِ ملاقات حاصل ہو چکا ہے۔ یگانگت و الفت میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح آپ کے فرزند سید شاہ سردار صاحبِ حال و قال بزرگ ہیں اور میرے کرم فرماؤں سے ہیں۔ دونوں حضرات لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔

قطرہ تاریخِ ولادت و وفات:

سید والا مراتب نیک ذات
سال تولدش بہ احوالِ صحیح!
شاہ عالم عادلِ دورِ زماں
عادل و فاضلِ علیم آمد عیاں
گشت سالِ انتقالش جلوہ گر!
محرّم اسرارِ عشق سے مہرباں

۱۴۴۔ سید شاہی شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

ترکِ ملائی میں بے مثال اور اخلاقِ محسوس کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ موضع لکھوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ طویل عرصہ تک حضرت شیخ مخدوم سید علی بھوری داتا گنج بخش کے مزارِ اقدس پر محکف رہے اور بے اندازہ فیوض و برکات حاصل کئے۔ پھر یہ ایمائے باطنی لاہور ہی میں مقیم ہو گئے اور تادمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چراز روئے زمیں مانند خورشید
بیاں شد فاضلِ برحق و مالش
نہاں شد میر شاہی شاہ فردوس
جیاں شد میر شاہی شاہ فردوس

۱۲۲۱ھ

۱۲۲۱ھ

۱۴۵۔ شاہ سرار قادری قدس سرہ

شیخ جان محمد قادری لاہوری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ بڑے بزرگ اور عابد و زاہد تھے۔ عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے اتقان تھے۔ کابل وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت بھی کابل ہی میں پائی۔ سنِ رشد کو پہنچے تو تلاشِ حق میں نکلے۔ کئی ایک مشائخ کی خدمت میں رہے۔ آخر لاہور آئے اور موضع بابک وال پنج کر شیخ جان محمد کی خدمت میں شرفِ یاس ہوئے اور مرشد کے زیر سایہ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ محنت و مزدوری سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شاہدِ رہ کی منڈی سے گندم اٹھا کر لاتے اور لاہور کی منڈی میں فروخت کرتے۔ نقد و جنس سے جو مزدوری میں طنائس میں سے اپنا حصہ نکال کر باقی فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ آج کی کمائی سے کل کے لئے باقی نہ رکھتے تھے۔ زندگی کا زیادہ عرصہ شاہدِ رہ میں گزارا۔

نفل ہے ایک روز سید قطب الدین بن سید صدر الدین گیلانی صاحبِ حجرہ آپ کی ملاقات کے لئے شاہدِ رہ تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں سید قطب الدین نے فرمایا، اس سال عادت کے خلاف ہم خربوزہ پکنے کے موسم میں شاہدِ رہ نہیں آئے اگر موسم ہوتا تو شاہدِ رہ کے

خوبزے کھاتے۔ یہ سن کر حضرت شاہ سردار مجلس سے اٹھے اور اپنے حجرے کے کونٹے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے نہایت عمدہ و شیریں خوش رنگ خوبزے اٹھالائے اور سید قطب الدین کے سامنے رکھ دیے۔ عرض کیا: اگرچہ خوبزے پکھنے کا موسم نہیں ہے مگر وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے فیقروں کے پاس نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر سید قطب الدین بڑے خوش ہوئے۔ ان خوبزوں کو اپنے ہاتھ سے چیرا خود بھی تناول کیا اور حاضرین میں بھی تقسیم کیا۔ فرمایا: یہ ہشتی میرہ ہیں اور تمہیں شاہ سردار کے وسیلے سے میسر ہوا ہے۔

۱۷۲۵ء میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

یافت سرداری چور غلہ بریں ! آں شہ جن و بشر سردار شاہ
سالِ ترحیل و دمالِ آں جناب داں "ولی رہبر سردار شاہ"
۱۲ ۲ ۵

۱۷۶۔ سید علی شاہ قادری لاہوری قدس سرہ

ساداتِ گیلان سے ہیں۔ سلسلہ طریقت بھی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم ہیک پنجاب ہے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۱۰ء میں احمد آباد وکن سے لاہور آکر اپنے لئے ایک مختصر سی جگہ دریائے راوی کے کنارے تجویز کر کے سکونت اختیار کر لی تھی۔ شب و روز عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ دریا میں طغیانی آئی کہ پانی شہر لاہور کی فصیل تک پہنچ گیا حتیٰ کہ آپ کی خانقاہ بھی گرنی شروع ہو گئی۔ رنجیت سنگھ حاکم لاہور و پنجاب نے آپ کو شہر میں لانے کے لیے کشتی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا: میرا خدا حافظ و ناصر ہے، میں نے اس سے دعا کی ہے کہ آئندہ دریا کا پانی بارش کے موسم کے سوا یہاں نہ آئے۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ دریا وہاں سے دور چلا گیا پھر موسمِ برسات کے سوا کبھی پانی نہیں آیا۔

۱۷۲۰ء میں وفات پائی۔ مزار لاہور محلِ چراغ شاہ میں ہے جو آپ کے مرید و سجادہ نشین تھے۔

قلعہ تاریخِ وفات ۱۔

رفت میں نیاے دل فانی چور تک بہشت حضرت علی شاہ و زماں شیخ زماں !
 رعلتش سید علی نور زماں مخدوم "گو" "فضل نورانی" بڈاں مہم شیخ نورانی بخاں
 ۲۴ ۱۲ ۲۴ ۱۲

۱۷۷۔ سید مراد علی شاہ شہید مقیم شاہی صاحب حجرہ قدس سرہ

جامع بیادت و شرافت تھے۔ علم و علم، زہد و تقویٰ اور شجاعت و سخاوت میں یگانہ آفاق تھے۔ تمام عمر ہدایت و ارشادِ غنی میں گزاری۔ ۱۲۲۸ھ میں شہادت پائی۔ یہ سانحہ اس طرح پر ہوا کہ جب رنجیت سنگھ تمام پنجاب پر قابض ہو گیا تو صاحب سنگھ بیدی جو گوردانک کی اولاد سے تھا اور موضع اونہ میں مقیم تھا اور رنجیت سنگھ اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں پر نارو و اظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ اس بداندیش نے چاہا کہ حضرات پیران حجرہ کی بھی زمین و جاہلوں پر قابض ہو جائے۔ اس وجہ سے وہ ان حضرات سے معاندانہ رویہ اختیار کئے رہتا۔ پہلے تو حضرت مراد علی شاہ نے بہ وہیں سگ لقمہ دوختا بہ پر عمل کرتے ہوئے اسے کچھ زرد نقد دے کر اہل حجرہ کو اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا۔ لیکن جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو آپ چند خدام اپنے ہمراہ لے کر اس فساد و حرص کی افہام و تفہیم کے لئے اونہ تشریف لے گئے۔ اس نے وہاں نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے آپ کو اور آپ کے خدام کو گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس پر اہل حجرہ بڑے مشوش ہوئے اور آپ کی رہائی کے لئے سوچنے لگے۔ آخر طے پایا کہ یہاں سے چودھری قادر بخش لاہور کو اونہ بھیجا جائے اور وہ کسی نہ کسی طرح حضرت کو وہاں سے رہا کر لے۔ چنانچہ اس تجویز کے تحت اس نے اونہ میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور چند روز کے بعد ایک رات کو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور داخل ہوتے ہی تمام ہا بہ زنجیر ایروں کی زنجیریں کاٹنی شروع کر دیں۔ مگر حضرت نے ازراہ شفقت و عنایت یہ نہ چاہا کہ پہلے ان کی رہائی عمل میں آئے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دوسرے قیدیوں کو رہا کر لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اور آپ کے ہم جہ و حو لن شاہ کی اور ایک خادم کی رہائی عمل میں نہ آسکی اور صبح نمودار ہو گئی۔ چودھری قادر بخش، اس کے ہمراہی اور دیگر

خدا م تو قلعہ کی دیوار پہنا کر بھاگ گئے۔ مگر آپ اور آپ کا ایک بھائی قلعہ کے اندر ہی رو گئے۔ دھولن شاہ نے پابہ زنجیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو قلعہ کی دیوار کے نیچے گرا دیا جس سے وہ سخت مجروح ہوئے اور ایک خادم انہیں اپنے گھوڑے پر اٹھا کر لے گیا۔ اتفاقاً راستے میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سید دھولن شاہ گھوڑے سے گر پڑے۔ خادم نے اس خوف سے کہ صاحب سنگھ بیدی کے آدمی اسے آکر کپڑے لیں انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ دھولن شاہ نے بہ ہزار وقت اپنے آپ کو ایک کھیت میں چھپایا اور دن بھر وہیں پڑے رہے۔ رات کو کھیت کے مالک کا لڑکا وہاں آیا اس نے دھولن شاہ کو وہاں نہایت خستہ حالت میں پڑے ہوئے پایا اور یہ حالت جا کر اپنے باپ سے کہی باپ بیٹا سگھ ہونے کے باوجود انہیں اٹھا کر لے گئے اور صلاح یہ ٹھہری کہ رات گزرنے پر صبح کو انہیں اپنے گاؤں پہنچا دیا جائے۔ اُس سگھ نے اپنے ایک مسلمان ہمسایہ کو جو زراعت میں بھی اس کا شریک کار تھا یہ بات بتا کر اُسے تاکید کی یہ راز کسی پر کھلنے نہ پائے۔

مگر اس ندار اور لاپرواہی مسلمان نے صبح ہوتے ہی اُس ظالم و مفسد صاحب سنگھ بیدی کو جا کر اس کی اطلاع دے دی۔ اُس نے فوراً اپنے سوار بھیجے کہ دھولن شاہ، اُس سگھ کو اور اس کے لڑکے کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں ایسے ہو کر اُس کے سامنے آئے۔ اُس نے بلا توقف ان تینوں کو نیز حضرت سردار شاہ کو اور ان کے ایک بھائی کو قلعہ کے اندر قتل کرا دیا اور اس مقتول سگھ کی تمام جائیداد اس مخبر مسلمان کو دے دی۔

صاحب اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۹۵ھ اور شہادت ۱۲۲۸ھ میں واقع ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید مد علی شاہ سجادہ نشین ہوئے جو علم و فضل اور ارشاد و ہدایت خلق میں اپنے پر بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات،

شہ و سردار محبوب النہی شریف و سید و اشراف و دیندار

شہ از دل عارف مشتاق پیدا پئے تولید آں سردار و ابرار

بوصلش متقی زاہد شہنشاہ دگر بر خواں مقدس پیر اخیار

۱۲۰۰ ۱۲۰۰

۱۷۸۔ حضرت شاہ غلام نبی قدس سرہ صاحبِ حجرہ

اپنے عالی مرتبت والد حضرت محمود بن محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد اور مرید و خلیفہ تھے۔
پہرہ بزرگوار کے فیضِ نظر سے صاحبِ علم و فضل و خوارق و کرامت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے
استفادہ کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ موسمِ برسات میں دریائے راوی بڑی طغیانی پر تھا۔ امواجِ دریا شہر
لاہور کی فصیل سے ٹکرا رہی تھیں۔ جتنی کشتی میں سفر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہی ایام میں
حضرت سید علی ہجویری داماد گنج بخش کا سالانہ عرس آگیا۔ آپ نے اپنے مریدِ عمر الدین سے کہا: آج
ہیں عرس پر جانا ہے۔ اس نے عرض کیا: حضرت پانی اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ کشتی میں بھی عبور کرنا
مشکل ہے۔ فرمایا: نعم ذکر و۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) پس آپ نے
موضعِ بگم کوٹ سے دریا میں قدم ڈال دیا اور عمر الدین سے کہا: میرے قدم بقدم چلے آؤ اور
دل میں کچھ اندیشہ نہ لاؤ۔ آج پانی ہمارے ٹخنوں تک ہے۔ چنانچہ وہ بھی حکمِ مرشد کے مطابق آپ
کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ اس طرح دریا عبور کر کے مزار حضرت داماد گنج بخش پر پہنچ گئے۔ ۱۲۲۷ھ میں
وفات پائی۔ مزار لاہور میں مضافاتِ بگم کوٹ میں بیان کیا جاتا ہے۔

دقت زیں دیر چوں بخلد بریں! حاکم دین شاہ غلام نبی
گفت بتاریخ وصالش خرد 'طالب اللہ و غلام نبی'
۱۶

۱۷۹۔ سید قطب الدین المعروف بہ قطب الانام گیلانی قدس سرہ

قطب الدین نام، قطب الانام لقب، سید صدر الدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ
کے نامور فرزندِ بزرگوار تھے۔ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ علم و حلم، زہد و ورع، عبادت و
ریاضت اور جود و سخا میں یگانہ آفاق تھے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں گزار دی۔
ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ کے جد بزرگوار سید عبدالرزاق بیمار ہو گئے، جب بیماری طویل ہو گئی تو آپ کے والد ماجد سید صدر الدین نے بارگاہِ خداوندی میں منت مانی کہ میں اپنے جد بزرگوار کی صحت یابی کے لئے اپنے بیٹے قطب الدین کو تصدق کروں گا۔ ابھی آپ نے یہ بات پوری بھی نہ کہی تھی کہ قطب الدین جن کی عمر اس وقت چودہ برس کی تھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنے جد امجد کے گرد سات بار طواف کیا اور زوادا جان کی دستار مبارک کو چار پائی سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ان کے والد نے جب ان کی یہ حرکت دیکھی تو اپنے والد محترم کی ناراضی کے پیش نظر خاموش رہے۔ سید عبدالرزاق نے اسی وقت فرمایا: اے صدر الدین! شیطان جو نے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تیری نذر کو قبول فرمایا ہے اور وہ طواف کر کے تصدق ہو گیا ہے۔ سر پر پگڑی رکھنے سے یہ اشارہ ہے کہ وہ کسی اور کے توسل کے بغیر میرا جانشین ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا اپنے والد کی وفات کے بعد یہی سجادہ نشینی ہوئے باوجودیکہ سردار علی خلیفہ سید مدد علی موجود تھے۔ سید نعمت علی اور ان کی محترمہ ہمشیر نے بھی آپ ہی کی سجادگی پر اظہارِ رضامندی کیا۔

نقل ہے محمد شاہ اور احمد شاہ قریشی دونوں بھائی آپ کے مرید تھے اور قبضہ جنگ سیالان میں سکونت رکھتے تھے ان کی ہمشیرہ لاولد تھی۔ ایک دفعہ آپ جنگ تشریف لے گئے تو اس خاتون نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک آپ مجھے فرزند کی بشارت نہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا: تیری قسمت میں فرزند نہیں ہے مگر ہمارے ہاں ایک فرزند کا ہونا مقدر ہے وہ فرزند ہم نے تجھے دیا۔ یہ مرد حسن کر اس خاتون نے آپ کے قدم چھوڑ دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند سے نوازا اور اس کا نام بہادر شاہ رکھا گیا۔

صاحب اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۸۶ء میں ہوئی اور وفات ۶۔ جمادی الثانی ۱۲۵۰ء میں پائی۔ پہلے بگم کوٹ میں مدفون ہوئے پھر سید مدد علی شاہ نعش مبارک کو نکال کر بمقام حجرہ لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ قطعہ تاریخ ولادت و وفات:

قطب قطاب آں شہ قطب الانام	میر قطب الدین ولی متقی!
سال تویدش زچرخ چارہیں	طرزہ خورشید نبی شد منجلی
رعلتش مخدوم نعمت کن رقم	نیز قطب الافضلیں کامل ولی

۱۸۰۔ شیخ مسلم خاں قدس سرہ

پنجاب کے طبقہ امراء سے تھے۔ ترک ملائق کر کے راہ سلوک میں قدم رکھا اور شاہ سرمد قادری کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر تکمیل سلوک کی اور خرقہ خلافت پایا۔ مرشد کے کمال تریں اور فاضل تریں خلفا سے تھے۔ وفات مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر ارشاد و ہدایت خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

جناب شیخ مسلم خان والا
چون تاریخ وصال او بحسبم
بہ جنت رفت زیں دنیا پر شور
نہ آمد ز دل "محبوب منظور"
۱۲۵۴ھ

(الحمد للہ کہ اردو ترجمہ مخزن اول و دوم مکمل ہوا)

کتبہ، محمد شریف کڑیالوی

marfat.com